شرع لکم من الدین ما وصّی به ابراهیم

قائم کیا تمھارے لیے دین سے اُس چیز کو جسکی وصیت کی تھی ابراہیم کو۔

ع شرع او ناسخ شرعہا است۔

الحمد للہ و المنۃ

کہ کتاب نایاب

مسمّے بہ

پرسنل لا آف دی محمدنس یعنی مسلمانون کا قانون شخصی جسمین مسائل و احکام شرع محمدی متعلقہ میراث و نکاح و طلاق مع انکے تمام اقسام و شقوق کے اور مع اُن اختلافات جزئی کے جو فریقین مین یا اہل سنت کے چارون فرقون مین ہوے ہین نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے ہین۔

ملقّب بہ

جامع الاحکام فی فقہ الاسلام

جلد اول

جسکو عالم المعی فاضل لوذعی جامع الفضائل و الکمالات الخفی و الجلی آنریبل مولوی سید امیر علی ایم اے بارسٹر ایٹ لا و ممبر کونسل واضع آئین و قوانین نے سنی اور شیعہ کی نہایت معتبر و مستند کتب فقہ سے بہ کمال تحقیق و تفتیش اور بغایت دقّت نظر زبان انگریزی مین تالیف کیا اور مولوی سید ابو الحسن صاحب مترجم انجمن ہند اودھ نے واسطے فائدہ خاص و عام کے علی الخصوص بنظر افادہ شائقان علوم اسلامیہ و وکلاء عدالت العالیہ زبان اردو مین ترجمہ کیا

مطبع نامی منشی نول کشور واقع لکھنؤ مین چھپی

ماہ ستمبر ۱۸۸۶ء

التماس مترجم

سب شائقان علوم اسلامیہ کی خدمت مین عموماً اور وکلاء اور مختاران عدالت کی خدمت مین خصوصاً التماس ہے کہ اسلامی علم فقہ ایک ایسا بحر ذخار ہے جسکی حد و پایان تیرہ سو برس مین بھی کسی عالم و فقیہ کو نہین ملی اور جسکا مثل و مانند بقول اس کتاب کے مولف عالم کے دوقت قانون سازی کی تاریخ مین ،، بہت کم نظر آتا ہے اور ہر چند علماء اسلام و فقہاء کرام و حافظان شریعت حضرت خیر الانام کی تصنیفات علم فقہ مین اس کثرت سے ہین کہ انکی تعداد عالم الغیب ہی جانتا ہے مگر تقریباً سب کتب فقہ عربی زبان مین ہین اور فارسی زبان مین بھی بہت کم کتابین اس علم مین ہین — اور اردو زبان مین تو قسم کھانے کی جگہ ہے — رہی زبان انگریزی اسمین بعض علماء انگریز نے مثل میکناٹن صاحب و بیلی صاحب و ہیملٹن صاحب کی بعض عربی کتابون کا ترجمہ کیا ہے اسی پر سب عدالتون کا اور حضرات وکلاء کا بالفعل دارومدار ہے — مگر اسلامی علم فقہ ایک اجتہادی علم ہے جسمین ہزارہا بلکہ لاکھا اقوال اور اختلافات ہین اور شرع محمدی کے جزئیات مسائل مین ایسی ایسی باریکیان اور پیچیدگیان ہین کہ جب کوئی دقیق اور پیچیدہ مسئلہ شرعیہ کسی عدالت مین پیش ہوتا ہے تو جج اور وکیل دونون صاحبون کو اُسکے حل کرنے مین دانتون پسینہ آتا ہے اور بمقتضاے بشریت یا بوجہ عدم واقفیت ایسے مقدمہ کے فیصلے مین غلطی ہو جاتی ہے جس سے کسی نہ کسی فریق کی حق تلفی اور نقصان ہوتا ہے — یہ کتاب جزئیات مسائل اور اختلافات پر ایسی حاوی ہے اور معتبر و مستند اقوال کو اس کثرت سے

نقل کیا ہے کہ شاید بلکہ یقیناً کوئی کتاب مسائل و احکام شرع محمدی کی مین زبان انگریزی مین کوئی
ایسی جامع و حاوی ابتک نہین تالیف ہوئی پھر اردو بیچاری کس قطار و شمار مین ہے۔

چند ہی روز ہوئے ہین کہ مترجم حقیر مصنف تحریر کی لائف آف محمد یعنی سوانح عمری حضرت
خاتم الانبیاء علیہ التحیۃ والثنا کا ترجمہ اردو مین کرکے تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام
کے نام سے اسکو چھپوا کر مشتہر کرچکا ہے اور بحمد اللہ وہ ترجمہ مقبول خاص و عام و مطبوع
طبع شائقان حالات اسلام و بانی اسلام ہوا ہے۔ اب حسب فرمائش قدردان
اہل کمال و ذوالمجد والافضال رئیس باذل امیر دریا دل شائق علوم ناقد فنون و رسوم
کنور ہرنام سنگھ صاحب بہادر اہلوالیہ دام اقبالہ منیجر ریاست کپورتھلہ و سکرٹری انجمن پنجاب
اودھ ... اور باجازت جناب مصنف علام اس کتاب کا ترجمہ کرکے پیش ناظرین باتمکین
کرتا ہون اور انشاء اللہ تعالیٰ اسکی جلد ثانی جسمین مسائل و احکام وقف و وصیت [illegible]
بھی زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے ہین اسکا بھی ترجمہ کرکے [illegible] پیش
ناظرین کرونگا۔ امید کہ یہ کتاب [illegible] دونون [illegible]
[illegible] کو [illegible] فرمائینگے

المترجم
[illegible] احسن مترجم [illegible] ۲۰-۱ [illegible]

فہرست مضامین

جلد اول جامع الاحکام فی فقہ الاسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

جو لوگ دائرۂ اسلام کے اندر نہین پیدا ہوے ہین اور جنھون نے اُس دائرہ کے اندر نہین پرورش پائی ہے اُنکو شرع شریف یعنی قانونِ اسلام کے سمجھنے مین بڑی بڑی دقتین پیش آتی ہین ۔ بالفعل جو کتابین شرع محمدی کی زبانِ انگریزی مین موجود ہین اُنکی تعداد قلیل ہے ۔ البتہ فرانسیسی زبان مین اس قسم کی کتابین بہت ہین ۔ مگر اکثر عمدہ عمدہ کتابین متقدمین فقہاے اسلام کی علم فقہ اور مسائل و احکام شرع مین اُس زبان (عربی) کی پیچیدگیون مین پیچیدہ پڑی ہوئی ہین جسکا حاصل کرنا اُتنا ہی مشکل ہے جتنی وہ زبان وسیع و دقیق ہے ۔

ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمانون مین بھی علم فقہ اگر متروک نہین ہو گیا ہے تو شاذ و نادر تو ضرور ہے ۔ بہت کم لوگ اُسکو علم سمجھکر حاصل کرتے ہین یا اُسکو قانون عام کا ایک شعبہ جانکر اُسکی تحقیق و تفتیش کرتے ہین ۔ جو لوگ علم فقہ کی تحصیل مین معروف ہوتے ہین وہ چند احکام میراث کے علم پر اکتفا کرتے ہین جس سے کچھ فائدہ نہین ہوتا ۔ یہ نتیجہ اُس حکمت عملی کا ہے جو لارڈ ولیم بنٹنک صاحب گورنر جنرل ہندوستان نے اختیار کی تھی ۔ اُنکے عہد گورنری کے پیشتر ہندوستان کے اہل اسلام رعایا کے سب فرقون پر شرف رکھتے تھے اور اُنکے علم فقہ اور علم ادب

کی ترغیب متواتر گورنران ہند دیتے رہے اور انکی روایات کا احترام کیا اور خود انسے ویسی
رعایت کرتے تھے جیسی اُس قوم سے کرنی چاہیے جو پہلے ہندوستان کے حاکم و فرمان روا تھی
مگر لارڈ ولیم بنٹنک صاحب کے عہد گورنری مین وہ سارا رنگ بدل گیا اور مسلمانانِ ہند
طاقِ نسیان پر رکھدیے گئے — اور انکے آئین و قوانین رفتہ رفتہ زائل ہوگئے اور قدیم قاضیون
اور مفتیون کے خاندان جو مارکوس آف ولزلی اور مارکوس آف ہیسٹنگس کے عہد گورنری
کی رونق و افتخار کا باعث تھے فنا و برباد ہوگئے — ایک طرف تو اہل فرانس الجیریا[1] مین کوشش
بلیغ اسلامی علم فقہ و فن ادب کی ترقی مین کر رہے تھے اور گورنمنٹ فرانس کی اعانت و امداد سے
تازہ ترغیب علومِ اسلامیہ کی تحصیل کی دے رہے تھے — اور ویسی قوانین کو رعایا کی اصلاح
حال کی غرض سے کام مین لا رہے تھے — دوسری طرف انگریز ہندوستان مین علوم اسلامیہ کے
ہر ایک شعبہ کو ضائع کیے دیتے تھے — جو خرابیان اس غلط حکمتِ عملی سے پیدا ہوئی ہین انکے
اظہار مین جسقدر مبالغہ کیا جاے وہ کم ہے — اسلامی علم فقہ اور مسلمانون کے اطوار و عادات
اور رسوم و قوانین سے واقفیت تامہ نہ رکھنے کا نتیجہ اب بھی یہ ہوتا ہے کہ بعض مقدمات کا فیصلہ
سب سے اعلی درجہ کی عدالتین ہر ایک اصول شرع شریف کے خلاف کرتے ہین — پس کچھ تعجب کا
مقام نہین ہے کہ جب کسی مقدمہ کے فیصلہ مین عدم واقفیت احکام شرع کی وجہ سے ناانصافی
ہوتی ہے تو وہ ناانصافی اُس طولانی فہرست الزامات مین شامل ہوجاتی ہے جو الزامات لوگون نے
گورنمنٹ انگلشیہ پر قائم کیے ہین — اب چند مدت سے بعض لوکل گورنمنٹون نے علی الخصوص
گورنمنٹ بنگالہ اور گورنمنٹ مدراس نے اُن خرابیون کی اصلاح کی خواہش ظاہر کی ہے جو
پچاس برس کی غفلت سے پیدا ہوئی ہین — مگر اسوقت تک کوئی قرار واقعی تدارک اسکا

---

[1] الجیریا یا الجیرس ایک صوبہ ممالک بربری مین ہے افریقہ کے شمال مین ہے جہان مدت سے فرانسیس کی عملداری ہے اور وہانکے لوگ عرب ہین اور مالکی مذہب ہین اس ملک مین شرع محمدی امام مالک کے طریقہ کے موافق اب تک جاری ہے اور وہانکے قاضیون کے فتوے اور فیصلے اس کتاب مین اکثر مقامات پر بطور نظیر کے یا تمثیلاً نقل کیے گئے ہین — ۱۲ مترجم

نہیں کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے متعلق باتیں عدل حق اور انصاف کا عمل میں آئے ۔
چونکہ مختلف اسلامی فرقوں کے مابین بابت اختلافات عظیم واقع ہوئے ہیں اسلئے [illegible]
شریعت اسلامیہ کا [illegible] جس قدر [illegible] مسلمانوں کی حیثیت شخصی
متعلق ہے ۔ اس رسالہ [illegible] کیا ہے کہ جو دقتیں مسائل شرعیہ
میں پیش آتی ہیں [illegible] اور مسلمانوں کے ذاتی قانون میں ایک صورت
[illegible] رفع ہو جائے ۔ اس رسالہ میں
[illegible] اس زمانہ میں بیان کی [illegible]
[illegible] شرع شریف پر [illegible] دیا کرتا تھا ۔ اور ایک فہرست قانون
[illegible] کی ہے ۔ اس رسالہ میں سے
اس بات کی کوشش کی ہے کہ مسائل شرعیہ کی تحقیق فقہین کے اقوال کو جانچ کر ہیں ۔ ناظرین
باتمکین خود انصاف کرینگے کہ اس کوشش میں میں کسقدر کامیاب ہوا ہوں ۔ مگر چونکہ یہ
رسالہ استعجالاً تالیف ہوا ہے لہذا امید ہے کہ ناظرین اسکے عیوب سے فیاضانہ چشم پوشی
اور درگذر فرمائینگے ۔ میں نے مسائل شرعیہ کی تصدیق بڑی ہوشیاری سے کرکے انکے
نتائج کا استخراج بکمال احتیاط کیا ہے تاکہ یہ رسالہ وکلاء عدالت اور طلبہ و شائقان علم
دونوں کو مفید ہو ۔ قبل اسکے کہ ان کتب فقہیہ کا ذکر کیا جاوے جنکو میں نے اس رسالہ میں
سند گردانا ہے کچھ کیفیت ان کتابوں کی لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو شرع شریف پر
یورپ کی زبانوں میں موجود ہیں ۔ امید کہ یہ کیفیت ناظرین کو دلچسپ معلوم ہو گی ۔ زبان
انگریزی میں جو کتابیں شرع محمدی پر ذکر کرنے کے لائق ہیں وہ یہ ہیں ۔ میکناٹن صاحب کے
اصول نظائر شرع محمدی ۔ ہیملٹن صاحب کا ترجمہ ہدایہ جو فارسی ترجمہ سے انگریزی میں ترجمہ
کیا گیا ہے ۔ بیلی صاحب کی شرع محمدی ۔ شاما چرن سرکار کے لکچر شرع محمدی پر ۔ اور
رمزی صاحب کا قانون میراث ۔ چند ہی مدت گذری ہے کہ میکناٹن صاحب کی کتاب

شرع محمدی مین سب کتابون سے زیادہ معتبر سمجھی جاتی تھی مگر اب اس کتاب کی وقعت قانون دان
اور ججون کی نظر مین کم ہوگئی ہے۔ میکناٹن صاحب کی شرع حنفیہ اور شرع شیعہ اثنا عشریہ
مین اگرچہ بہت سے عیوب اور جا بجا غلطیان ہین مگر میرے نزدیک اس کتاب کو ایک
نہایت مفید ابتدائی رسالہ اُن طلبہ کے لیے سمجھنا چاہیئے جو سرکاری امتحانات پاس
کرنے کی کوشش کرتے ہین۔ ہیملٹن صاحب کا ترجمۂ ہدایہ اُن لوگون کو بہت مفید ہے جو
مختلف فرقہا سے اہل سنت کے مسائل مین فرق و امتیاز کرسکتے ہین۔ مگر جو دقت قانون
دانون کو ہیملٹن صاحب کے ترجمۂ ہدایہ سے اُن اصول کے دریافت کرنے مین پیش آتی ہے
جو فی الواقع حنفیہ مین جاری اور معمول بہا ہین اُسکی وجہ سے اس کتاب کا فائدہ بہت کم ہوگیا ہے
بیلی صاحب کی شرع محمدی مین فتاوای عالمگیری اور شرایع الاسلام کے مضامین
بے تکلف نقل کردیے ہین۔ یہ کتاب مولف کی لیاقت پر دال ہے اور شائقان علم فقہ کو
اِس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ بیلی صاحب کے عالم متبحر ہونے مین کچھ کلام نہین تاہم اُنکی
کتاب مین غلطیان موجود ہین جنمین سے ایک فاحش غلطی مسمات اشتلو کے مقدمہ مین
دریافت ہوئی۔ اگر بیلی صاحب کچھ زیادہ توجہ فرماکر ہر مسئلہ مین اُن کتب فقہیہ کا حوالہ
لکھدیتے جنسے انھون نے مضامین یا عبارات ترجمہ کیے ہین جیسا انھون نے بعض مسائل مین
کیا ہے کہ اسناد نقل کردیے ہین تو اُنکی کتاب بہت زیادہ فائدہ مند ہوجاتی۔
اِس نقص کو بابو شاما چرن سرکار نے کسیقدر رفع کردیا ہے جنکے لکچر بعض اعتبارات سے
بیلی صاحب کی شرع محمدی کے نقول ہین۔ بابو صاحب موصوف نے جو تمہیدین اپنے
لکچرون مین لکھی ہین وہ اُن شائقان قانون کو غایت درجہ مفید ہین جو فقہ اسلام کو بدقت
نظر حاصل کرتے ہین۔ رمزی صاحب کا رسالہ ایک نہایت مفید اور حاوی مجموعہ مسائل
و احکام میراث حنفی کا ہے۔ فرانسیسی کتابین علم فقہ اور شرع شریف مین ایسی عمدہ ہین جنکے
سامنے انگریزی کتابین بھی گرد ہین۔ ڈی اُوھسن صاحب کی کتاب مسمّٰی بہ ٹیبلو جنرل

ڈی لا امپایرا وٹمان جو شاہ سویڈن کی دستگیری سے ۱۸۴۱ع مین مشتہر ہوئی تھی محققین یورپ کی
ذہانت وطباعی اور مشقت و جانکاہی کی دلیل بین ابدالآباد تک رہیگی - اِس کتاب مین نہایت
مکمل و صحیح خلاصہ شرع حنفی کا لکھا ہے جو ممالک عثمانیہ مین جاری ہے یعنی احکام دیوانی و فوجداری
و ملکی و اخلاقی موافق مسلک حنفی مجملاً او صحیح طور سے بیان کیے ہین - علاوہ ڈی اوہسن صاحب کے
پیردن - سا ٹرا - کوبیری - سالیسی - لا ایل - ڈیمی منزول - ڈی کاراای - ونسنت
اور اور علمای فرانسیس نے شرع محمدی پر فرانسیسی زبان مین عمدہ عمدہ کتابین تصنیف کرکے
اُس زبان کی وقعت کو بڑھا دیا ہے - اِن سب کی تصنیفات سے اِس رسالہ کی تالیف مین مجھکو
بڑی مدد ملی ہے اِس کتاب کے مقدمات تاریخی کا حصہ ابن الاثیر کی کتاب موسوم بہ الکامل پر مبنی ہے
اور اسکا جو دلیل حصہ (یعنے وہ حصہ جسمین قضا اور فصل خصومات سے بحث کی ہے) امام فخرالدین
رازی کے المحصول اور مقدمات ابن خلدون اور شہرستانی کے ملل النحل اور ڈی اوہسن صاحب کے
ٹیبلو جنرل سے ماخوذ ہے - اصول شیعہ اثنا عشریہ شرائع الاسلام اور مفاتیح اور ارشاد علامہ اور
جامع الشتات سے لیے گئے ہین - جامع الشتات ایک عمدہ رسالہ مسائل شیعہ مین ہے جسمین وہ
مسائل لکھے ہین جو شیعون مین اُسی قدر معتبر و مستند ہین جسقدر حنفیہ مین فتاوای عالمگیری کے
مسائل ہین - علاوہ ان کتب شیعہ کے مین نے نیل المرام اور جامع عباسی اور مبسوط اور
تحریرالاحکام سے بھی استصواب کیا ہے اور احادیث شیعہ کو بحارالانوار سے نقل کیا ہے -
شرع حنفی مین مین نے فتاوای عالمگیری اور فتاوای قاضی خان اور کنزالدقائق (ترجمہ
فارسی) اور ہدایہ (ترجمہ انگریزی و فارسی) اور عنایہ اور کفایہ اور درالمختار اور ردالمختار ابراہیم
حلبی وغیرہ دیکھی ہین - شرع شافعی و مالکی مین کتاب الانوار - اور المحرر اور اختلافات الائمہ اور
پیرون صاحب کا ترجمہ سیدی خلیل وغیرہ دیکھے ہین - علاوہ کتب مذکورہ بالا کے مین نے
اور بہت سی کتابین بھی مطالعہ کی ہین اور اُنکے اسما کی تصریح حواشی مین کردی ہے - مین
اُن علما کا شکریہ ادا کرتا ہون جنھون نے اس رسالہ کی تالیف مین میری اعانت کی ہے علی الخصوص

ڈاکٹر رسٹ صاحب اور سر ای جی میکفرسن صاحب مشیر قانونی سکریٹری آف اسٹیٹ کا شکر
گذار ہوں کہ انہوں نے انڈیا آفیس کے مشرقی اور قانونی کتب خانوں کو بلا قید میرے استعمال میں
آنے دیا - اس زمانہ میں مسلمانوں کے شخصی قوانین کی تکمیل کی ضرورت جسقدر مبالغہ کے ساتھ بیان
کیجاسکے وہ کم ہے - میں خود اُس گمنام فرقہ معتزلہ سے ہوں جو فلسفیت اور تشریع و تفقہ کے
اعتبار سے کسی فرقہ سے کم نہیں ہے لہذا مجکو ایک عمدہ موقع اُس ترقی خیالات کے مشاہدہ کرنے کا
حاصل ہے جو مسلمانان ہند کے اور فرقوں میں ہو رہی ہے اور میں صریحاً دیکھ رہا ہوں کہ چند عرصہ سے
مسلمانان ہند میں ترقی کی تحریک ہو رہی ہے - تہذیب و شائستگی کی ترقی اور تازہ خیالات کے پیدا
ہونے سے وہی تاثیر مسلمانان ہند پر ہوئی ہے جو اور قوموں اور فرقوں پر ہوئی ہے - اور نوجوان
و نو تعلیم اہل اسلام معتزلہ کے اعتقادات کی طرف بے اختیار مائل ہوتے جاتے ہیں اور کمسن سال
مسلمان اگر شیعہ ہیں تو اخباری ہوتے جاتے ہیں اور اگر سنی ہیں تو اُنمیں وہابیت آتی جاتی ہے -
مگر نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ ترقی کی تحریک اسوجہ سے ہو رہی ہے کہ دین اسلام ضعیف ہو گیا ہے بلکہ
اسکا باعث یہ سمجھنا چاہیئے کہ مسلمان چاہتے ہیں کہ اسلام کی طہارت و نظافت اصلی کی طرف عود
کریں اور اُن زوائد کو دور کر دیں جنسے اسلام کی عظمت و جلالت میں فرق آگیا ہے - مسلمانوں میں
ترقی خیالات کی دلیل قطعی یہ ہے کہ اب اکثر اہل اسلام کی رای تعدد ازدواج اور غلامی و
بندہ گری اور طلاق بلا اجازت قاضی کی نسبت بدل گئی ہے اور یہ مسلّم ہوتا جاتا ہے کہ
سوسائیٹی یعنے تمدّن کے ابتدائی زمانہ میں چاہے کیسی ہی ضرورت شدید تعدّد ازدواج کی
لاحق رہی ہو لیکن اس زمانہ میں اس رسم کو نہایت قبیح و مذموم سمجھنا چاہیئے - ایسے خیالات
کی ترقی کی وجہ سے اور احکام قرآنی کے مصالح و معانی پر نظر کرنے سے مسلمانان ہند
عموماً تعدد ازدواج کو خلاف شرع سمجھتے ہیں - مجھکو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانان
ہند کے رسوم و آئین اور شخصی قوانین میں بڑے بڑے تغیرات ہونے والے ہیں - مگر یہ نہیں
کہہ سکتا کہ یہ تغیّرات کیونکر اور کسکے ذریعہ سے وقوع میں آئینگے - آیا علماء و فقہاے اسلام کی

ایک با ضابطہ نام کے ذریعہ سے یا اصلاحات ان کی کارروائی کے ذریعہ سے وقوع میں آئینگے

الغرض مسلمانان ہند میں ایک غیر محسوس دریا خیالات کا جاری ہے جو شاید غیرون کو نہین محسوس ہوتا ہے مگر اُن لوگون کو خوب محسوس ہو رہا ہے جو اسلام کے دائرہ کے اندر رہتے ہین ۔ لہذا ضرور ہے کہ جو لوگ بالفعل ہندوستان کے حاکم و فرمان روا ہین وہ مسلمانون کے قوانین پر توجہ تام فرمائین کہ صرف یہی قوم اقوام ہندوستان مین من جمیع الوجوہ ہمجنس ہے ۔۔ اگر یہ رسالہ مسلمانون کے شخصی قانون کا علم شایع کرنے مین کامیاب ہو تو مین سمجھونگا کہ میری محنت سوارت ہوئی اور جسقدر زمانہ تعطیل مین مجھے اسکی تالیف مین صرف کیا ہے بجا صرف کیا ۔۔

بمقام رفاہ عام کلب ۲۰ دسمبر ۱۹۲۰ع

مُقدّمہ

مختلف علوم فقہ مختلف زمانون مین مختلف قومون مین جاری رہے ہین اُن سب مین اسلامی علم فقہ ہمیشہ معزز و ممتاز رہا ہے ۔ جب اُن حالات کا لحاظ کیا جاتا ہے جن حالات مین اسلامی علم فقہ پیدا ہوا اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کیسی کیسی دقتین ابتدا مین اسکو پیش آئین جس قوم مین اسکی پیدائش ہوئی وہ قوم کیسی تنزل و انحطاط کی حالت مین تھی تو اس علم کو یہ سمجھ سکتے ہین کہ ایک نہایت عظیم الشان اختراع عقل انسانی کا ہے ۔ لہذا وہ سلسلۂ قوانین جسکے بانی پیغمبر اسلام ہوے ایک خاص حیثیت اُن ارباب بصیرت و اہل خبرت کی نظر مین رکھتا ہے جنکو انسان کی ترقی مین جو قوانین تمدن سے ثابت ہوتی ہے فکر و غور کرنے کا ذوق و شوق ہے ۔۔۔ قوانین اسلامیہ بعض وجوہ و اعتبارات ضروری سے اُن رسوم و قوانین سے مشابہت رکھتے ہین جو زمانۂ جاہلیت مین یعنی قبل شیوع اسلام عرب مین جاری تھی اُس مشابہت کو غور و تامل سے دیکھنا چاہیئے کیونکہ اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ قدیم حالات تمدن مین جنکو اہل اسلام طعن کی راہ سے ایام جاہلیت کہتے ہین اور اُس اصلاح یافتہ نظام تمدن مین جو اسلام سے پیدا ہوا کن کن باتون مین الحاق و

اتصال رہا۔ اسی مشابہت نے بعض نکتہ چینان شرع شریف کو اسپر آمادہ کردیا ہے کہ انھون نے
شارع اسلام کو (العیاذ باللہ) سرقہ سے متہم کیا ہے مگر ہمارے نزدیک یہ تہمت اُس غلط خیال پر مبنی ہے
جو عرب کے نظام تمدن کی نسبت جس حیثیت سے وہ اُس زمانہ مین موجود تھا ان مخالفین اسلام کے
دل مین سمایا ہوا ہے۔ جس زمانہ مین قوانین اسلامیہ شائع ہوے اُس زمانہ مین منجملہ اُن قومون کے
جو جزیرہ نماے عرب مین بود و باش رکھتی تھین صرف ایک قوم یہود معین و منضبط آئین و قوانین
رکھتی تھی اور یہود کے قوی اور مضبوط گروہ بت پرستان عرب کے بیچ مین رہتے تھے مگر اپنے خاص
قوانین کی پابند تھے۔ خدا معلوم کتنے عرصے سے عرب اور یہود مین تعلق قائم چلا آتا تھا اور یہ
بات یقینی ہے کہ یہ دونون قومین ایک ہی نسل سے تھین اور ایک ہی جد اعلی[1] کی ذریات تھین
اسی وجہ سے اکثر یہود کے خیالات عرب کے رسوم و عادات مین شامل ہو گئے تھے۔ علی الخصوص
خانگی تعلقات مین یہود کے خیالات کا نہایت قوی اثر عرب پر پڑا تھا۔ پیغمبر اسلام نے مدت العمر
یہی کوشش کی کہ ایک پاک و پاکیزہ دین اور ایک صالح و لطیف نظام تمدن اپنی امت مین جاری
کرین مگر تمدنی ضرورتون اور ترقی انسان کے لوازم سے ایسی چشم پوشی نہین کی کہ اُس زمانہ مین
جو آئین و قوانین موجود تھے اُن سب کو باطل کر دیتے کیونکہ اگر شارع اسلام ایسا کرتے یعنی تمام رسوم
و دستورات جاہلیت کو کُلّاً و قاطبۃً حرام کر دیتے تو سخت پریشانی اور بدانتظامی اور ابتری ہو جاتی
شارع اسلام نے اُن رسوم و قوانین قدیم کو اصلاح پذیر سمجھکر اپنی شریعت مین جاری رکھا مگر انمین
ایسی اصلاحین کر دین کہ ایک ترقی پذیر نظام تمدن کے موافق و مناسب اُنکو کر دیا۔ لیکن اسمین
شک نہین کہ جو آثار و علامات رسوم و عادات قدیم کے اسلامی علم فقہ مین پائے جاتے ہین وہ کم و بیش عہد روزہ مین
جو مشابہت مسلمانون کے قوانین شخصی کو عبرانیون کے قوانین ذاتی سے بعض امور مین رکھتے ہین اُسکی وجہ تو ظاہر ہے کہ یہود
عرب کے ساتھ مدتون رہے ہین۔ مگر بعض امور مین جو قوانین اسلامیہ رومیون کے قوانین سے مشابہت رکھتے ہین
اُسکی علت دریافت کرنا آسان نہین ہے۔ ابن خلدون نے اُسکی وجہ یہ لکھی ہے کہ یہ اثر رومیون کے علوم کا عرب کے

---

[1] یعنے حضرت ابراہیم ۱۲ مترجم

خیالات پر ہوا۔ اسمین شک نہین کہ خلفاے عباسیہ کو اُن لوگون سے ہمیشہ صحبت رہی جو علوم وفنون
روم ویونان سے واقف تھے۔ پس یہ بات خلاف قیاس نہین ہے کہ ان علما وحکما کا فیض قاضیون
اور مفتیون تک پہونچا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ علوم وفنون یونان جسقدر مصر اور شام مین باقی رہگئے
تھے انکا اثر اُن لوگون کے فقہی خیالات پر پڑا جنھون نے دوسری اور تیسری صدی ہجری مین
سنیون کا علم فقہ قائم کیا۔ قانونِ شفعہ کے اصول اور جو باریک باریک فرق مختلف اقسام
عبدیت اور مشارکت فی الارث وغیرہ مین نکالے ہین اُنسے یہ گمان ہوتا ہے کہ اگرچہ شرع محمدی
کی بنا ملکِ حجاز مین قائم ہوئی مگر اُسمین باریکیان اُن مقامات مین نکالی گئین جہان غیر ملکون کے
خیالات عرب کے خیالات پر حاوی ہوگئے تھے۔ تاہم از روی تاریخ یہ کہنا مشکل ہے کہ اسلامی
علم فقہ پر کچھ بھی اثر رومیون کے قوانین کا ہوا تھا۔ بلکہ سلسلۂ قوانین اسلامیہ کی کیفیت یہ
معلوم ہوتی ہے کہ اکثر احکام جو رسوم خانگی سے متعلق ہین عبرانیون کے قوانین سے مشابہت تامہ
رکھتی ہین مگر جو اصول انتظام ملکیت سے متعلق ہین اُنکو عبرانی قوانین سے بہت کم تعلق ہے اور
بعض وجوہ سے جو انکو رومیون کے اصول قوانین سے مشابہت ہوگئی ہے اسکو اتفاقی سمجھنا
چاہیئے۔ قانونِ اسلام کا دار و مدار قرآنِ مجید پر ہے۔ اس کتاب مقدس مین وہ اصول
ضروریہ موجود ہین جنپر مختلف تعلقاتِ بشری کا انتظام موقوف ہے۔ یعنی احکام دین اور
قوانین دیوانی و فوجداری جنپر مجموع اسلام کا وجود و بقا موقوف ہے سب اس کتاب مین موجود
ہین بلکہ علم سیاستِ مدن اور اصول تمدن کا مادہ بھی اسمین موجود ہے۔ مخالفینِ اسلام نے
بہت بڑا اتہام اس کتاب مین یہ نکالا ہے کہ اسکی ترتیب درست نہین ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ کتاب پیغمبر اسلام کی
حیات مین تدریجاً اور وقتاً فوقتاً نازل ہوئی یعنی وہ اصول اخلاق اور وہ احکام حلال و حرام جو اس کتاب مین مندرج
کیے ہین ایک ہی وقت مین بہیئت مجموعی نہین نازل ہوے بلکہ بمقتضای حوائج وقت اور بلحاظ خاص خاص ضرورتون کے
نازل ہوئی۔ اکثر مسائل اعتقادی و شرعی جنکی تصریح قرآن مجید مین نہین ہے اُنکا استنباط احادیث
نبوی اور سیر مصطفوی سے کیا گیا ہے۔ احادیث سے مراد اقوال پیغمبر ہین جو وقتاً فوقتاً آپنے فرمائے تھے اور

سیرت سے مراد افعال پیغمبرؐ ہین جنکی خبر ہمکو رواتِ ثقات کے ذریعہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پہونچی ہے
چنانچہ وہ کمبخت اختلاف مذہبی جس سے مسلمانون کے دو بڑے فرقے پیدا ہوے ہین یعنی سنی اور شیعہ
اُسکا خاص باعث یہی ہوا ہے کہ مختلف احادیث کو رواۃ کی استناد و عدم استناد کے لحاظ سے
طرح کیا ہے یا قبول کر لیا ہے۔ شارع اسلامؐ کی وفات کے عرصۂ قلیل کے بعد بعض اصحاب نے
جو انکی حیات مین انکی دوستی کا دم بھرتے تھے مگر دل مین انکی اہل بیت سے عداوت رکھتے تھے
یہ قاعدہ مقرر کر لیا تھا کہ جو احادیث پیغمبرؐ اُس دعوی برحق کے مُصدق و موئید تھے جو اُنکے
داماد انکی خلافت و وصایت کی نسبت رکھتے تھے انکو رد کر دیتے تھے۔ چنانچہ جو احادیث ابو ہریرہ رضؓ
اور (حضرت) عایشہ رضؓ وغیرہ سے مروی ہین اُنسے صاف ظاہر ہے کہ اہل بیت پیغمبرؐ سے رشک و حسد
رکھتے تھے۔ لہذا پیروان اہل بیتؑ نے ایسی احادیث کو رد کر دیا ہے۔

جب حضرت ابو بکر رضؓ بعد وفات پیغمبرؐ خلیفہ منتخب ہوے تو اُنھون حکم کیا کہ آیات قرانی جمع کر کے
ایک کتاب کر لیجاے تاکہ لوگ اُنکو بھول نہ جائین مگر اُنکی زندگی نے وفا نہ کی اور یہ کام ناتمام رہا
اور خلیفہ ثالث کے عہد خلافت مین قرآن مجید کے آیات کو مرتب کر کے ایک کتاب کر لیا۔

سُنّی اور شیعہ مین اصل امر متنازع فیہ امامت ہے اور امامت سے مراد گروہ اہل اسلام کی پیشوائی
امور دینی مین ہے۔ اِس اختلاف کا اثر بین فریقین کے مسائل فقہ مین موجود ہے۔ شیعہ حجیت
اجماع کے منکر ہین یعنی اُنکا یہ قول ہے کہ اجماع سے ایسا امام یا خلیفۂ رسولؐ نہین منتخب ہو سکتا
جو اُن حضرات کے برحق دعوے خلافت کو باطل کر دے جنکو خود پیغمبرؐ اپنا خلیفہ نامزد کر چکے تھے
مگر سنی مسئلہ خلافت مین بھی اجماع کو حجت قطعی سمجھتے ہین خواہ وہ اجماع کسی طور سے منعقد ہوا ہو
جب آنحضرتؐ نے انتقال فرمایا اُس وقت اس مسئلہ پر صحابہ رضؓ مین بحث ہونے لگی کیونکہ کسی شخص کو
خلیفۂ رسول اور پیشواے امت مقرر کرنا ضرور تھا۔ اُسوقت بنی ہاشم یعنی اقرباے پیغمبرؐ نے حجت کی
کہ منصب خلافت کے حقدار علیؑ ہین کہ خود پیغمبرؐ اُنکو اپنا خلیفہ بنا چکے ہین۔ مگر دیگر قریش نے
جو ہمیشہ سے بنی ہاشم کے عدو چلے آتے تھے کہا کہ خلیفہ بذریعہ انتخاب مقرر کیا جاے۔ ادھر تو بنی ہاشم

آنحضرت کی تجہیز و تکفین مین مصروف تھے اُدھر قریش کے ووٹ سے یعنی غلبہ آرا سے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ مقرر کر لیا — تین سال خلافت کر کے حضرت ابوبکرؓ نے انتقال کیا اور اُنکے بعد حضرت عمر ابن الخطابؓ خلیفہ ہوے — اِس جلیل الشان خلیفہ کے عہد خلافت مین مسلمانون نے شام اور مصر اور فارس کو فتح کیا — اُنکی وفات کے بعد حضرت علیؓ کو خلافت اس شرط سے دیگئی کہ خلیفہ اول اور خلیفہ ثانی نے جو اصول قائم کر دیے تھے اُنکے موافق حکومت کرین — حضرت علیؑ نے اِس شرط پر خلافت نہین قبول کی اور فرمایا کہ جن مقدمات مین کوئی قانون یا کوئی فیصلہ پیغمبرؐ کا نہوگا جسکی پابندی فرض ہو اُنکا فیصلہ مین اپنی راے سے کرونگا — حضرت علیؑ کا یہ فرمانا دوسرا امر متنازع فیہ درمیان سُنی اور شیعہ کے ہے — تب خلافت حضرت عثمان ابن عفانؓ کو دیگئی جنھون نے انتخاب کنندہ جماعت کی شرائط کو منظور کر لیا — مسائل شرعیہ مین جو اختلاف سُنی اور شیعہ مین ہے وہ اِسی زمانہ سے ہوا ہے — خلیفہ ثالث کے اس بات پر راضی ہو جانے سے کہ خلیفہ اول اور خلیفہ ثانی کی پیروی جملہ امور مین بلا حجت و تکرار کرینگے خواہ اُن دونون صاحبون کے احکام مصالح وقت اور حوائج بشری کے مناسب و موافق ہون خواہ نہون اہل سنت کے مسائل کی ایک خاص صورت پیدا ہو گئی ہے — حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ اِن دونون صاحبون نے اپنے اپنے عہد خلافت مین مسائل شرعیہ کی تشریح جو حضرت علیؑ نے فرمائی اُسی کا لحاظ رکھا اور ہمیشہ فصل خصومات اُن معانی کے موافق کیا جو حضرت علیؑ نے احادیث کی بیان کیے — مگر حضرت عثمانؓ نے دوسری روش اختیار کی — یہ خلیفہ نیک نیت مگر ضعیف العقل تھے — اور اپنے عزیز قریب اور سکریٹری مروان بن الحکم کے بالکل تابع تھے — تھوڑی مدت خلافت کر کے اُس سپاہ غدار کے ہاتھ سے قتل ہوے جسکے سردار محمد ابن ابی بکر تھے — اُنکی وفات کے بعد حضرت علیؑ خلیفہ منتخب ہوے — اُنکے خلیفہ ہوتے کے ساتھ ہی فریق مخالف نے دو شدید بغاوتین کین — ایک بغاوت جسمین سرگروہ حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ تھین بلا دقت فرو ہو گئی — مگر دوسری بغاوت کامیاب ہوئی — تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی حین حیات اپنے عزیز قریب معاویہ ابن ابی سفیان کو حاکم

شام مقرر کیا تھا - اِس طماع شخص نے قتل عثمانؓ کو اپنے دنیاوی عظمت وثروت کا ذریعہ قرار دیکر خلیفہ وقت سے بغاوت کی اور یہی بغاوت اسلام میں بڑی بڑی خرابیون کا باعث ہوئی معاویہ نے کبھی متواتر لڑائیون مین شکست کھا کر پنچایت کا پیام بھیجا اور حضرت علیؓ نے اِس خیال سے کہ مسلمانون کی اور زیادہ خونریزی نہو پنچایت قبول کرلی - اہل بیت پیغمبر کی طرف سے ابوموسیٰ اشعری اور معاویہ کی جانب سے عمرو ابن العاص حَکَم مقرر ہوے - عمرو ابن العاص نے ابوموسیٰ اشعری سے کہا کہ اِن دونون خلیفون کو معزول کرکے ایک تیسرا خلیفہ منتخب کرلو تاکہ جو صدمہ عظیم مسلمانون کو اِن دونون کے باہمی تنازعات سے پہونچا ہے وہ دفع ہوجائے - ابوموسیٰ نے اس راے کو منظور کرلیا اور جب اِن دونون حَکَمون کی رای سننے کو لوگ جمع ہوے تو انھون نے علانیہ کہدیا کہ علیؓ اور معاویہ دونون معزول کیے گئے - اُسکے بعد عمرو ابن العاص نے کہا کہ علیؓ کو معزول کرنے میں متفق راے کرتا ہون مگر معاویہ کو خلافت پر قائم رکھتا ہون - اِس مکاری اور حیلہ جوئی اور بیحیائی سے اُن لوگون کو یاس ہوگئی جو سمجھے تھے کہ اس پنچایت سے اسلام مین زیادہ خونریزی نہونے پائیگی - اور عمرو ابن العاص کی اس حرکت سے بنی فاطمہ متنغص ہوکر اُٹھ کھڑے ہوے اور فریقین نے حلف کرلیا کہ قیامت تک ایک دوسرے کے عدوے جان رہینگے - اِسکے تھوڑے عرصہ کے بعد حضرت علی رضؓ اثنا دنماز مین مسجد کوفہ مین شہید ہوے - اور اُنکے شہید ہونے سے معاویہ کو شام اور حجاز مین اپنی حکومت کو مستحکم کرلینے کا موقع ملا -

جبتک اس شخص نے اُس مسند خلافت پر قدم نہین رکھا جسکو خلفاے راشدینؓ کے زہد وتقوی نے مقدس ومتبرک بنادیا تھا اُسوقت تک فریقین نے کوئی خاص لقب نہین اختیار کیا - بلکہ حضرت علیؓ کے طرفدار صرف بنی ہاشم کے لقب سے مشہور تھے - مگر معاویہ کے عہد خلافت مین پیروان اہل بیت کو شیعہ کہنے لگے اور جس فریق نے اصول انتخاب یعنی اجماع کو خلافت موروثی پر ترجیح دیکر قائم رکھا تھا انھون نے اپنا نام اہل السنت والجماعت رکھ لیا - بنی فاطمہ نے اپنی علامت عمامہ سبز رکھا

لہ بغاوت معاویہ یعنی جنگ صفین کی تاریخ ۱۱ - صفر ۳۷ھ ہجری مطابق ۲۸ - جولائی ۶۵۷ء ہے ۱۲ منہ

جو رنگ اُنکے جد امجد کو مرغوب تھا اور بنی امیہ نے اپنا علم لشکر سفید رکھا — اسوقت تک تو ان دونون فریقون مین تنازعات خاندانی وملکی ہی تھی کہ اب اُنمین اختلافات مذہبی وشرعی ایسی عظیم وشدید پیدا ہوئی جو آجتک موجود ہین — شیعہ صرف اجماع ہی کو امر خلافت مین حجت نہین جانتے بلکہ جتنی احادیث حضرت علیؓ اور اُنکی اولاد امجاد سے منقول نہین ہین جنھون نے پیغمبرؐ کو دیکھا تھا اور اُنکے ساتھ معاشرت کی تھی اُنکو باطل سمجھتے ہین — شیعون کا اعتقاد یہ ہے کہ اقوال نبیؐ یعنے احادیث فی نفسہٖ احکام قرآنی کے تابع ہین اور احادیث کی پابندی اُسی قدر فرض ہے جسقدر وہ احکام قرآنی کے موافق ہین — لہذا جو روایات نصوص قرآنی کے خلاف ہین وہ مصنوعی سمجھی جاتی ہین — اور طرح روایات چند اصول مسلمہ کے موافق کیا جاتا ہے جو قواعد منطقی اور امور واقعی پر مبنی ہین — ان قواعد نے معتزلہ مین ایک خاص صورت حاصل کرلی ہے اور معتزلہ نے اُن احادیث کو حدیث صحیح کے دائرہ سے خارج کردیا ہے جو اُن احکام نبیؐ کے منافی ومخالف ہین جنکو حکما وفقہاے خاندان رسالت نے بیان کیا ہے — برخلاف اسکے سُنّی کہتے ہین کہ ہمارے اعتقادات مسلم ومجموع احادیث پر مبنی ہین اور جن مسائل مین خلفاے راشدینؓ نے اتفاق را کیا ہے یا جنمین اجماع امت قائم ہوگیا ہے اُنکو احکام قرآنی اور اوامر ونواہی ربانی کا متمم اور تعریبًا اُسی قدر معتبر ومستند سمجھتے ہین — اہل سنت کے اعتقاد مین احکام شرع کے ماخذ یا اصول مین من حیث الترتیب بہت کم اختلاف ہے گو احکام شرع کی تاویل وتفسیر مین بہت اختلاف ہے سُنّیون کے فقہ کے ماخذ ومبانی یہ ہین — (۱) قرآن مجید — (۲) سنت یعنی وہ احادیث جو پیغمبر خداؐ سے منقول ہین — (۳) اجماع امت — (۴) قیاس — حدیث (جمع احادیث) مین (الف) تمام اقوال وارشادات اور احکام ربانی پیغمبرؐ کے (ب) اُنکے افعال واعمال (ج) اُنکا سکوت جو ضمنًا اسپر دال ہے کہ اُنھون نے اصحابؓ کے کسی خاص فعل کو پسند فرمایا — داخل ہین — جو قواعد ان اصول سے مستنبط کیے گیے ہین باعتبار مدارج اعتبار واستناد کے اُنمین اختلاف عظیم ہے — اگر وہ احادیث متواترہ ہین یعنی خوب مشہور وشایع ہوگئی ہین تو قطعی العقد ور او صحیح السند سمجھی جاتی ہین —

اگر احادیث اکثر لوگون مین مشہور ہیت مگر تواتر کی حد تک نہین پہنچی ہین تو وہ احادیث مشہورہ کہلاتی ہین اور انکا درجہ احادیث متواترہ کے بعد ہے ـ اور اخبار آحاد جو خاص خاص اشخاص سے منقول ہین بہت کم وقعت و اعتبار رکھتے ہین ـ پس ہر ایک حدیث جو پیغمبر خدا کے معاصرین واصحاب سے منقول ہے خواہ وہ آنحضرت سے قرابت رکھتے ہون خواہ نہ رکھتے ہون صحیح و موثق سمجھی جاتی ہے بشرطیکہ چند قیاسی شرائط جو شہادت شخصی کو جانچنے کے لیے بنائے گئے ہین پورے ہو جائین ـ (۳) اجماع امت سے عموماً مسلمانون کا اتفاق مراد ہے ـ اس لفظ مین تمام احکام اور بیانات او تفسیرات اور فیصلجات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علی الخصوص خلفای راشدین رض کے جو انھون نے مقدمات دینی اور دیوانی و فوجداری مین فرمائے تھے داخل ہین ـ (۴) قیاس کے باب مین اہل سنت کے چارون فرقون مین بڑا اختلاف ہے ـ شیعہ کسی حدیث کو معتبر نہین سمجھتے جو اہل بیت سے نہین منقول ہے اور اہل بیت سے حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم اور ان تمام فیصلجات کے جو انکے منکر ہین جو انکے ائمہ ہدی نے نہین کیے ہین ـ استدلال کے باب مین بھی انھون نے سنیون سے اختلاف عظیم کیا ہے ـ قبل اسکے کہ اہل سنت کے فرقون کا حال لکھا جائے کہ وہ کیونکر پیدا ہوے اور کیونکر ترقی کی کچھ مختصر کیفیت ان انقلابات کی بیان کرنا ضرور ہے جو حضرت علی کے خاندان مین ہوے کیونکہ پیروان اہل بیت کے اعتقادات اکثر اعتبارات سے اہل بیت دینی فاطمیہ کی دنیاوی حالت سے پیدا ہوے ہین ـ حضرت علی کی شہادت کے بعد انکے بڑے بیٹے حسن ابن علی عراق کے خلیفہ کیے گئے ـ وہ آرام طلب او خاموشی پسند تھے اور مسلمانون کے مختلف فرقون کے خاندانی فسادات اور مذہبی عداوتون کو دیکھکر انکا دل خلافت سے سیر ہوگیا تھا پس اس منصب رفیع کو جلد ترک کرکے انھون نے گوشہ نشینی اختیار کی ـ مگر اس زاویہ نشینی اور عزلت گزینی کے عالم مین بھی بنی امیہ کی عداوت نے اس جناب کو چین نہ لینے دیا اور یزید ابن معاویہ کی تحریک سے حضرت امام حسن کو زہر دیکر شہید کیا ـ اس شقی (یزید) نے جسکو خاندان امیہ کا ڈامیشین[1] ...

[1] یہ ایک بت پرست قیصر روم تھا جسکا ظلم و جور اور فسق و فجور تاریخ مین ضرب المثل ہے ـ ۱۲ مترجم

کہنا بجا ہے حضرت امام حسینؑ کو بلطائف الحیل بلاکر اپنے قابو مین کرلیا اور مع اہل بیت واصحاب میدان کربلا مین شہید کیا - اہل بیتؑ مین سے صرف ایک نوجوان بیمار ائس قتل عام سے بچا - اُن بزرگوار کا نام علی ابن الحسینؑ ہے اور صبر وشکیبائی اور زہد وتقوے کی وجہ سے انکا لقب زین العابدین ہوگیا - اُنکے والد ماجد حسینؑ ابن علیؑ تھے اور مادر گرامی شہربانو بنت یزدجرد بادشاہ عجم تھین جو آخری بادشاہ خاندان ساسانی سے تھا - انھین بزرگوار سے نسل پیغمبر قائم رہی اور ہمیشہ قائم رہیگی - اور ماں کی جانب سے یہ بادشاہان ساسانی کے عقدار اور سلطنت ایران کے دعویدار تھے - اس زمانہ سے بنی امیہ نے ظلم شدید اولاد پیغمبر پر کرنا شروع کیا اور اولاد ابوسفیان کے حسد اور عداوت قلبی سے انکو کہین مفر نہ ملتا تھا - عمر ابن عبدالعزیز کی خلافت مین جو ساتوان خلیفہ بنی امیہ کا تھا بنی فاطمہ پر ظلم وستم مین کچھ تخفیف ہوئی مگر اُسکے مرنے کے ساتھ پھر وہی بیداد اُنپر ہونے لگی - ۷۵۰ء مطابق ۱۳۲ ہجری مین ابوالعباس سفاح نے بنی امیہ کو غارت کرکے بنی عباس کی خلافت قائم کی - بنی فاطمہ کا احترام لوگ اسقدر کرتے تھے اور اُنسے ایسی محبت رکھتے تھے کہ بنی عباس کو ناگوار گذرتا تھا اور اس حیلہ سے وہ بنی فاطمہ کو ایذا پہنچائے رکھتے تھے اور انواع واقسام کے ظلم اُنپر کرتے تھے - چنانچہ عبداللہ المامون کے عہد خلافت تک یہی سلسلہ ظلم وجور کا اولاد پیغمبر پر جاری رہا - یہ خلیفہ خاندان عباسیہ مین گل سرسبد تھا اور جب یہ تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اسنے چاہا کہ بنی فاطمہ کو مسند خلافت پر بٹھائے - لہذا اسنے حضرت امام علیؑ ابن موسیٰ الرضا کو جو بنی فاطمہ مین آٹھوین امام تھے اپنا جانشین نامزد کیا اور اپنی بہن ام الفضل کو اُنکے حبالہ عقد مین دیا - اِس خلیفہ نے سیاہ رنگ کو جو عباسیہ کا تمغہ تھا ترک کرکے سبز رنگ اختیار کیا جو بنی فاطمہ کی علامت تھی - مامون الرشید نے معتزلہ کے اعتقادات اختیار کیے کہ معقول پسند فرقہ مسلمانون مین یہی ہے اور اُنکے اعتقادات کو تمام ممالک محروسہ مین جاری کرنا چاہا مگر رعایا کی تعصب ونفسانیت سے اُسکا کچھ بس نہ چلا - امام علی ابن موسیٰ الرضاؑ کو عباسیہ نے طیش مین آکر زہر دیدیا اور سبز رنگ کو ترک کرکے پھر سیاہ رنگ اختیار کیا جو بنی عباس کی علامت تھی

مامون نے جو رعایت بنی فاطمہ سے کی تھی وہی سلوک اُسکے بعد دو خلیفون نے یعنے معتصم باللہ اور واثق باللہ
نے اُنکے ساتھ کیا — مگر متوکل علی اللہ کے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی بنی فاطمہ پر پھر ظلم شدید ہونے لگا اور
اُسکے تمام عہد خلافت میں پندرہ برس تک ظلم و جور اور فسق و فجور کا بازار گرم رہا — متوکل کے بعد
اُسکا بیٹا مستنصر باللہ خلیفہ ہوا جسنے بمجرد خلیفہ ہونے کے حضرت علیؑ اور حضرت امام حسینؑ کی قبر منورہ کو
جسے اُسکے باپ متوکل نے کھدوا ڈالا تھا دوبارہ تعمیر کرایا اور اُن مشاہد مقدسہ کے اعظام و احترام کو
دوبارہ قائم کیا — اِس خلیفہ کی عقل و دانش کا تتبع اِسکے بعد کے خلفا نے فی الجملہ کیا اور شیعون سے
کسیقدر رعایت کی ۳۳۴ ہجری (۹۴۵ع) میں معز الدولہ دیلمی جو خاندان بویہ سے تھا دار الخلافت
بغداد میں کو والی مقرر ہوا وہ بڑا شیعہ غالی اور دوستدار بنی فاطمہ کا تھا اور اُسنے چاہا کہ مطیع للہ
خلیفہ عباسی کو معزول کر کے کسی شخص کو اولاد علیؑ میں سے مسند خلافت پر بٹھلاے — مگر مصالح وقت کو
دیکھکر اِس ارادہ سے باز رہا — معز الدولہ نے یوم عاشورا بھی مقرر کیا یعنی وہ روز ماتم جسمین حضرت
امام حسینؑ مع اہل بیت و انصار میدان کربلا میں شہید ہوے تھے — ۶۴۵ ہجری (۱۲۴۷ع)
میں بعہد خلافت معتصم باللہ شیعون پر پھر ظلم شدید شروع ہوا جسکے نتائج اسلامی تہذیب و شائستگی
کے حق میں سم قاتل ہوے اور مغربی ایشیا کے لوگ سب کے سب تباہ و برباد ہو گئے — اِس ضعیف العقل
خلیفہ نے اُن خوارج اور دشمنان اہل بیتؑ کے منافقانہ مشورہ پر عمل کر کے جو اُسکے دربار میں
حاضر رہتے تھے سب کے سب شیعہ مردون کے قتل عام کا حکم دیدیا — ایک ہولناک منشور سلطانی کے
ذریعہ سے جسکا مثل و نظیر مذہبی ظلم و تعدی کی تاریخ میں کہین نہین ہے اُسنے اہل حق کو اجازت دیدی
کہ شیعون کے مال و اسباب کو لوٹ لو اور اُنکے مکانات کو منہدم کر دو اور اُنکی کھیتون کو غارت کر دو
اور اُنکی عورتون اور بچون کو لونڈی اور غلام بنا ڈالو معتصم کی اِس شقاوت کا انتقام چنگیز خان کے
پوتے ہلاکو قاآن نے لیا جو فوج کثیر لیکر بغداد پر چڑھ آیا اور تین روز تک اُس کمبخت شہر کو تاخت
و تاراج کیا — تیسرے دن یہ سینتیسوان خلیفہ خاندان عباسیہ سے بڑی ذلت و خواری سے
قتل کیا گیا اور خاندان عباسیہ کا کام تمام ہوا — چونکہ شیعون پر وقتاً فوقتاً ظلم و جور ہوتا رہا

اور انکے امام آخر الزمان بقدرت خدا سے غائب ہوگئے لہذا انکو یہ اعتقاد پیدا ہوا کہ اگرچہ امام زمان غائب ہین مگر ابتک زندہ ہین اور جلد ظہور فرماکر مظلومون کا انتقام ظالمون سے لینگے اور اہل حق اہل باطل پر غالب آجائینگے — کچھ اس اعتقاد کی وجہ سے اور کچھ اس سبب سے کہ شیعون پر ہمیشہ اور ہر زمانہ مین تنگی اور سختی ہوئی ہے شیعون نے دنیاوی حکومت کو دینی حکومت سے بالکل علٰحدہ کرلیا ہے اور شیعون کے ملک مین امور دین کا انتظام ملکی انتظامات سے بالکل جداگانہ ہے — اگرچہ شیعہ بادشاہ مجتہدین کے قول کو مانتا ہے مگر انکو مجتہد سمجھکر اُنکے حکم کو نہین مانتا بلکہ یہ جانکر تسلیم کرتا ہے کہ یہ نائب امام زمان ہین بسبب انکی رائے کو دنیاوی معاملات مین مان لینا لازم ہے — جبتک سلاطین صفویہ نے مذہب شیعہ کو فروغ دیکر فارس مین علی العموم نہین جاری کردیا اُسوقت تک یہ مذہب ایک ظلم رسیدہ ستم دیدہ اور مقہور و مغلوب فرقہ کا دین رہا — اس حکومت دینی اور حکومت دنیوی کے علیحدہ علیحدہ ہوجانے کا نتیجہ مسئلہ مال لاوارث سے خوب ظاہر ہے — شیعون کے نزدیک لاوارث کا مال بیت المال مین نہین جاسکتا — بیت المال [illegible] سے شیعہ بیزار ہین[1] — جب کوئی شخص لاوارث مرجائے یعنے کوئی اُسکا وارث [illegible] اسکا مال امام زمان کو ملیگا اور غیبت امام مین نائب امام یعنی مجتہد کو ملیگا جو اسکو اُس شہر کے غربا و مساکین پر تقسیم کردیگا جس شہر کا باشندہ وہ شخص تھا جو لاوارث اور بلا وصیت مرگیا ہے —

شیعون کے کئی فرقہ [illegible] — مثلاً اثنا عشریہ یا امامیہ جو بارہ امامون کو مانتے ہین — اسمعیلیہ یعنی پیروان اسمعیل ابن جعفر صادق امام ششم — زیدیہ یعنی پیروان زید شہید ابن علی ابن الحسین — باطنیہ وغیرہ — ان فرقون کے اعتقادات مین اختلاف ہے مسائل شرعی مین چندان اختلاف نہین ہے — فرقہ معتزلہ جسکو شہرستانی و دیگر مورخین نے ایک شعبہ فرقہ

---

[1] جامع الشتات کتاب الموارث ملاحظہ ہو ۱۲ منہ — سادات علوی اور سادات فاطمی کے مختلف شعبے بلقب امیر یا امام یا شریف یا خلیفہ مختلف ممالک اسلامیہ مین حکمران و فرمانروا رہے ہین — مثلاً مکہ معظمہ مین بنی قتیدہ عربی

شیعہ کا قرار دیا ہے اپنی اصل ماخذ سے اہم مسائل مین اختلاف رکھتا ہے۔ اس معقول پسند فرقہ کا
پیدا ہونا تاریخ اسلام مین ایک نہایت دلچسپ واقعہ ہے۔ یہ فرقہ اسطرح سے پیدا ہوا کہ
واصل ابن عطا نے جو امام اعظم ابو حنیفہ کا ہمعصر تھا حسن بصری کے مسلک سے روگردانی کر کے
ایک نیا طریقہ اختیار کیا۔ حسن بصری خلاصۂ اہل بیتؑ کا تعلیم یافتہ اور تربیت کردہ تھا اور
اُسکے آزادانہ خیالات سے اُس زمانہ کے تنگ و تاریک خیالات کو کچھ نسبت نہ تھی۔ واصل
ابن عطا بھی اُسی سرچشمۂ علم و فضل (یعنی اہل بیتؑ) سے سیراب ہوا تھا مگر اُسنے جبر و اختیار کے
مسئلہ مین حسن بصری سے اختلاف کر کے اپنا ایک نیا فرقہ قائم کر لیا۔ اُسکے پیروان خاص نے
باین وجہ کہ اُنکا مسلک مذہب عامۂ خلائق کے خلاف تھا اپنا نام معتزلہ یا اہل الاعتزال رکھ لیا
جسکا ترجمہ انگریزی مین لفظ پراٹسٹنٹ سے ہو سکتا ہے۔ واصل ابن عطا نے جلد ان اصول کو
شایع کیا جنمین اُسنے دیگر فرق اسلامیہ سے اختلاف کیا تھا۔ اُسکی درشت مزاجی اکثر اسکا باعث
ہوئی کہ اُس زمانہ مین جو لوگون کی عقل پر ظلم ہو رہا تھا اُسکے دفع کرنے مین اُسنے جادہ اعتدال سے
باہر قدم رکھا۔ مگر اُسکا فلسفہ اور اسکے فقہ چونکہ ہر قسم کے فلسفہ اور فقہ سے زیادہ تر موافق عقل سلیم تھی
لہذا اذکیا اور اہل علم کا مجمع اُسکی طرف ہو گیا۔ علامۂ زمخشری صاحب تفسیر کشاف۔ امام ابو الحسن
علی المسعودی جنکو ابن خلکان نے امام اور مورخ اور علامہ لکھا ہے۔ اور روضۃ الصفا اور
حبیب السیر کے مصنف۔ یہ سب علما معتزلی ہین۔ اسمین کچھ شک نہین ہے کہ معتدل آراے
معتزلہ کے اعتقادات حضرت علیؑ اور اہل بیت کے اعتقادات ہین کیونکہ بنی فاطمہؑ کا طریق

موسی و بنی قتادہ۔ اور شمالی یمن مین بنی طباطبا۔ اور جنوبی یمن مین بنی زیاد۔ اور مراکش مین بنی ادریس اور مصر اور
شمالی افریقہ مین بنی فاطمہؑ۔ شیعون کے خلفای راشدین یعنی ائمہ اثنا عشر حسب ترتیب ذیل ہین۔ (۱) علی ابن ابی طالب
(امیر المومنین۔ سنہ ۴۰ھ ۶۶۱ع) (۲) حسن ابن علی (المجتبی۔ سنہ ۴۹ھ ۶۶۹ع) (۳) حسین ابن علی (الشہید بکربلا سنہ ۶۱ھ
۶۸۰ع) (۴) علی ابن الحسین۔ (زین العابدین سنہ ۹۵ھ ۷۱۳ع) (۵) محمد ابن علی (الباقر سنہ ۱۱۳ھ ۷۳۱ع)
(۶) جعفر ابن محمد (الصادق سنہ ۱۴۸ھ ۷۶۵ع) (۷) موسی ابن جعفر۔ (الکاظم سنہ ۱۸۳ھ ۷۹۹ع) (۸) علی ابن موسی
الرضا (سنہ ۲۰۳ھ ۸۱۸ع) (۹) محمد ابن علی (التقی سنہ ۲۲۰ھ ۸۳۵ع) (۱۰) علی ابن محمد (النقی سنہ ۲۵۴ھ ۸۶۸ع) (۱۱) حسن

مشابہت تامہ اُس مسلک سے رکھتا ہے جسکا بانی واصل ابن عطا ہوا اور جسکی اصلاح علامہ زمخشری نے کی ۔۔ یہ بات مشہور ہے کہ سر آمد علماء معتزلہ یا خود بنی فاطمہ ؑ تھے یا بنی فاطمہ ؑ کے تعلیم یافتہ تھے معتزلہ کا قول یہ ہے کہ عدل انسان کے افعال کا محرک قوی ہے اور عدل اُسکا نام ہے کہ جن باتون کا حکم عقل کرتی ہے اُنکو عمل مین لانا ۔ وہ یہ بھی کہتے ہین کہ انسان کے افعال کے باب مین کوئی قانون ازلی اور غیر متغیر نہین ہے ۔ اور احکام ربّانی جو انسان کے کردار سے متعلق ہین شخصی یا مجموعی کمال نفسانی کا نتیجہ ہے اور اوامر و نواہی جو انسان پر صادر ہوئے ہین اور وعدہ و وعید جو انسان سے کیا گیا ہے ہمیشہ انسان کی ترقی کے موافق کیا گیا ہے اور قانون شرع ہمیشہ کمال نفسانی کا ہمپلہ و ہمعنان رہا ہے ۔۔ اہل الاعتزال کے اعتقادات کو مامون الرشید نے بھی قبول کر لیا اور اُسکے بعد دو خلیفون نے فلسفۂ معتزلہ کو تمام ممالک اسلامیہ مین جاری کرنے کی کوشش کی مگر اسلام کی بدنصیبی سے ان خلفائے عباسیہ کی کوشش بھی دین رائج کے مقابل مین کارگر نہوئی اور متوکل علی اللہ کے عہد خلافت مین دین اسلاف نے ایسا غلبہ پکڑ لیا [illegible] زوال و فنائے خلافت کا باعث ہوا ۔۔

ہندوستان کے شیعہ اکثر اثنا عشریہ یا امامیہ ہین ۔ بمبئی مین [illegible] اسمٰعیلیہ ہین مگر انکی تعداد ایسی قلیل ہے کہ اُنکے مسائل کی تحقیق کرنا کچھ ضرور نہین ہے خصوصاً جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ مسائل شرعیہ مین وہ عموماً اثنا عشریہ سے متفق الرای ہین ۔۔ پھر اثنا عشریہ کے دو شعبے ہین اصولی اور اخباری ۔ اصولی وہ ہین جو اجتہاد کے قائل ہین یعنے چند اصول تاویل کو [illegible] جنکو مجتہدین نے مقرر کر دیا ہے ۔۔ اخباری وہ ہین جو مجتہدین کی تقلید نہین کرتے الا [illegible]

العسکری ([illegible]) ۔ (۱۲) محمد ابن الحسن الحجۃ القائم المنتظر المہدی ([illegible]) ۔۔ [illegible]

سلہ پہلا خطبہ نہج البلاغت کا باب خبر و اختیار بحار الانوار اور دیگر کتب احادیث شیعہ مین ملاحظہ ہون ۱۲ منہ ۔ سلہ شہرستانی کے ملل النحل صفحہ ۔ ۳۰ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ ۔ سلہ شہرستانی کے ملل النحل اور تاریخ ابن خلدون ملاحظہ ہو ۱۲ منہ ۔۔

فتوے موافق عقل و قیاس ہو ۔ اخباری[1] ہر ایک مسئلہ شرعی مین قیاس کے قائل ہین اور اس اعتبار سے اہل سنت سے متفق ہین جیسا آیندہ عرض کیا جائیگا اور احکام شرعیہ کے استخراج و استنباط مین معتزلہ سے مشابہت تامہ رکھتے ہین ۔

شیعون کی فقہ از روی تواریخ فقہ حنفی پر تقدم زمانی رکھتی ہے جیسا [illegible] ثابت کیا گیا ۔ اسواسطے کہ سب سے پہلے فرقہ اہل سنت کے بانی امام اعظم ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت [illegible] ہوے (۹۹ھ ۔ ۱۵۰ھ) یہ فقیہ اہل سنت تخمیناً بعہد خلافت عبد الملک ابن مروان پیدا ہوے تھے اور شیعون کی فقہ مین تعلیم پائی تھی یعنے حضرت امام جعفر صادق سے فقہ حاصل کی تھی (جو مشہور ترین علماے اہل بیت اور [illegible] اثنا عشریہ کے چھٹے امام ہین) اور ابو عبد اللہ ابن المبارک اور حماد بن سلیمان سے علم حدیث سیکھا تھا ۔ چنانچہ امام اعظم (ابو حنیفہ) اکثر شیعون کے امام (جعفر صادق ع) کے اقوال کو [illegible] نقل کرتے ہین ۔ جب امام ابو حنیفہ نے اپنے وطن اصلی کو [illegible] مراجعت کی تو [illegible] دوستدار اہل بیت اور طرفدار اولاد علی کے رہے مگر شیعون کی فقہ سے بالکل عدول کر کے ایک نئی فقہ اپنی بنائی اور اکثر اہم مسائل مین شیعون سے اختلاف کیا ۔ تاہم انکے مسلک (مسلک حنفی) اور شیعون کے اقوال مین ایسی مشابہت تامہ ہے کہ اسمین مطلق شک و شبہ کی گنجائش نہین ہے کہ انکے طریق کا ماخذ کیا تھا ۔ استخراج مسائل شرعیہ مین قیاس کو انھون نے اسقدر دخل دیا ہے کہ انکے اقوال مین علماے اہل بیت کے احکام کا عکس معلوم ہوتا ہے ۔

امام ابو حنیفہ کے اقوال کو اچھی طرح سمجھنے سے شیعون کے مسائل بخوبی سمجھ مین آسکتے ہین

امام اعظم نے سنہ ۱۵۰ ہجری مین وفات کی ۔ جس مسلک کے وہ بانی ہوے اسکو حنفی کہتے ہین ۔ اسی مسلک [illegible] اکثر مسلمانان ہند اور افاغنہ اور ترکمان اور تقریباً کل وسط ایشیا کے مسلمانون مین

---

[1] شاید یہ قول جناب مصنف کا صحیح نہین ہے کیونکہ اخباری قیاس کی بالکل منکر ہین البتہ اصولی اسکے کچھ قائل ہین اور اگر مشابہت ہے تو اصولی اور حنفی مین ہے نہ یہ کہ اخباری اور حنفی مین ہو ۱۲ مترجم

بلکہ ترکون اور مصریون مین بھی جاری ہے۔ بہ نسبت اور فرقون کے احناف یعنی حنفی مذہب لوگ بکثرت ہین۔ امام ابوحنیفہ کے اقوال کی توضیح اُنکے دو شاگردون امام ابو یوسف اور امام محمد نے کی جو بعض اہل سنت کے نزدیک اپنے اُستاد سے زیادہ قابل وقعت ہین۔ جب یہ دونون صاحب امام اعظم کے قول سے اختلاف کرتے ہین تو انکی قوت کو انکے استاد کے فتوے پر ترجیح دیجاتی ہے۔ عجب بات ہے کہ اکثر مسائل مین جو انتقال ملکیت سے متعلق ہین خواہ انتقال بالوصیت ہو خواہ دوسری قسم کا انتقال ہو امام ابو یوسف کا قول دیگر شاگردان امام اعظم کے اقوال سے بلکہ کبھی کبھی خود امام اعظم کے قول سے زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح سے مسائل میراث مین امام محمد کا قول اورون کے اقوال سے زیادہ مستند سمجھا جاتا ہے۔

دوسرے فرقۂ اہل سنت کے بانی ابو عبداللہ مالک ابن انس ہوے جنکا مسلک افریقۂ شمالی مین علی الخصوص مراکش اور الجیریا مین جاری ہے۔ اُنھون نے ۱۷۹ھ ہجری مین بعہد ہارون الرشید وفات کی۔ تیسرے فرقۂ اہل سنت کے بانی ابو عبداللہ محمد ابن ادریس الشافعی ہوے وہ شہر غازہ واقع ملک شام مین اُسی سال پیدا ہوے جس سال امام اعظم ابو حنیفہ نے انتقال کیا۔ اور ۲۰۴ہجری (۸۱۹ع) مین بعہد مامون الرشید مصر مین وفات کی۔ وہ شیعون کے امام ہشتم علی ابن موسی الرضا کے ہمعصر تھے اور اُنکا مسلک افریقۂ شمالی مین اور بعض بلاد مصر مین اور عرب کے بلاد جنوبی مین اور جزیرہ نماے ملایا مین اور جزیرہ سیلان یعنی سرندیپ مین جاری ہے۔ احاطۂ بمبئی کی بوہرون مین بھی اُنکے مقلد موجود ہین۔ چوتھے فرقۂ اہل سنت کے بانی ابو عبداللہ احمد ابن حنبل الشیبانی ہوے۔ انکا مسلک مامون الرشید اور معتصم باللہ کے عہد خلافت مین خوب چمکا۔ یہ دونون خلیفہ معتزلی تھے۔ امام احمد ابن حنبل کے تعصب شدید مذہبی نے اور انکی اس کوشش نے کہ عوام کالانعام کی آتش تعصب کو افروختہ کرکے

سلہ بہت مشہور کتاب جو امام مالک نے اپنے پیروان خاص کے لیے چھوڑا ہے وہ کتاب احادیث موطا ہے جو صحاح ستہ مین داخل ہے ۱۲ منہ۔

خلیفۂ وقت سے باغی کر دین حاکم وقت کو اُنکے خلاف کر دیا۔ اُنھون نے سنہ ۲۴۱ ہجری مین انتقال کیا
اور بہت مقدس اور مرتبہ کے عالم مشہور ہوے۔ مامون الرشید نے جو معتزلہ کے اعتقادات کو تمام
ممالک محروسہ مین جاری کرنے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہوا تو اس ناکامی کے مواخذہ دار احمد
ابن حنبل رہے اور اُنکا مسلک رہا جسکی بنا تقلید اسلاف پر ہے اور اُس ظلم و تعدیِ مذہبی کے
ذمہ دار بھی وہی ہین جس سے ہزارہا مسلمانون کی خونریزی ہوئی —

پس اہل سنت مین بانیانِ مذاہب اربعہ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی
اور امام احمد ابن حنبل ہین —— اصول اعتقادات تو ان سب کے ایک ہین مگر قیاس[1] کی حجت
شرعی ہونے کے باب مین اور قرآن مجید کی تفسیر مین اِن سب مین اختلاف ہے —

امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد ابن حنبل قیاس کو مسائل شرعیہ کے استخراج مین
بالکل دخل نہین دیتے بلکہ بالکل سنت کے تابع ہین۔ وہ نتائج قیاسی کے جواز کے قائل نہین ہین
اور نہ احکام شرع کے معنی ایسے لگاتے ہین کہ حکم شرع ہر ایک مقدمہ خاص کے حالات
مخصوصہ کے مناسب و موافق ہو جائے۔ اسی وجہ سے اُنکے مقلدین کو اہل الحدیث[1] کہتے ہین
خود پیغمبر خدا نے قیاس پر عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اُنکی اولاد امجاد نے قیاس کی سخت
پابندی کی ہے اسی وجہ سے اہل بیتؑ دبنی فاطمہؑ کے احکام مین ایک آزادی اور فیض اُنکی پیدا
ہو گئی تھی جسکا اثر نیک امام ابو حنیفہ کے نفس پر ہوا۔ امام ابو حنیفہؒ اور اُنکے شاگردون نے
جو قیاس پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے وہ فتاواے عالمگیری کی چند عبارتون[2] سے ظاہر ہے۔
امام ابو حنیفہ کے اتباع اہل الراے والقیاس کہلاتے ہین —

مقدمہ[1]

جو اصلاحین شارع اسلام نے فرمائین اُنسے ترقی نمایان عورتون کی حالت مین ہوئی ——
عرب مین بھی اور اُن ہیودین بھی جو جزیرہ نماے عرب مین سکونت پذیر تھے عورتون کی حالت بہت

---

[1] شہرستانی کے ملل النحل و تاریخ ابن خلدون ملاحظہ ہو۔ ۱۲ منہ [2] فتاواے عالمگیری جلد ۳ صفحہ ۳۶۳

ابتر تھی - عبرانی زن باکرہ اپنے باپ کے گھر مین کنیز کی حالت مین رہتی تھی اور اگر وہ نابالغ ہوتی تھی تو اُسکے باپ کو اُسکے بیچ ڈالنے کا اختیار تھا - اُسکا باپ اور باپ کی وفات کی بعد اسکا بھائی جو چاہتا تھا اُسکے ساتھ سلوک کرتا تھا - بجز کسی نہایت خاص صورت کے بیٹی بالکل محجوب الارث تھی -

مشرکین عرب مین عورت صرف ایک جائداد منقولہ سمجھی جاتی تھی اور اپنے باپ یا شوہر کی ملکیت کا ایک جزو اعظم تصور کیجاتی تھی - اور ہر شخص کی بیبیان مثل اور متروکہ کے اُسکی بیٹی یا بیٹون کو بطور ترکہ پدری کے ملتی تھین - اسی وجہ سے سوتیلی ماؤن کی شادی اکثر سوتیلے بیٹون سے ہوتی تھی - اور جب یہ رسم قبیح اسلام مین حرام کردیا گیا تو اسکا نام توہینًا نکاح المقت رکھا گیا تھا یعنی بیحیائی کا نکاح - زمانہ جاہلیت مین یعنی قبل شیوع اسلام عرب کو عورتون سے اسقدر نفرت تھی کہ لڑکیون کو زندہ دفن کردیتے تھے یہ ہولناک رسم قبیلہ قریش اور قبیلہ کندہ مین جاری تھا اور اسکی بڑی سخت مذمت قرآن مجید[2] مین کی ہے اور یہ حرام کردیا گیا اور اسکے واسطے سخت سزائین مقرر کی گئین - اور اسکے ساتھی یہ رسم قبیح بھی حرام کردیا گیا کہ عرب مثل اور قدیم قومون کے بچون کی قربانیان اپنے معبودون پر چڑھاتے تھے -

شرع محمدی کے بموجب عورت کی حیثیت انگلستان کی عورتون کی حالت سے بہتر و برتر ہے جبتک وہ ناکتخدا رہتی ہے اپنے ماں باپ کے گھر مین رہتی ہے اور جبتک نابالغ رہتی ہے کسیقدر اپنے باپ کے یا اسکے قائم مقام کے اختیار مین رہتی ہے - جونہین وہ بالغ ہوجاتی ہے تمام حقوق شرعی اسکو حاصل ہوجاتے ہین جو بالغ اور رشید انسان کو ملنے چاہیئین - وہ اپنے

نیز عبارت ذیل محیط سے نقل کی ہے " اگر اصحاب رسول م کا متفق علیہ قول نہ بہم پہونچے مگر اُنکے تابعین کو اتفاق رائے ہو تو قاضی کو ان اصول پہ چلنا چاہیئے جنکی پابندی تابعین اصحاب نے کی ہے لیکن اگر تابعین مین بھی اختلاف ہو تو قاضی کو چاہیئے کہ اُنکے دلائل کو جانچ کر جو قول راجح اُسکے نزدیک ہو اُسکو اختیار کرے " اسی قسم کی اور عبارتین بھی اس کتاب مین موجود ہین جنسے مذہب حنفی کے اعتقادات بخوبی واضح ولائح ہین ۱۲ منہ — [1] توریت سفر العدد ملاحظہ ہو ۱۲ — منہ

[2] وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۱۲ قرآن مجید

بھائیون کے ساتھ مان باپ کے ترکہ مین حصہ پاتی ہے اور اگرچہ بیٹے اور بیٹی کے حصہ مین فرق ہے مگر یہ فرق بھائی اور بہن کے حالات کا منصفانہ لحاظ کرکے رکھا گیا ہے۔ شادی کے بعد بھی اُسکے تشخص مین کچھ فرق نہین آتا۔ اور وہ ایک جداگانہ ممبر یعنی شریک سوسائٹی کی باقی رہتی ہے اور اسکا وجود اُسکے شوہر کے وجود کے ساتھ آمیختہ نہین ہو جاتا (جیسا انگریزون کا مقولہ ہے) اُسکا مال اُسکے شوہر کا مال نہین ہوجاتا بلکہ اُسکا مال اُسی کا رہتا ہے اور وہ ایک ذاتی حق اپنی ملکیت مین رکھتی ہے۔ وہ اپنے قرضدارون پر علانیہ عدالت مین نالش کرسکتی ہے اور کسی ولی کو شریک کرنے یا اپنے شوہر کے نام سے نالش کرنے کی ضرورت نہین رکھتی۔ جب وہ اپنے باپ کے گھر سے اپنے شوہر کے مکان مین جاسکتی ہے تب بھی اُسکو سب حقوقِ شرعی وہی حاصل رہتے ہین جو مردون کو حاصل ہین۔ تمام مواجب و حقوق جو ایک عورت اور زوجہ کو حاصل ہونی چاہئین اُسکو صرف مروت و اخلاق کے رو سے نہین حاصل ہین جسکا کچھ اعتبار نہین ہے بلکہ نصِ قرانی کے بموجب حاصل ہین۔ وہ اپنی جائداد کو بلا اجازت شوہر منتقل کرسکتی ہے اور وصیت کرسکتی ہے۔ وہ اورون کی جائداد کی منتظمہ اور وصیہ مقرر ہوسکتی ہے اور اوقاف کی متولیہ بھی مقرر ہوسکتی ہے۔

مسلمانون مین نکاح ایک معاہدہ ہے جسمین کسی مُلا کے ہونے یا کسی رسم مذہبی کے بجالانے کی ضرورت نہین ہے مگر معاہدۂ نکاح سے مرد کو عورت کی ذات پر اُس سے زیادہ اختیار نہین حاصل ہوجاتا جتنا شرع مین لکھا ہے اور اُسکے مال و اسباب پر تو مطلق اختیار نہین حاصل ہوتا۔ زوجہ مسلمہ اپنے شوہر کے گھر مین اُن سب حقوق پر قابض رہتی ہے جو شارع ؑ نے اُسکو بطور ایک ذمہ دار ممبر یعنی شریک سوسائٹی کے عطا فرمائے ہین۔ اُسپر جداگانہ اور بلا شرکت غیر نالش ہوسکتی ہے۔ وہ بلا واسطۂ امین یا ولی جائداد لے سکتی ہے اور ایک خاص حق اپنے شوہر کی جائداد مین رکھتی ہے جو قبل وقوع نکاح طے ہوجاتا ہے۔ اُسکے حقوق مادری کا تسلیم ہونا خاص خاص مجمعون یا قاضیون کی نازک مزاجی پر موقوف نہین ہے

وہ اپنے شوہر سے معاہدہ کرکے درصورت خلاف ورزی معاہدہ اسپر نالش کرسکتی ہے ۔
جو کچھ وہ اپنی ذاتی محنت و مشقت سے کماتی ہے اسکو اسکا فضول خرچ شوہر اڑا نہیں ڈال سکتا
اور نہ کوئی بیرحم و سنگدل شوہر بلا خوف سزا اپنی زوجہ کو زدوکوب کرسکتا ہے ۔ چنانچہ ایک مورخ عالم کا
قول ہے کہ "البتہ ممکن ہے کہ ایشیا میں بھی امریکا کی طرح پوشیدہ ظلم ہوتا ہو مگر مسلمان شوہر کو اپنی
زوجہ پر زیادتی کرنے کا حکم شرع محمدی میں کہیں نہیں لکھا ہے ۔ اگر وہ گناہ کرتا ہے تو اسکو گناہ
سمجھکر کرتا ہے اور اپنے دل میں عذاب آخرت سے ڈرتا رہتا ہے ۔ جب کوئی شخص اپنے اہل حرم پر
کوئی ظلم کرتا ہے گو وہ ظلم کیسا ہی خفیف ہو تو وہ خوب جانتا ہے کہ مظلومہ کا انتقام لینے کے لیے
قاضی صاحب موجود ہیں[لہ]" یہی مورخ صاحب پھر فرماتے ہیں کہ "ہمارے عام قانون کے بموجب
زوجہ شوہر کے اختیار میں بالکل آجاتی ہے یہانتک کہ جو عورت شادی کے وقت گرجا میں نوجوان
اور حسین اور متمول آئی تھی وہ عورت اپنے شوہر کی جور وجفا سے جسکی مکافات قانوناً کچھ نہیں ہو سکتی
چند سال کے بعد گرجا سے ذلیل و خوار نحیف و نزار اور مفلس ہو کر نکلتی ہے" کل تاریخ دین اسلام
کی قیامت تک ان لوگوں کی تکذیب کو موجود ہے جو کہتے ہیں کہ شرع محمدی میں عورتوں پر نہایت سختی ہے

زمانہ قدیم میں تعدد ازدواج کا رسم سب قوموں میں جاری تھا ۔ اور جب بادشاہ وقت
اس رسم کو عمل میں لاتا تھا اور بادشاہ ہر ملک میں ظل اللہ سمجھا جاتا تھا تو رعایا بھی اس
رسم کو مقدس جانکر عمل میں لاتی تھی ۔ ہنود میں تعدد ازدواج کی دونوں قسمیں[لہ] قدیم الایام سے
جاری چلی آتی ہیں ۔ زمانہ سلف میں قوم میڈ اور اہل بابل اور اہل عشیرا اور اہل فارس میں
کوئی تعداد ازدواج کی مقرر نہ تھی ۔ اس زمانہ میں بھی برہمنوں کو اجازت دیگئی ہے کہ جتنی بیبیاں
چاہیں کریں ۔ بنی اسرائیل میں تعدد ازدواج کا رسم حضرت موسیٰ کے زمانہ سے بیشتر جاری تھا
اور حضرت موسیٰ نے اس رسم کو بعینہ قائم رکھا اور کوئی تعداد ازواج کی بنی اسرائیل کے لیے نہیں

[لہ] ہیپو تھر ڈکسن صاحب کی تاریخ امریکا ملاحظہ ہو ۱۲ منہ ۔ [لہ] یعنے ایکمرد کے متعدد بیبیاں اور
ایک عورت کے متعدد شوہر ۱۲ ۔ مترجم

مقرر کی۔ اخیر زمانہ مین یہود کی تالمود۔ (کتاب حدیث و فقہ یہود) مین ازواج کی تعداد
شوہر کی استطاعت پر موقوف رکھی گئی ہے کہ جتنی بیبیون کو نان و نفقہ مناسب دینے کا مقدور[۱]
رکھتا ہو کر سکتا ہے۔ اور اگرچہ ربانیین (علمائے یہود) نے نصیحت کی ہے کہ ایک بی بی سے زیادہ نہ
کرنا چاہیئے لیکن فرقہ قراطیہ نے اُنسے اختلاف راے کر کے ازواج کی تعداد مقرر کرنے کے جواز کو نہین
تسلیم کیا ہے۔ زمانۂ سلف مین اہل اتھنس[۳] سے زیادہ تو کوئی قوم مہذب و شائستہ اور صاحب
عقل و ہنر نہ تھی اُنمین بھی زوجہ ایک مال تجارت قابل انتقال و لائق بیع سمجھی جاتی تھی اور وصیت کے
ذریعہ سے بھی اُسکا انتقال ہو سکتا تھا۔ اور زوجہ ایک بلا سمجھی جاتی تھی جسکا ہونا انتظام خانہ داری
اور افزونی نسل کے لیے ضرور تھا۔ ہر باشندہ اتھنس اسکا مجاز تھا کہ جتنی بیبیان چاہے کرے یہانتک
کہ ڈماستھنیز مورخ جلیل یونانی نے بفخر و مباہات لکھا ہے کہ ہماری قوم مین تین قسم کی عورتین ہین
اُنمین[۴] سے ہر قسم کی عورتین شرعی یا نیم شرعی بیبیان ہو سکتی ہین۔ رومیون مین بھی تعدد ازدواج کا
رسم کم و بیش اُس زمانہ تک جاری رہا جبکہ قوانین جسطنین۔ قیصر مین حرام کر دیا گیا۔ گو تعدد ازدواج قانون
دیوانی مین ممنوع کر دیا گیا مگر اس ممانعت کا اثر لوگون کے اخلاقی خیالات پر کچھ نہین ہوا اور یہ
رسم اُس وقت تک عمل مین لایا گیا جبتک کہ نظام جدید تمدن مین اُسکی ممانعت[۵] کر دی گئی
بیاہتا بی بی کے سوا اور سب بیبیان بڑی خرابیون مین مبتلا رہتی تھین۔ وہ کچھ حقوق نہ
رکھتی تھین اور قانون مین اُنکا کچھ تحفظ نہین کیا گیا تھا بلکہ وہ اپنے متلون
مزاج شوہرون کی کنیزی کیا کرتی تھین۔ اُنکی اولاد حرامی کہلاتی تھی اور
ترکۂ پدر سے بالکل محجوب سمجھی جاتی تھی اور بد قوم اور کم ذات تصور کیجاتی تھی۔ کم ذات عورتون[۶] سے
شادیان کرنا امرا و اہل دول پر منحصر تھا بلکہ پادری لوگ بھی تجرد و رہبانیت کی قسم کو اکثر بالائے

[۱] کوڈ نبیک صفحہ ۵۴۔ جلد ۱۔ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ [۲] ڈاکٹر النجر صاحب کی تاریخ یہود و مشرکین جلد ۲۔ صفحہ ۲۳۳۔ ۲۳۸۔ اور ان سایکلوپیڈیا مین مضمون نکاح ملاحظہ ہو ۱۲ منہ [۳] یہ قدیم پایۂ تخت یونان کا نام ہے بڑا عظیم الشان اور نامی و گرامی شہر تھا ۱۲ مترجم [۴] گبن صاحب کی تاریخ زوال سلطنت روم الکبری جلد ۲۔ صفحہ ۲۰۶۔ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ

طاق رکھکر ازدواج مشروع یا غیر شروع کر لیتے تھے - تواریخ سے بخوبی ثابت ہے کہ تھوڑاہی عرصہ گذرا ہے کہ تعدد ازدواج ایسا فعل قبیح نہ سمجھا جاتا تھا جیسا اب سمجھا جاتا ہے - خود سینٹ اگسٹائن جنکو عیسائی بہت بڑا ولی اور پیشوا دین سمجھتے ہین اور جنھون نے دین مسیحی انگلستان مین جاری کیا تھا تعدد ازدواج کو فحش اور معصیت نہین قرار دیتے ہین اور فرماتے ہین کہ تعدد ازدواج اُس ملک مین گناہ نہین ہے جہان وہ ایک آئین یا قانون ہوگیا ہو - اور ہالم صاحب مورخ جلیل لکھتے ہین کہ مصلحان جرمنی سولھوین صدی عیسوی تک دوسری اور تیسری شادی کو پہلی شادی کے ساتھہ جائز جانتے تھے جس صورت مین کہ اولاد نہوئی ہو یا اور کوئی ایسا سبب ہو اہو اگلے زمانہ کے عرب اور یہود مین تعدد ازدواج کے علاوہ یہ رسم بھی جاری تھا کہ شرطیہ یا چند روزہ نکاح کر لیتے تھے - ایسی نا ملائم و ناجائز اخلاقی خیالات کا نہایت خراب اثر اُس نظام تمدن یعنی طرز معاشرت پر ہوا جو جزیرہ نماے عرب کے اندر جاری تھا اور عرب کی حدود کے باہر بھی اخلاقی حالت ویسی ہی خراب تھی - سلطنت ایران اور سلطنت روم مین عورتین بہت ذلیل و خوار تھین شدید التعصب پادری جنکو عیسائیان پاک اعتقاد نے چند عرصہ کے بعد اولیا ء اللہ کے درجہ پر پہونچادیا غلبۂ نصرانیت سے مواعظ مین عورتون کی ہجو و مذمت کرتے تھے اور اُنکی شرارتین بیان کیا کرتے تھے اور یہ بھول گئے تھے کہ جو عیوب ہمنے عورتون مین نکالے ہین وہ ہمارے ہی نفاق باطنی اور خبث طینت کا عکس دکھاتے ہین - الغرض یہ وہ زمانہ تھا کہ نظام تمدن کی عمارت عالیشان ہر طرف منہدم ہوتی جاتی تھی - اور جو باتین اُسکے ثبات و قیام کا باعث تھین وہ زائل ہوتی جاتی تھین - اور یہ غل مچا ہوا تھا کہ قدیم طریقے تمدن کے تجربہ کی میزان مین تولے گئے تو ناقص نکلے - ایسے زمانہ مین شارع اسلام نے قدیم نظام تمدن اور کہنہ طرق معاشرت مین اصلاحین کین - شارع اسلام نے حرمت نسوان یعنی عورتون کی عزت کرنے کے مسئلہ کو احکام ضروریہ اسلام مین داخل کر کے خود جاری فرمایا اور اُنکے پیروان پاک اعتقاد نے اُنکی دختر نیک اختر کے فضائل و مناقب پر نظر کر کے انکا لقب خاتون جنت رکھا - جن قوانین کو رسول عربی

نے شایع کیا انہین نکاح مشروط کو قطعًا حرام کردیا اور نکاح چند روزہ یعنی متعہ کی اجازت گو کچھ روز ابتدا مین دی مگر تیسری سنہ ہجری مین اُسکو بھی حرام کردیا۔ شارع اسلام نے اپنی شریعت مین عورتون کو وہ حقوق عطا فرمائے جو انکو کبھی نہ حاصل ہوے تھے اور وہ اختیارات انکو دیے جنکی قدر جون جون زمانہ ترقی کرتا جائیگا معلوم ہوتی جائیگی۔ اور تمام اختیارات اور خدماتِ شرعی کے بجالانے مین عورتون کو مردون کا ہم پلہ بنا دیا۔ شارع اسلام نے ازواج کی ایک خاص تعداد مقرر کرکے تعدد ازواج کو محدود کردیا اور چارون بیبیون کے ساتھ بہمہ وجوہ برابر برتاو کرنے کو شوہر پر فرضِ عین کردیا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ جس آیتِ قرآنی[ٹ] مین چار ازواج کی اجازت دیگئی ہے اُسکے آخر مین ایک فقرہ ایسا لکھدیا ہے جس سے پہلے فقرہ کا مضمون کٹ چھٹ کر ایک مقدارِ معتدل مباح باقی رہگئی ہے۔ پہلے فقرہ مین لکھا ہے کہ ”تم دو یا تین یا چار نکاح کرسکتے ہو اس سے زیادہ نہین کرسکتے۔ دوسرے مین فرمایا ہے کہ ”اگر تم سب سے عادلانہ اور منصفانہ برتاؤ نہ کرسکو تو ایک ہی نکاح کرو“ محققین اسلام نے اِس نہایت اہم وضروری شرط سے چشم پوشی نہین کی ہے اور آیاتِ قرآنی مین لفظ ”عدل“ کے جو معنی لیے گئے ہین اُسکو خوب ملحوظ رکھا ہے۔ ابتدا اسلام مین بھی یعنی تیسری صدی مین بعہد خلافت مامون الرشید علماء معتزلہ نے یہ فرمایا ہے کہ احکام قرآنی کو مجموع وسلم دیکھنے سے ایک زوجہ کرنے کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ اور اگرچہ متوکل ظالم کے ظلم وجور سے اُن علمائے عظام کے اقوال شایع نہونے پائے تاہم یہ یقین تمام تعلیم یافتہ مسلمانون مین تدریجًا قوت پکڑتا جاتا ہے کہ تعدد ازواج شریعت غرا کے بھی اُسی قدر خلاف ہے جسقدر تہذیب وشائستگی اور علم وفضل کی ترقی کے منافی ہے۔ علی الخصوص یہ خیال مسلمانان ہند مین اگر اعتقاد مذہبی نہین سمجھا جاتا تو ایک عمدہ نصیحت تو ضرور سمجھی جاتی ہے اور بہت سی

لہ اگلے زمانہ مین عرب اپنی عورتون اور بچون کو جو قبائل عرب کی باہمی جنگ وجدل مین شریک نہ ہوسکتے تھے والدین وشوہر کا ترکہ نہ لینے دیتے تھے ۱۲ منہ سلہ وہ آیت یہ ہے فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً یعنی نکاح کرو عورتون سے جیسا تمہارا جی چاہے دو دو اور تین تین اور چار چار کرکے اور اگر اندیشہ ہو کہ عدالت

اسباب خارجی اس خیال کے ساتھ شریک ہو کر تعدد ازواج کی رسم کی بیخکنی مسلمانون مین کر رہے ہین
اِس ملک مین اب یہ دستور ہوتا جاتا ہے کہ ایک نکاح نامہ بایین مضمون شوہر یا نا کہ سے لکھوا لیا
جاتا ہے کہ زوجہ اولی کی حین حیات کوئی حق یا شایبہ حق نکاح ثانی کا جو وہ رکھتا ہو یا جسکا وہ
مدعی ہو عمل مین نہ لائیگا ۔ یہ دستور مانع توہی رسم تعدد ازواج کی نشو و نما پانے او رقائم رہنے کا ہے
ہندوستان مین فی الحال فیصدی ننانوے مسلمانون سے زیادہ خواہ اعتقاداً خواہ ضرورت
ایک ہی زوجہ پر قانع ہین ۔ تعلیم یافتہ مسلمانون مین جو اپنے اسلاف کے تاریخی حالات سے
واقف ہین اور اپنے بزرگون کے حالات کا مقابلہ او رمقایسہ اور قومون کے احوال سے کر سکتے ہین
تعدد ازواج کا رسم ناپسند بلکہ مکروہ و متروک ہوتا جاتا ہے ۔ اور کرنیل مایک گریگر صاحب کے
بیان کے موافق ایران مین فیصدی صرف دو آدمی متعدد بیبیون کی مشکوک لذت اُٹھاتے
ہین ۔ اُمید قوی ہے کہ آیندہ ایک جماعت علمائے اسلام باہم شورے کرکے یہ فتوے
دیگی کہ تعدد ازواج مثل غلامی و بندہ گری کی شریعت غرا کے سراسر خلاف ہے ۔
اِسکا انکار نہین ہوسکتا کہ چند رسوم و قوانین جو مسلمانون نے زمانہ جاہلیت سے اخذ کیے
ہین اور جو صرف آثار و علامات سلف کے قبیل سے ہین مسلمان قومون کی ترقی کے مانع اور
سد راہ ہوئے ہین ۔ چنانچہ عورتون کی پردہ نشینی کا رسم بھی ایسا ہی ہے ۔ قدیم زمانہ مین یہ رسم
بہت قومون مین جاری تھا ۔ یہانتک کہ اہل اتھنس بھی اِس دستور کی سخت پابندی کرتے تھے ۔
ناشائستہ اور نا تربیت یافتہ قومون کی عافیت کے لحاظ سے اِس دستور سے بہت سے
فوائد ہین ۔ شارع اسلام نے اِس رسم کو اپنے ہم عصر قومون مین جاری پایا اور اُسکے فوائد پر
نظر کرکے اِسکی پابندی اپنی امت پر فرض کردی ۔ اس سوال کا جواب دینا غیر ممکن ہے کہ
آیا شارع اسلام کا منشا یہ تھا کہ یہ رسم ایک قانون اخلاقی کی قوت حاصل کرے یا ایسی سخت
پابندی اِسکی کیجائے جیسی اب کیجاتی ہے ۔ تاہم یہ گمان کرنا غلط ہے کہ شرع شریعت مین کوئی

نہ کر سکو گے تو ایک سے ۔ ۱۲ مترجم

بات ایسی ہے جو اِس دستور کے دوام و استمرار کا باعث ہے۔ شارع اسلام نے جو حکم عورتون کی پردہ نشینی کا فرمایا ہے اُسکی حقیقت اِس سے خوب ظاہر ہے کہ اُنکے اہل بیت[1] ہمیشہ اِس قید سے آزاد رہے۔ وہ فسق و فجور جسنے زمانہ جاہلیت مین عرب اور یہود اور نصاری کی طرز معاشرت و عنوان معیشت کو ازحد خراب کر رکھا تھا اِسی کا مقتضی تھا کہ اصلاح اُسکی کیجائے۔ اِسمین شک نہین ہے کہ شارع اسلام نے جو عورتون کے پردہ کا حکم فرمایا تو جو فسق و فجور کا دریا جوش مار رہا تھا وہ اِس سے رُک گیا اور یہ رسم قبیح جو مشرکین عرب مین جاری تھا کہ ایک عورت پوشیدہ طور سے متعدد شوہر کرتی تھی یہ بھی مسدود ہو گیا۔

وَین ہَیمر صاحب مورخ جرمنی کا قول ہے کہ مسلمانون مین حرم مرا زوجہ و شوہر کے راحت کا گھر ہے۔ غیرون کو حرم مین جانے کی ممانعت اسوجہ سے نہین ہے کہ عورتون کا اعتبار نہین ہے بلکہ اِس سبب سے ہی کہ قدیم سے یہی دستور چلا آیا ہے۔ ایشیا کی اعلی قومون مین (یعنی مسلمانون مین) اور یورپ مین جو اعزاز و احترام عورتون کا کیا جاتا ہے اُسکا ثبوت باسانی مل سکتا ہے۔ زوجہ و شوہر کی باہمی معاشرت اور بے تکلفی قائم رکھنے کے لیے پردہ کا رسم نکالا گیا ہے جسکو خود شوہر بھی نہین اُٹھا سکتا۔ لفظ حرم کے معنی عربی مین عورتون کا کمرہ یا مکان ہے جسکو اہل یورپ غلطی سے عورتون کا قید خانہ سمجھے ہین۔ زنانہ (جسکو ایران مین اندرون کہتے ہین) کے مقدس حدود کے اندر ربۃ البیت کی حکومت ہوتی ہے۔ اُس دائرہ کے اندر شوہر کی کچھ نہین چلتی بلکہ بغیر اجازت زوجہ کے وہ گھر کے اندر جانے بھی نہین پاتا۔ آگے چلکر ہم بیان کرینگے کہ زوجہ کے حقوق کا تحفظ شرع مین کیا گیا ہے۔ اِس

---

[1] حضرت عائشہ بنت ابی بکر رض جنکا عقد رسول اللہ صلعم کے ساتھ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد ہوا تھا خود بنفس نفیس اُس لڑائی کا اہتمام کرتی تھین جو حضرت علی سے ہوئی تھی (یعنے جنگ جمل) اور اپنی فوج کے کمان خود کرتی تھین۔ خود حضرت فاطمہ رض دختر پیغمبر امر خلافت مین بحث کرنے کو تشریف لائی تھین۔ حضرت زینب بنت علی اور خواہر امام حسین ع نے جب اُنکے سب اعزا معرکہ کربلا مین شہید ہو گئے تو اپنے بیمار بھتیجے کو شر اعدا سے بچایا اور اُنکی جرأت وہمت سے عبیداللہ ابن زیاد جیسا خونخوار

مقام پر ہم صرف اُسکی حالت موجودہ کا ذکر کرتے ہیں مسلمانون مین زوجہ کی حالت پر بالمجموع نظر
کیجیے تو یورپ کی کسی عورت سے بدتر نہ پائیے گا یورپ کی عورتون سے اُسکی پس ماندگی کا باعث
یہ ہے کہ اہل اسلام مین عموماً تعلیم نسوان کا رواج نہین ہے یہ سبب نہین ہے کہ شرع مین کچھ خاص
احکام ایسے ہین جو عورتون کو مضر ہین - اُسکی قانونی حیثیت تو یقیناً یورپ کی عورتون کی قانونی
حالت سے بہتر و برتر ہے اُسکو ایسی آزادی حاصل ہے کہ جو حقوق و مواجب شرع نے اُسکو
بخشے ہین اُنکو وہ پورا پورا عمل مین لا سکتی ہے - تمام مقدمات مین جو اُسکی ذات خاص سے
یا اُسکی جائداد سے متعلق ہین وہ اپنے ذاتی حق سے اور بلا وساطت اپنے پدر و شوہر کے
کارروائی کر سکتی ہے - وہ اپنا مختار خود مقرر کرتی ہے اور اپنے تمام اختیارات اُسکو دیدیتی ہے
وہ اپنے شوہر اور اپنے کنبہ کے مردون سے مساوی درجہ پر معاہدہ کرتی ہے اگر اُسکا شوہر
اُس سے بدسلوکی کرتا ہے تو اُسکو نکاح کے فسخ کرا لینے کا حق حاصل ہے - وہ اپنے اور اپنے
بچون کے نان ونفقہ کے لیے اپنے شوہر کے نام سے قرض لے سکتی ہے - اگر اُسکا مذہب
شوہر کے دین کے خلاف ہے تو وہ اپنے رسوم مذہبی کو آزادانہ ادا کرنے کا
دعوی کر سکتی ہے - اگر شوہر ذی مقدور ہے تو اُسپر فرض ہے کہ اپنی زوجہ غیر مسلمہ کو سواری
مہیا کر دے کہ وہ اپنی عبادت گاہ مین جا کر اپنے طریق کے موافق عبادت کرے - امور دین مین وہ
ذرا بھی اپنی زوجہ کو نہین ستا سکتا اور مسلمان ماں کی طرح وہ بھی اپنی اولاد کی حراست کی
مستحق ہے - قبل نکاح جو مہر اُسکا قرار دیا گیا ہے وہ اُسکا مال ہے اُسکا جو جی چاہے اُسکو
کرے - مہر سے متمتع ہونے کے لیے اُسکو درمیانی آدمیون اور امینون اور وکیلون کی کچھ ضرورت
نہین ہے جب شوہر سے اُسکو کچھ ایذا پہونچے تو وہ یہ حق رکھتی ہے کہ اپنی حیثیت شخصی سے
شوہر پر نالش کرے - اُسکا مہر اُسکے شوہر کے تمام دیون پر مقدم ہے اور شوہر اُسکا قرضدار
سمجھا جاتا ہے - جبتک لڑکی نابالغ رہتی ہے باپ کو اُسکی شادی کر دینے کا حق اُسیطرح

وجفا کار اور یزید جیسا ظالم ستمگر ل خائف و ترسان ہوا - ۱۲ منہ

حاصل رہتاہے جسطرح نابالغ لڑکے کا نکاح کردینے کا ہوتا ہے۔ مگر آئندہ بیان کیا جائیگا کہ یہ اختیار باپ کا اِسطرح محدود کردیا گیاہے کہ جب فریب کا گمان ہو یا یہ احتمال ہو کہ اس نکاح سے لڑکی کو ضرر پہونچے گا تو باپ کے بعد جو ولی شرعی ہو وہ ایسے نکاح سے مانع ہو سکتاہے۔ اگر کسی نابالغ لڑکی یا لڑکے کا نکاح باپ کے سوائے کوئی اور ولی شرعی کردے تو اُس لڑکی یا لڑکے کو اختیار کامل حاصل ہے کہ بعد بلوغ اُس نکاح کو فسخ کرالے۔ زن بالغہ ورشیدہ کا نکاح کسی حالت مین بغیر اُسکی صریح رضامندی کے صحیح نہیں ہے۔ اور کوئی نکاح صحیح نہیں ہے تاوقتیکہ شوہر زوجہ کا مہر قبول کرلے۔ فی الواقع مہر جواز وصحت نکاح پر مقدم ہے خواہ زوجہ مسلمہ ہو خواہ غیر مسلمہ۔ رومیون مین دستور تھا کہ زوجہ جہیز لاتی تھی اور اسی رسم کو بعض یورپ کی قومون نے کچھ ترمیم کرکے اختیار کیا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانون مین بھی جہیز دینے کا دستور ہے یعنے لڑکی کے ماں باپ زیور اور ظروف وغیرہ وداع کے وقت اُسکے ساتھ کردیتے ہین مگر یہ سب جہیز ین اُسی کا مال رہتاہے۔ بعض اوقات نقد روپیہ یا نوٹ جہیز مین دیتے ہین۔

ہندوستان مین مہر کی مقدار بہت زیادہ رکھی جاتی ہے اور بعض اوقات شوہر کے مقدور سے زیادہ مہر باندھا جاتاہے تاکہ وہ طلاق نہ دے سکے۔ چونکہ شرع شریف مین نکاح ایک معاہدہ سمجھا جاتاہے لہذا بعض حالات مین طرفین کو فسخ معاہدہ کا اختیار دیا گیاہے۔ جن صورتون مین طلاق شوہر کی جانب سے ہوتاہے یا اُسکے کسی کردار سے طلاق کی ضرورت پیدا ہوتی ہے اُن صورتون مین شوہر کو کل مبلغ مہر دینا پڑتاہے تب وہ شرعاً طلاق دے سکتاہے۔ زوجہ کو مارنے پیٹنے کی ممانعت قطعی ہے اور جب اُس سے ہمیشہ ایسی بدسلوکی کیجائے تو وہ طلاق لینے کا حق رکھتی ہے۔ اور جب شوہر اُسکو چھوڑدے یا نان ونفقہ نہ دے تب بھی وہ طلاق لے سکتی ہے۔ جب زوجہ وشوہر مین کچھ نزاع یا نااتفاقی ہوتی ہے تو حاکم شرع کچھ معزز عورتون کو مصالحہ کرنے کیلیے مقرر کردیتاہے یا خود جاکر مصالحہ کرادیتاہے۔ جب ناموافقت مزاج کی وجہ سے یا اور کسی

سبب سے نااتفاقی پیدا ہوتی ہے اور کوئی کوشش مصالحہ کی کارگر نہین ہوتی صرف اُسوقت
طرفین کو اختیار ہے کہ طلاق یا خلع یا مبارات کے ذریعہ سے فسخ نکاح کرلین۔ جب نااتفاقی کا سبب
شوہر کا کردار ہوا ور جب شر اُسی کی طرف سے ہوا ہو یا جب طلاق کا خواہان فقط وہی ہو
تو اُسکو مہر ادا کردینا واجب ہے اور چونکہ ہندوستان مین مہر کی مقدار ایسی کثیر ہوتی ہے
کہ اُسکا ادا ہونا محال ہوتا ہے لہذا شوہر کو طلاق دینے کا جو اختیار ہے وہ کالعدم ہوجاتا
جب نااتفاقی کا باعث خود زوجہ ہوتی ہے اور جب وہ بغیر کسی وجہ وجیہ کے خود طلاق کی
خواہان ہوتی ہے تو اُسکو مہر سے دست بردار ہونا پڑتا ہے تب طلاق ملتا ہے۔ پس زوجہ
بہرکیف شوہر سے اچھی رہتی ہے۔ طلاق کے حق پر جو قیدین لگائی گئی ہین وہ آئندہ تفصیلاً
بیان کیجائینگی۔ مگر اِس مقام پر اتنا عرض کرنا بے محل نہوگا کہ معتزلہ نے اور فرقون نے
اُن شرائط مین اختلاف کیا ہے جن شرائط پر جواز طلاق موقوف ہے۔ بہت بڑا اختلاف
یہ ہے کہ معتزلہ کے نزدیک قاضی کا حکم بہرحال جواز طلاق کے لیے ضرور ہے۔ پس جو طلاق
شوہر یا زوجہ کی جانب سے ہو وہ ناجائز سمجھا جائیگا تاوقتیکہ حاکم شرع اُسکو نہ جائز رکھے
یا حاکم شرع کے سامنے اور اُسکے حکم اور منظوری سے طلاق نہوا ہو اسواسطے کہ معتزلہ کے
نزدیک زن وشوہر کی مرضی اور خواہش پر فسخ نکاح یعنی طلاق کو موقوف رکھنا جملہ اصول
رفاہ عام کے خلاف ہے۔ علاوہ اِسکے معتزلہ نے اور فرقون سے اِس مسئلہ مین بھی اختلاف
کیا ہے کہ وہ کہتے ہین کہ جو طلاق شوہر کی جانب سے ہو اُسکا کوئی سبب معقول ہونا ضرور ہے
صرف شوہر کی تلون مزاجی اُسکا سبب معقول نہین ہوسکتا۔ اور یہ بھی ضرور ہے کہ جب
مصالحہ کی کوئی کوشش کارگر نہو تو حاکم شرع سبب طلاق کو معقول و مناسب کہدے
اِن قیود سے وہ اختیارات طلاق بہت محدود ہوگئے ہین جو بعض فرقون کے نزدیک
شرع مین شوہر و زوجہ کو دیے گئے ہین جبکہ کوئی سبب ایسا ہو کہ رشتہ زوجیت وبال جان ہوجائے
تو فسخ معاہدہ کرلین۔ ہندوستان مین طلاق کا رواج اعلی درجہ کے مسلمانون مین

نہین ہے اور نیچ قومون مین بھی طلاق ایسا شاذ و نادر وقوع مین آتا ہے کہ اُسکا اثر اخلاق عامہ
کچھ نہین محسوس ہوتا۔ اِسکے دو سبب معلوم ہوتے ہین۔ عالی خاندان لوگون مین خاندانی
عزت کا خیال مانع طلاق ہوتا ہے۔ اور غربا و جہلا کو وہ جرمانہ (مہر) جو طلاق مین دینا
پڑتا ہے طلاق سے باز رکھتا ہے۔ دیگر بلاد اسلام مین جہان خاندانی عزت کا ایسا پاس
نہین ہوتا ہے اور مہر کی مقدار بھی ایسی نہین ہوتی جیسی ہندوستان مین ہوتی ہے
مانع طلاق ایک اور مسئلہ شرعی ہوتا ہے جو سُنّی اور شیعہ دونون کا متفق علیہ ہے مگر معتزلہ کے
نزدیک مسلم نہین ہے۔ علماے ہنود کے نزدیک یہ ہے کہ جب کوئی شوہر ایک مرتبہ اپنی
زوجہ کو طلاق دیدے تو پھر کسی حال مین اُس سے دوبارہ عقد نہین کر سکتا۔ سنی اور شیعہ
دونون کے نزدیک مطلقہ سے دوبارہ عقد کرنا جائز ہے مگر اس شرط سے کہ مطلقہ دوسرے
شخص سے نکاح کر کے طلاق لے چکی ہو۔ یہ عجیب و غریب شرط معتزلہ کے نزدیک مسلّم
نہین ہے اور اسکا اثر یہ ہوا ہے کہ ناشائستہ و ناتربیت یافتہ قومین رشک و حسد کی وجہ سے
طلاق کو بلا قید اور بیباکانہ عمل مین لانے سے باز رہتے ہین۔

مقدمہ ۳

بعض اعتبارات سے غلامی کو تعدد ازدواج سے مشابہت دینا بجا ہے۔ تعدد ازدواج
کی طرح غلامی بھی سب قومون مین رائج رہی ہے مگر جب انسان کے خیالات مین ترقی ہوئی
اور عدل و انصاف کا خیال بھی پیدا ہوا تو یہ دونون رسم زائل ہو گئیں۔ غلامی کا دستور
انسان کے وجود کا ہمعصر ہے (یعنے ابتداے خلقت انسان سے یہ دستور چلا آیا ہے) تواریخ
سے اس دستور کے آثار و علامات ہر زمانہ اور ہر قوم مین پائے جاتے ہین جسکا علم ہمکو ہوا ہے۔
اِس دستور کا تخم سوسائٹی یعنے تمدن کی وحشیانہ حالت مین جما اور غلامی اُس زمانہ مین بھی جاری
رہی جبکہ ترقی خیالات اور ترقی تہذیب و شائستگی کی وجہ سے ظاہرا اسکی کوئی ضرورت نہین

باقی رہی۔ یہود اور یونانی اور رومی اور قدیم اہل جرمن انھین قومون کے آئین و قوانین
اس زمانہ کے خیالات اور اس زمانہ کے رسوم و عادات پر زیادہ مؤثر ہوے ہین۔ ان سب
قومون مین دونون قسم کی غلامی مسلّم اور رائج تھی یعنی ایک وہ غلام جنسے کھیت جتواتے تھے
اور ایک وہ غلام جنسے گھر کا کام لیتے تھے۔ عبرانیون میں خیر بنی اسرائیل غلامون اور لونڈیون پر ہمیشہ
بڑی بڑی صعوبتین گذرتی تھین۔ اُنسے کھیت جتوائے جاتے تھے یا گھر کا کام لیا جاتا تھا
اور بہت ذلیل و حقیر سمجھے جاتے تھے اور اُنکی بیرحم اور ناخداترس مالک ہمیشہ اُنسے مشقت
شاقہ لیتے تھے۔ اخیر زمانہ مین جو قانون رومیون مین جاری ہوا اُسنے سزاے موت اور
سنگین سزاؤن کا اختیار جو آئین الواح دوازدگانہ نے مالکون کو بخشا تھا اُنسے لیا مگر جو مجموعہ
قوانین پادشاہ۔ جسطنین قیصر کے عہد مین تالیف ہوا تھا اُسمین غلامی کو ایک قانون
منجملہ قوانین قدرت قرار دیدیا اور غلامون کی قیمت اُن پیشون کے موافق مقرر کی جو پیشے کرانا
اُنسے منظور رہتا تھا۔ قبل شیوع اسلام مشرکین عرب کا دستور تھا کہ اسیران جنگ کو غلام بنا ڈالتے
یا قتل کر ڈالتے تھے۔ احکام قرآنی کے روسے اسیران جنگ کو قتل کرنا حرام ہوگیا اور یہ حکم ہوا کہ
جبتک دیت یعنی خون بہا نہ دین اُسوقت تک غلامی کی حالت مین رہین۔ فی الواقع قرآن
مجید مین صرف ایک قسم کی غلامی کی اجازت دیگئی ہے یعنی اُن لوگون کی غلامی جو جہاد شرعی
مین گرفتار کیے جائین۔ قرآن مجید مین ہر جگہ غلامون کو یہ لکھا ہے کہ اَو مَا مَلَکَتْ اَیمَانُکُم یعنی
وہ لوگ جنپر تمھارے دہنے ہاتھ قابض ہوون۔ حضرت امام جعفر صادق ؑ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلعم نے
بردہ فروش کو خارج از انسانیت فرمایا ہے اور بندہ گری اور بردہ فروشی دونون کی ممانعت
قطعی فرمائی ہے۔ اور عتق رقبات یعنی بردہ آزاد کرنے کو بڑا کار ثواب فرمایا ہے۔ اور مسلمانون کو
غلام بنانے کو حرام مطلق گردانا ہے۔ اور مالکون کو ممانعت فرمائی ہے کہ منصفانہ اور مناسب
مقدار سے زیادہ کام غلامون سے نہ لیا کرین اور اسیران جنگ کو جب لونڈی غلام بنالین
تو اُنکو اسطرح کپڑا پہنائین اور کھانا کھلائین اور مکان مین رکھین کہ گویا وہ اُنکے دوست

آشنا اور مہمان ہین اور اُنکے حیثیت موجودہ کا خیال نہ کرین — اس سبب سے یہ حکم فرمایا ہے
کہ ماں بیٹے سے اور بھائی بھائی سے اور شوہر زوجہ سے اور عزیز عزیز سے ہرگز نہ جدا کیا
جائے "" احکام قرآنی کے رو سے لونڈی غلام رکھنا اس شرط سے مشروط ہے کہ اُس جہاد مین
گرفتار کیے گئے ہون جو دفاعی ہو یعنی جو حفاظت نفس کے لیے مشرکین سے کیا گیا ہو اور غلامون کی جان
کی حفاظت کیجائے - غیر مہذب و ناشائستہ قومون کو قوت لاہوت پہ وقت میسر آتا ہے لہذا
اسیران جنگ کی جان بخشی وہ اس غرض سے کردیتے ہین کہ اُنکی محنت و مشقت سے خود منتفع ہون
شارع اسلام نے غلامی کی رسم کو مشرکین عرب مین موجود دیکھکر اُنکی تعداد کو بہت کم کردیا اور
ساتھی اسکے ایسے قواعد مقرر کردیے کہ اگر مسلمانون کی نیت مین فساد آجاتا تو غلامی کا رسم اُسی
زمانہ مین موقوف ہوجاتا جبکہ وہ لڑائیان موقوف ہوگئین جنمین مسلمان مبتلا ہوگئے تھے —

شارع اسلامؐ نے انسان کے اعضا کو قطع یا پامال کرنے کی رسم کو بھی حرام مطلق کردیا حالانکہ یہ رسم
قبیح سلطنت ایران اور سلطنت روم دونون مین جاری تھا - لونڈی غلام کو خریدنا پہلے چار
خلیفون کے عہد خلافت مین جنکو اہل سنت خلفاے راشدین کہتے ہین کہین نہ پایا جاتا تھا
کوئی معتبر کتاب ایسی نہین ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ خلفاے راشدین کے عہد مین لونڈی
لونڈی غلام خریدا گیا تھا — مگر غاصبین خلافت یعنی خلفاے بنی امیہ نے جب اپنا قدم تخت
مسند خلافت پر رکھا بس اُسی وقت سے اسلام کا رنگ بدل گیا - معاویہ پہلا وہ خلیفہ ہے
جسنے مسلمانون مین لونڈی غلام خریدنے کا رسم جاری کیا - اور پہلے اُسی نے بادشاہان روم کی
تقلید کرکے محلات مین خواجہ سراؤن کو مقرر کیا - اوائل عہد خلفاے عباسیہ مین حضرت امام
جعفر صادق نے غلامی کی مذمت مجالس و محافل مین فرمائی — اور معتزلہ اور باطنیہ نے اُنکے قول کو
قبول کیا - قرمطی جو نوین صدی عیسوی مین پیدا ہوا تھا (سنہ ۲۹۹ع — سنہ ۳۲۱ھ) اور جسکو اُس گروہ نے
جو اپنے تئین فرقہ حقہ کہتا ہے حق یا ناحق بدنام کردیا ہے فرقہ باطنیہ سے تھا اور اُسکا یہ قول تھا کہ
مثل مذاہب قدیم کے دین اسلام کی بھی دو پہلو ہین ظاہر شریعت اور باطن شریعت —

فوطلوس نے غلامی کی اسقدر مذمت کی کہ اکثر اہل اسلام نے اُس بیچارے کو ملعون بنا دیا —
شرع شریف مین جو کتاب تالیف کیجائے اُسکا مقدمہ ناتمام رہیگا تاوقتیکہ اُن عیوب شرعی کا
مختصر ذکر نہ کیا جائے جو بعض اشخاص کو بعض حقوق حاصل کرنے سے مانع ہین — یہ عیوب
شرعی فی نفسہ ملکی ہین یعنی مصالح ملکی پر مبنی ہین — اختلاف مذہب جسکو اہل اسلام کی اصطلاح
مین کفر کہتے ہین ابتدا مین مراد سلطنت اسلامیہ سے عداوت قطعی تھی اور ارتداد
ایک جرم سلطنت کا سمجھا جاتا تھا — لہذا سُنی اور شیعہ دونون نے بالاتفاق غیر مسلم اور مرتد
دونون کو مسلمان عزیزون کے ترکے سے اسوجہ سے محجوب کردیا ہے کہ مخالفین و منافقین گروہ
اہل اسلام مین نہ داخل ہونے پائین — ایکٹ ۲۱ — ۱۸۵۰ع نے اُن موانع ارث کو دفع
کر دیا ہے جو از روی شرع محمدی مرتد کو یعنی اُس شخص کو جسنے دین اسلام ترک کر دیا ہو ترکہ پانے سے
مانع تھے — مگر یہ ایکٹ مرتدین سے متعلق ہے کفار فطری سے متعلق نہین ہے جنکو اہل اسلام نے
محجوب الارث قرار دیا ہے — جب کبھی سلطنتون مین باہم موافقت نہو تو ایک سلطنت کا
رعایا ہونا اور دوسرے کی رعایا نہونا بھی اہل سنت کے نزدیک موانع شرعیات مین سے ہے گو
شیعون نے اس مسئلہ مین اُنسے اختلاف کیا ہے — غلامی او قتل انسان بھی آدمی کو حقوق
دنیوی کو عمل مین لانے سے مانع ہوتے ہین فقط —

پہلا باب

سُنّی اور شیعہ کے قانون وراثت وجانشینی کے بیان میں

قبل اسکے کہ سُنّی اور شیعہ کے قانونِ وراثت وجانشینی کے اختلافات بیان کیے جائیں ان اصول میں فریقین نے اتفاق کیا ہے اُنکو بیان کرنا ضرور ہے —

واضح ہو کہ سُنّی اور شیعہ دونوں میں قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ قانون وراثت انتقال بلا وصیت فرض کر لینے پر مبنی ہے — ہر مسلمان کو اپنے حین حیات اپنی جائداد پر اختیار کلی حاصل ہے خواہ وہ جائداد موروثی ہو خواہ مکسوبہ خواہ منقولہ ہو خواہ غیر منقولہ اُسکا جو جی چاہے اپنی جائداد کو کر سکتا ہے — مگر جو انتقال وہ اپنی جائداد کا کرے وہ انتقال جائز و مؤثر جبھی ہوگا کہ جب اُسکا نفاذ مالک کے حین حیات ہو جائے — مثلاً اگر ہبہ کیا جائے تو جائداد موہوبہ واہب کی زندگی میں موہوب لہٗ کو دیدی جائے اور واہب اپنے تمام حقوق ملکیت سے جو اُس جائداد میں وہ رکھتا ہے دست بردار ہو کر موہوب لہٗ کا قبضہ اُسپر کرا دے اگر ہبہ کا نفاذ واہب کی وفات پر موقوف رکھا جائے تو ہبہ ناجائز ہو جائیگا — یہی حال اُس جائداد کا بھی ہے جو مذہبی یا خیراتی مقاصد کے لیے وقف کیجائے — کسی نیک کام کے لیے جائداد کو وقف کرنا جبھی جائز و معتبر ہوگا جب کہ حقوق مالکانہ اُس سے سلب کر لیے جائیں — وصایا کے باب میں موصی کا اختیار ثلث جائداد پر محدود ہے بشرطیکہ وصیت اُس شخص کے حق میں نہ کیجائے جو ترکہ میں حصہ پانے کا مستحق ہو — مثلاً مالک اپنی جائداد کے ایک ثلث کو بذریعہ وصیت غیر شخص کو دے سکتا ہے لیکن اگر ایک ثلث سے زیادہ کی نسبت یا کسی اور وارث شرعی کے باب میں وصیت کرے تو ایسی وصیت ناجائز ہوگی —

مسلمانوں کے اختیارات وصیت میں یہ قید جو لگا دیگئی ہے جسکی مثال بعض قوانین یورپ میں بھی موجود ہے تو اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جہانتک ایک جز کثیر مال اور اسباب متوفی کا متعلق ہے وہانتک تقسیم جائداد اسطرح ہوتی ہے کہ گویا اُسنے بلا وصیت انتقال کیا ہے

لہذا مسلمانون مین انتقال بلا وصیت ایک عام اصول ہے اور چونکہ تقریباً ہر صورت مین ایک سے زیادہ وارث متوفی کی جائداد مین حصہ پانے کے مستحق ہوتے ہین لہذا یہ یاد رکھنا ضرور ہے کہ سُنّی اور شیعہ مین کن کن باتون مین اتفاق اور کن امور مین اختلاف ہے —

جو امور فریقین مین متفق علیہ ہین اُنکی نسبت عرض کیا جاتا ہے کہ سُنّی اور شیعہ اُس اصول پر متفق ہین جس اصول سے وہ اشخاص جو متوفی کی جائداد مین حصہ پانے کے مستحق ہین اُن اشخاص سے تمیز ہو سکتے ہین جو کوئی حق نہین رکھتے — مثلاً کوئی مسلمان اپنے مرنے کے بعد ایک بڑا بھاری گروہ اعزا و اقربا کا چھوڑ جائے — تو اس صورت مین اگر کوئی محدود و معین قاعدہ نہوتا تو وارث اور غیر وارث مین فرق و امتیاز کرنا بہت دشوار ہو جاتا پس اس وقت کو رفع کرنے کے لیے اور اقربا مستحق و محجوب مین بآسانی فرق و امتیاز کرنے کی غرض سے فریقین نے بالاتفاق یہ قاعدہ کلیہ قرار دیا ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے مرنے کے بعد عزیز چھوڑ جائے جنمین سے ایک عزیز دوسرے عزیز کے ذریعہ سے متوفی کا قرابت دار ہو تو عزیز بالواسطہ درصورت موجود ہونے عزیز بلا واسطہ کے محجوب الارث ہوگا — مثلاً اگر کوئی مسلمان اپنے مرنے کے بعد ایک بیٹا اور ایک پوتا چھوڑ جاے تو پوتا اپنے دادا کا وارث نہوگا تاوقتیکہ اُسکا باپ زندہ ہے — ایک اور قاعدہ بھی متوفی کے ورثہ شرعی کو دریافت کرنے کا بنایا گیا ہے جسکو فریقین نے کسیقدر ترمیم کرکے اختیار کیا ہے — مثلاً اقربا ذکور پدری مین سُنّی اعزا سے قریب کو قرابت داران بعید پر ترجیح دیتے ہین مگر شیعہ قرابت قریبہ و بعیدہ کا قاعدہ سب صورتون مین بلا امتیاز ذکور و اناث جاری کرتے ہین پس اگر کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد ایک بھتیجا اور ایک بھتیجے کا بیٹا اور ایک نواسا چھوڑ جائے تو سنیون مین چونکہ بھتیجا اقربا ذکور پدری مین سے ہے اور بھتیجے کے بیٹے کی بہ نسبت قرابت مین متوفی سے قریب تر ہے لہذا وہ بترجیح دیگر اقربا ورثہ پائیگا مگر شیعون مین چونکہ نواسا نسباً قریب تر ہے لہذا دیگر اقربا کو محجوب الارث کر دیگا — پس معلوم ہوا کہ حق وراثت اُن اقربا کا جو کسی شخص کی

وفات کے بعد زندہ رہین باختلاف حالات مختلف ہوتا ہے۔ بعض اقربا اصول مصرحہ بالا کے موجب بالکل محجوب الارث ہوجاتے ہین اور بعض اعزا کے سہام شرعیہ اس وجہ سے کم ہو جاتے ہین کہ بعض اور عزیز موجود ہوتے ہین خواہ وہ شریک وراثت ہون خواہ نہون۔ مگر سنّی اور شیعہ دونون مین ایک قسم کے ورثہ ایسے ہین جو کبھی محجوب الارث نہین ہوتے گو انکے حصص شرعیہ مین کیسا ہی اختلاف ہو۔ اس قسم کے ورثہ مین مان اور باپ اور بیٹے اور شوہر و زوجہ داخل ہین۔ سنّی اور شیعہ دونون کے نزدیک قائم مقامی کا اصول مسلّم نہین ہے۔ اور گو اسمٰعیلیہ اور علماء امعتزلہ نے بھی اس مسئلہ مین فریقین سے اختلاف کیا ہے مگر انکے مسائل محدود طور سے کہین نہین بیان کیے گئے ہین۔ مثلاً زید کے دو بیٹے تھے انمین سے ایک بیٹا اپنی اولاد چھوڑکر زید کی زندگی مین مرگیا تو یہ اولاد زید کی وفات کے بعد اُسکے جانشین اور قائم مقام نہونگے بلکہ اُنکا چچا اُنکو محجوب الارث کر دیگا۔۔۔

یہانتک تو فریقین مین اتفاق ہے مگر تقسیم ورثہ کے باب مین دونون مین اختلاف عظیم ہے۔

سنّی تین قسم کے ورثہ قرار دیتے ہین

(۱) ذوی الفروض یعنی وہ ورثہ جنکے حصص کی تصریح قرآن مجید مین موجود ہے۔

(۲) عصبات یعنی اقربائے پدری۔

(۳) ذوی الارحام

ذوی الفروض کے باب مین سنّی اور شیعہ مین کچھ اختلاف نہین ہے۔

مگر شیعہ ورثہ کو عصبات اور ذوی الارحام مین بلا دلیل منقسم کرنے پر سخت اعتراض کرتے ہین اور ان دونون قسم کے ورثہ مین کچھ فرق نہین سمجھتے۔

وہ شیعہ سب ورثہ کو ایک قسم کا قرار دیکر متوفی سے قربت اور بُعدِ قرابت کے اعتبار سے انکو مستحق وراثت سمجھتے ہین جیسا آئندہ بیان کیا جائیگا۔

مگر سنّیون نے ذوی الارحام کو سب کے بعد رکھا ہے یعنی جب ذوی الفروض اور عصبات نہین ہوتے تب ذوی الارحام کو حصہ ملتا ہے۔ پہلے ذوی الفروض اپنے سہام شرعیہ سے

لے لیتے ہین تب باقی عصبات مین تقسیم کیا جاتا ہے۔ اگر ذوی الفروض اور عصبات دونون موجود نہون تو جائداد متوفی ذوی الارحام پر تقسیم کردی جاتی ہے۔

ذوی الفروض کی تعداد بارہ ہے۔ انکے حصے باختلاف حالات مختلف ہوتے ہین اور انمین سے بعض اُن اصول کی وجہ سے جنکا ذکر سابق مین کیا گیا محجوب الارث بھی ہو جاتے ہین۔ اُنمین سے چار مرد اور آٹھ عورتین ہین۔ چار مرد یہ ہین (۱) باپ (۲) دادا یا اجداد مین سے کوئی شخص (جب محجوب الارث نہو) (۳) برادر اخیافی یعنی وہ بھائی جسکی ایک مان اور دو باپ ہون (۴) شوہر۔ علما نے باپ کی تین حیثیتین قرار دی ہین۔ (۱) خالی سہم یا حصہ دار کی حیثیت جب متوفی کی اولاد ذکور مین سے کوئی موجود ہو۔ (۲) خالی عصبہ کی حیثیت جب اُسکے ساتھ کوئی شخص ذوی الفروض مین سے بھی موجود ہو۔ مثلاً شوہر یا مان یا دادی۔ اِس صورت مین جائداد متوفی مین سے ایک حصہ یا کئی حصے دیکر باقی باپ کو دیا جاتا ہے۔ (۳) ذوی الفروض اور عصبہ دونون کی حیثیت جب باپ کے ساتھ کوئی بیٹی یا بیٹیان موجود ہون۔ اِس صورت مین اُسکو اپنا خاص حصہ ملتا ہے اور بیٹی یا بیٹیون کے حصہ دینے کے بعد جو کچھ بچ رہے وہ بھی اُسکو ملتا ہے۔ آخر الذکر دو صورتون مین آسانی کی غرض سے اُسکو یہ کہہ سکتے ہین کہ صرف بطور عصبہ کی پاتا ہے۔

(۱) باپ کا حصہ بیٹے یا پوتے یا اور کسی اولاد ذکور کے ساتھ جیسے پر پوتا سر پوتا وغیرہ ⅙ یعنی ایک سدس ہے۔

(۲) جد حقیقی[۱] یا اجداد مین سے کوئی شخص (جو محجوب الارث نہو) اُسکا حصہ ⅙ یعنی ایک سُدس ہے۔

(۳) برادر اخیافی (جب اکیلا ہو اور کوئی اولاد یا اولاد کی اولاد یا باپ یا جد حقیقی نہو) اُسکا حصہ ⅙ یعنی ایک سدس ہے۔

جب دو یا اس سے زیادہ برادران اخیافی ہون اور کوئی اولاد یا اولاد کی اولاد یا باپ یا دادا نہو تو اُنکا حصہ ⅓ یعنی ایک ثلث ہے۔

---

[۱] اجداد حقیقی اہل سنت کی اصطلاح مین اُون اجداد کو کہتے ہین جنکے سلسلہ قرابت متوفی مین کوئی عورت داخل نہو مثلاً دادا جد حقیقی ہے نانا جد حقیقی نہین ہے۔ ۱۲ منہ

(۴) شوہر کا حصہ (جب کوئی اولاد یا اولاد کی اولاد ہو چاہے کیسی ہی بعید درجہ کی ہو) ¼ یعنی ایک ربع۔

〃 〃 (جب انمیں سے کوئی نہو تو) .... ½ یعنی ایک نصف

(۵) زوجہ کا حصہ (جب کوئی اولاد یا اولاد کی اولاد نہو چاہے وہ کیسی ہی بعید درجہ کی ہو) ¼ یعنی ایک ربع۔

〃 〃 (جب انمیں سے کوئی ہو) .... ⅛ یعنی ایک ثمن

(۶) دختر کا حصہ (جب اکیلی ہو اور کوئی پسر نہو جو اسکو عصبہ بناوے) ½ یعنی ایک نصف

〃 〃 (دو یا زائد دختر ہوں کا حصہ جب کوئی پسر نہو۔) ⅔ یعنی دو ثلث

(۷) پوتی یا پر وتی یا سر وتی وغیرہ کا حصہ جب وہ اکیلی ہو اور کوئی اولاد یا بیٹی کی اولاد نہو تو ½ یعنی نصف

〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 . رجب دو یا زائد ہوں اور کوئی اولاد یا پوتا نہو تو ⅔ یعنی دو ثلث

〃 جب ایک بیٹی ہو اور کوئی بیٹا یا پوتا نہو تو (⅔ - ½) = ⅙ یعنی ایک سدس

(۸) ماں کا حصہ (جب کوئی اولاد یا اولاد کی اولاد ہو چاہے وہ کیسی ہی بعید درجہ کی ہو یا دو یا کئی بھائی یا بہنیں علاتی یا اخیافی ہوں تو) ...... ⅙ یعنی ایک سدس

〃 〃 (جب انمیں سے کوئی نہو تو) .... ⅓ یعنی ایک ثلث

لکن باپ کے ساتھ ⅓ باقی ماندہ جائداد کا بعد وضع کرنے حصہ شوہر و زوجہ کے اور دادا کے ساتھ ⅓ کل جائداد کا پائیگی ــــ

(۹) جدۂ حقیقی کا حصہ (چاہے کیسی ہی بعید درجہ کی ہو اگر محجوب الارث نہو تو) ⅙ یعنی ایک سدس۔

(۱۰) بہن کا حصہ (جب اکیلی ہو اور کوئی اولاد یا اولاد کی اولاد نہو چاہے وہ کیسی ہی بعید درجہ کی ہو اور باپ اور جد حقیقی اور دختر اور پسر دختر نہو تو) ½ یعنی ایک نصف ــــ

〃 〃 〃 جب دو یا زیادہ بہنیں ہوں اور کوئی ایسا حاجب نہو تو ⅔ یعنی دو ثلث ــــ

(۱۱) خواہر علاتی کا حصہ (جب اکیلی ہو اور کوئی حاجب جو حاجب مذکورہ میں سے ہے یا خواہر عینی نہو تو) ½ یعنی ایک نصف

〃 〃 〃 رجب دو یا زیادہ علاتی بہنیں ہوں اور کوئی ایسا حاجب نہو تو) ⅔ یعنی دو ثلث

ــــــ

سلہ یعنی جدہ پدری یا دادی ۱۲ ــ سلہ یعنی وہ بہن جسکی دو مائیں اور ایک باپ ہو ۱۲ ــ

(۱۲) خواہر اخیافی مانند برادر اخیافی کے حصہ پاتی ہے۔

پس ذوی الفروض ہین جنکے حصص قرآن مجید مین بالتصریح لکھے ہین اور جنکے باب مین سُنّی اور شیعہ مین بہت کم اختلاف ہے۔ اِس باب کے آخر مین ایک نقشہ یا فہرست لکھی ہے اُس سے اچھی طرح معلوم ہو جائیگا کہ اِس مسئلہ مین فریقین مین موارد اختلاف کیا ہین یعنی کن کن باتون مین اختلاف ہے۔ اِس مقام پر ہم اُس طریقہ کو بیان کرتے ہین جس طریقہ سے حنفیہ نے ورثہ کی تقسیم کی ہے اور بعد ازآن سُنیون اور شیعون کی تقسیم مین فرق بیان کرینگے۔

جیسا سابق مین بیان کیا گیا ہے اہل سنت کے تین قسم یا تین طبقہ کے ورثہ کے قائل ہین یعنی ذوی الفروض۔ عصبات۔ ذوی الارحام۔ ذوی الفروض کا ذکر ہو چکا ہے۔

عصبات تین طبقون پر منقسم ہین۔ (۱) عصبات بنفسہ یعنی اپنے ذاتی حق سے۔ (۲) عصبات بغیرہ دوسرے شخص کے حق سے۔ (۳) عصبات مع غیرہ دوسرے شخص کے ساتھ۔

پہلے طبقہ مین وہ سب اشخاص داخل ہین جنکے سلسلہ قرابت متوفی مین کوئی عورت نہ داخل ہو۔ (اسواسطے کہ اگر کوئی عورت داخل ہو جائے تو مرد عصبہ نہ باقی رہیگا۔ مثلاً برادر اخیافی یعنی ماں کا بیٹا عصبہ نہین ہے بلکہ ذوی الفروض مین داخل ہے) ۔ انکو عصبات بنفسہ کہتے ہین۔

عصبات بنفسہ کی چار قسمین ہین

(۱) متوفی کی اولاد

(۲) اُسکے اجداد

(۳) اُسکے باپ کی اولاد یعنی بھائی اور بھائیون کی اولاد۔

(۴) اُسکے جد پدری (دادا) کی اولاد چاہیے کیسی ہی بعید درجہ کا دادا ہو۔

یہ بیان کرنا ضرور ہے کہ عصبات بنفسہ کی وراثت مین یہ شرط ہے کہ جب ایک ہی درجہ کے اقربا ہون تو قرابت داران عینی کو ترجیح دیجاتی ہے۔ مثلاً جب متوفی کا فقط ایک برادر عینی اور

---

[1] درالمختار صفحہ ۸۶۴ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ

اور ایک برادر علاتی ہو تو اگرچہ بنسبا دونوں برابر ہین مگر چونکہ برادر عینی بہ نسبت برادر علاتی کے قریب تر ہے
لہذا برادر عینی کو ترجیح دیجائیگی ۔ علی ہذالقیاس خواہر عینی جو ایک ماں باپ سے ہو (جب اُسکے ساتھ کوئی
بیٹی بھی موجود ہو) برادر علاتی پر ترجیح رکھتی ہے اور برادر عینی کا بیٹا برادر علاتی کے بیٹے پر ترجیح رکھتا ہے[1]
صاحب درالمختار نے اِس حدیث پیغمبر سے کہ وہ تحقیق کہ وہ اولاد جو ایک ماں باپ سے ہو اس اولاد سے
پیشتر ورثہ پائیگی جو ایک باپ سے ہو ۔ یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جب اقربا نسبًا برابر ہون تو قرابت قریبہ کا لحاظ کیا جائیگا

عصبات بغیرہ وہ اناث ہین جو صرف اسوقت عصبات ہو جاتے ہین
جب اُنکے ساتھ کچھ ذکور بھی موجود ہون یعنی جب اُنکے ساتھ ایک ہی درجہ کے ذکو ہون یا جو
درجہ قرابت مین بعید ہون مگر ایک ہی درجہ کے ذکور کے طور پر حصہ پائین ۔

ایسے عصبات چار ہین

(۱) بیٹیان (بیٹون کے ساتھ)
(۲) پوتیان (پوتے یا پروتے یا سرپوتے وغیرہ کے ساتھ)
(۳) خواہر عینی (اپنے برادر عینی کے ساتھ)
(۴) خواہر علاتی جو ایک باپ سے ہو (اپنے بھائی کے ساتھ)

مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر اقربا ذکور بعض حالات مین عصبات ہو جاتی ہین تو اس سے نہین
لازم آتا کہ سب صورتون مین انکی بہنین بھی اُنکے ساتھ عصبات ہو جائین ۔
عورت عصبہ صرف اُسوقت ہو جاتی ہے کہ جب وہ ذوی الفروض مین سے ہوتی ہے
اور جب اُسکے ساتھ کوئی عصبہ ذکور مین سے بھی موجود ہوتا ہے ۔ مثلاً اگر کوئی مسلمان اپنے
مرنے کے بعد ایک زوجہ اور ایک چچا اور ایک پھوپھی چھوڑ جائے خواہ وہ پھوپھی اُسکے
باپ کی خواہر عینی ہو خواہ خواہر علاتی چونکہ وہ ذوی الفروض مین سے نہین ہے لہذا وہ اپنے
بھتیجے کے متروکہ مین شرعًا حصہ پانے کی مستحق نہین ہے اور زوجہ کا حصہ دے کر کل جائداد متوفی کی

[1] درالمختار صفحہ ۸۶۴ و ۱۲۸۶۵ ۔ منہ

چچا یعنی پھوپھی کے بھائی کو ملیگی۔

عصبات مع غیرہ وہ عورتین ہین جو اسوقت عصبات ہوجاتی ہین جب اُنکے ساتھ اور عورتین بھی موجود ہوتی ہین۔ (۱) بہنین بیٹیون یا پوتیون کے ساتھ۔

جب کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد چند اقربا چھوڑ جائے جو اقسام مذکورہ بالا مین سے کسی قسم کے عصبات ہوسکتے ہون تو متوفی سے قرابت قریبہ کو ترجیح دیجائیگی یعنی عصبہ مع غیرہ جب عصبہ بنفسہ کی بنسبت متوفی سے قرابت قریبہ رکھتا ہو تو ترجیح اُسی کو (عصبہ مع غیرہ کو) دیجائیگی۔

مثلاً جب کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد ایک دختر اور ایک خواہر عینی اور پسر برادر علاتی چھوڑ جائے تو نصف متروکہ اُس دختر کو دیا جائیگا اور نصف خواہر کو جو دختر کے ساتھ عصبہ ہے اور بہ نسبت پسر برادر علاتی کے متوفی سے قریب تر ہے۔ علی ہذا القیاس جب بھتیجی کے ساتھ ایک چچا بھی ہو تو چچا کا کوئی حق متروکہ مین نہین ہے۔ اسی طرح سے جب پھوپھی بھتیجی کے ایک برادر علاتی ہو تو وہ برادر علاتی کچھ نہ پائیگا۔

ذوی الارحام

جب ذوی الفروض اور عصبات نہون تو ذوی الارحام اپنے قسم اور اپنے اپنے حقوق کے موافق متوفی کا ترکہ پاتے ہین۔

بعض مولفین نے یہ گمان کیا ہے کہ شوہر یا ازواج بھی ذوی الارحام کو محجوب الارث کردیتے ہین۔ یہ غلط ہے۔ ذوی الارحام جب شوہر یا زوجہ کے ساتھ جمع ہون تو ہمیشہ مورث کی جائداد مین حصہ پائینگے۔

ذوی الارحام کی چار قسمین ہین

(۱) بیٹیون کی اولاد یا بیٹے کی بیٹیان یعنے پوتیان۔

۱؎ سراجیہ صفحہ ۱۹ - ۱ درّ المختار صفحہ ۸۶۵ - ۱۲ منہ ۲؎ شاما چرن کی لکچر شرع محمدی پر جلد ۱ صفحہ ۱۳۵ - ۱۲ منہ

۳؎ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۶۲۹ - ۱۲ منہ ۴؎ شاما چرن کی لکچر شرع محمدی پر جلد ۱ صفحہ ۱۳۹ - منہ

(۲) جدّ مادری اور جدہ مادری یعنی نانا اور نانی۔

(۳) برادران عینی اور برادران علاتی کی بیٹیاں اور برادران اخیافی کی اولاد اور بہنوں کی اولاد۔

(۴) باپ کے برادران و خواہران اخیافی اور انکی اولاد۔ متوفی کی پھوپھیان اور انکی اولاد۔ اسکے ماموں اور خالائیں اور انکی اولاد۔ عینی اور علاتی چچاؤنکی بیٹیاں۔

ذوی الارحام اپنے اقسام کے موافق علی الترتیب ترکہ پائینگے یعنی پہلے قسم کے ذوی الارحام دوسرے اور تیسرے اور چوتھے قسم پر مقدم رہینگے وقس علی ہذا۔

مختلف اقسام کے ذوی الارحام متوفی کی قرابت کے اعتبار سے ترکہ پائینگے۔ اگر ذوی الارحام درجۂ قرابت اور سمت قرابت مین برابر ہون تو وارث شرعی کی اولاد کو ترجیح دیجائیگی۔ لیکن اگر سمت قرابت مین فرق ہو تو باپ کی طرف کے اقربا ماں کی جانب کے اعزاء کے حصہ کا دو چند حصہ پائینگے۔ اقربائے بعید مین جو اقرب ہو گا وہ اوروں پر ترجیح رکھکر ترکہ پانے کا مستحق ہو گا۔ یعنی مثلاً نواسی بیٹی کی پوتی یعنی پروتی پر مقدم ہو کر حصہ پائیگی۔

اگر ذوی الارحام درجۂ قرابت مین برابر ہون یعنی سب متوفی سے دوسرے یا تیسرے یا چوتھے درجہ کی قرابت رکھتی ہون تو وارث شرعی کی اولاد قرابت دار بعید کی اولاد پر ترجیح رکھیگی۔ یعنی ذوی الفروض اور عصبات کی اولاد ذوی الارحام کی اولاد پر ترجیح رکھتی ہے۔ مثلاً بیٹے کی نواسی بیٹی کی نواسی پر ترجیح رکھتی ہے۔ اگر ذوی الارحام درجہ اور سمت قرابت دونون مین برابر ہون تو وارث شرعی کی اولاد ترجیح رکھیگی خواہ وہ وارث ذوی الفروض مین سے ہو خواہ عصبات مین سے لکن اگر سمت قرابت مین تفاوت ہو تو باپ کی طرف کا قرابت دار دونے اور ماں کی طرف کا قرابت دار ایک پائیگا۔ لکن اگر وہ درجہ قرابت مین برابر ہون اور انمین کسی وارث شرعی کی اولاد نہو یا اگر وہ سب بواسطہ کسی وارث شرعی کی قرابت رکھتے ہون تو امام محمد (جنکے مقلد ہندوستان کے سنی ہین) کا قول یہ ہے کہ سہام شرعیہ موافق تعداد

ـــــــ
سلہ درالمختار صفحہ ۸۷ — ۱۳ منہ سلہ درالمختار صفحہ ۸۷ — ۱۳ منہ سلہ فتاوای عالمگیری صفحہ ۲۶۷ منہ سلہ درالمختار صفحہ ۸۷ — ۱۳ منہ

اور تذکیر و تانیث اُن اشخاص کے مقرر کیے جائینگے جو متروکہ کی تقسیم ہونے کے وقت موجود ہوں بشرطیکہ وہ اشخاص جنکے واسطہ سے دعویداران میراث متوفی سے قرابت رکھتے ہیں ایک ہی نوع سے ہوں یعنی ذکور ہوں یا اُناث یا جیسا کہ فقہا کی اصطلاح میں کہا جاتا ہے کہ "وہ بطنیکہ اصول متحد النوع ہوں" (یہانتک تو امام ابو یوسف امام محمد سے متفق ہیں)

لکن اگر "اصول مختلف النوع ہوں" یعنی اگر وہ اشخاص جنکے واسطہ سے دعویداران میراث متوفی سے قرابت رکھتے ہیں مختلف النوع یعنی ذکور و اُناث دونوں ہوں تو امام محمد کے قول کے موافق جنکی تقلید اس مسئلہ میں ہندوستان کے اہل سنت کرتے ہیں سہام شرعیہ دعویدارونکے تعداد اور نوع کے موافق نہیں مقرر ہوتی بلکہ "اصول" کی تعداد اور نوع کے موافق مقرر ہوتی ہیں ــ امام ابو یوسف کے قاعدہ کے موافق جو زیادہ تر آسان اور معقول ہے اور جسکی پابندی تمام مغربی ایشیا میں کیجاتی ہے جس صورت میں دعویدار درجہ قرابت میں برابر ہوں اور انمیں کسی وارث شرعی کی اولاد نہو تو جائداد کی تقسیم بلحاظ تعداد اور نوع دعویدارون کے کیجاتی ہے ــ

علاوہ ورثہ مصرحۂ بالا کے سنیون کے نزدیک حق وراثت بوجہ ولا بھی معتبر ہے[1] ــ ولا حنفیہ کے نزدیک دو قسم کی ہے ــ ولاء العتق یعنی حق وراثت جو آزاد کرنے سے حاصل ہوتا ہے ــ اور ولاء الموالات یعنی حق وراثت جو ولایت سے حاصل ہوتا ہے ــ

شیعون کے نزدیک تین قسم کی ولا معتبر ہے جنمیں سے دو قسمیں اُن اقسام کے مشابہ ہیں جو سنیون کے نزدیک مسلم ہیں ــ مگر فریقین میں اس مسئلہ میں اتنا اختلاف ہے کہ شیعہ آزاد کنندہ کے حق وراثت کو اسوقت تک ملتوی رکھتے ہیں جبتک سب اقربائے نسبی ختم ہوجائیں اور سنی آزاد کنندہ کے حق وراثت کو ذوی الارحام کی وراثت پر ترجیح دیتے ہیں ــ

---

[1] سراجیہ صفحہ ۴۳ سے ۱۳۱ تک اور بیلی صاحب کی شرح محمدی صفحہ ۷۰۶ اور فتاوائے عالمگیری صفحہ ۶۳۸ ــ اور حاشیہ متعلقہ باب ہذا ملاحظہ ہو ــ ۱۲ منہ
[2] ہدایہ میں لکھا ہے کہ "ولا کے لغوی معنی دوستی

مثلاً اگر کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کردے اور وہ غلام اپنے مرنے کے بعد ذوی الارحام کی قسم سے کچھ ورثہ چھوڑ جائے تو سنیون کے نزدیک آزاد کنندہ ذوی الارحام کو محجوب الارث کردیگا۔ چنانچہ ہدایہ مین لکھا ہے کہ ۹۹ ولاء العتق سے عصوبت پیدا ہوتی ہے یعنی جب کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کرے تو وہ ایسے غلام کا عصبہ ہوجاتا ہے اور اُسکی توریث کا مستحق بترجیح اُسکے ماموں اور پھوپھی اور دیگر ذوی الارحام کے ہوتا ہے ۹۹ پس سنیون مین آزاد کنندہ کو عصبہ بسبب الخاص کہتے ہین۔ جب عاتق یعنے آزاد کنندہ موجود نہو تو اُسکے عصبات ذکور عتیق متوفی کے وارث ہوتے ہین عصبات اُناث وارث نہین ہوتے۔ مگر اناث جب اُسکے وارث ہوتے ہین کہ جب خود انھون نے اُس غلام کو آزاد کیا ہو۔ اگر عتیق متوفی نے کوئی وارث ذوی الفروض مین سے یا عصبہ النسبی نہ چھوڑا ہو تو اُسکی کل جائداد عصبہ بالولا کو ملیگی یعنی آزاد کنندہ کو یا اُسکے عصبات ذکور کو۔ اور اُسکے ذوی الارحام بالکل محجوب الارث رہینگے۔ اگر اُسنے کوئی وارث ذوی الفروض مین سے چھوڑا ہو تو عصبہ بالولا کو کچھ نہ ملیگا۔

شیعون کے نزدیک ارثِ بالولا اُن صورتون سے مخصوص ہے جنمین مالک نے غلام کو برضا ورغبت خود یا بہ نیت ثواب آزاد کیا ہو مگر حنفیہ کے نزدیک یہ خصوصیت معتبر نہین ہے۔ مثلاً شرائفیہ مین جسکو بابو شاما چرن سرکار نے اپنے لکچر مین سند گردانا ہے لکھا ہے کہ ۹۹ عاتق عتیق کا وارث عموماً ہوتا ہے خواہ اُسنے خدا کی راہ مین خواہ شیطان کی راہ مین غلام آزاد کیا ہو یا اس شرط سے آزاد کیا ہو کہ وہ عاتق کے اختیار مین رہیگا یا اس شرط سے کہ اُسکی ولا کو نہ لیگا

اور ادا کے ہین مگر اصطلاح فقہا مین اِس سے وہ اعانت مراد ہے جو سبب توریث ہوتی ہے ۹۹ فی الواقع ولا سے مراد وہ خاص اور مصنوعی قرابت ہے جو ایسی حالت مین جیسے عرب کی تمدنی حالت تھی اُسوقت پیدا ہوجاتی تھی جبکہ آقا اپنے غلام کو آزاد کرتا تھا یا جب ایک شخص دوسرے شخص کا موکل بنتا تھا۔ اِن دونون صورتون مین فریقین پر ایک دوسرے کی اعانت کرنا فرض تھا اور ایک صورت مین آقا اور دوسری صورت مین ولی آزاد کردہ غلام یا موکل کی دیت یعنے خونبہا کا ذمہ دار رہتا تھا ۱۲ منہ

یا اس شرط سے کہ وہ کوئی جائداد دیگا یا نہ دیگا یا بطور مکاتب کے یا اور اسباب سے ما ما پس خواہ عتق امور بد خواہ امور نیک کے لیے عمل مین آیا ہو اور خواہ آزادی آزاد کردہ کے ہاتھ بیچ ڈالی ہو خواہ بلا قیمت بخشندی ہو بہرکیف عاتق ہمیشہ عتیق کی توریث کا مستحق ہوگا جس صورت مین کہ عتیق اپنے مرنے کے بعد عصبات نسبی نہ چھوڑ گیا ہو۔ اگر آزاد کرنے کے وقت حق الولا بالتصریح بخشدیا گیا ہو تو بھی یہ امر عاتق کے حق وراثت مین مخل نہ ہوگا۔

مالکیہ کا یہ قول ہے کہ جب کسی برے کام کے لیے غلام آزاد کیا جائے یا جب آزاد کنندہ اپنے حق الولا سے دست بردار ہو جائے، تو وہ عتیق متوفی کی توریث کا مستحق نہین ہے۔

عتیق یعنے آزاد کردہ غلام یا کنیز کسی حال مین عاتق یعنی آزاد کنندہ کی توریث کا مستحق نہین ہے مگر عاتق اور اُسکے عصبات ذکور کی توریث عتیق مین اہل سنت نے ترتیب وراثت مین کچھ تغیر و تبدل کر دیا ہے۔ مثلاً عام مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد ایک بیٹا اور باپ چھوڑ جائے تو باپ کو اُسکا ایک سہم شرعی یعنی ایک سدس ملیگا اور باقی بیٹے کو ملیگا لکن اگر کوئی غلام عتیق اپنے مرنے کے بعد کوئی عصبہ نسبی نہ چھوڑے بلکہ صرف اپنے عاتق کے باپ اور بیٹے کو چھوڑ جائے تو عاتق کا بیٹا عتیق متوفی[1] کی کل جائداد پائیگا اور عاتق کے باپ کو کچھ نہ ملیگا۔ یہی جب بھی ہوگا کہ جب عاتق کے بیٹے کے ساتھ اُسکا دادا بھی موجود ہو۔ عام اصول یہ ہے کہ عصبات بسبب الخاص کے توریث مین عصبۂ قریب کل جائداد بہ ترجیح عصبۂ بعید پاتا ہے۔ پس سُنیون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی عتیق اپنے مرنے کے بعد ایک زوجہ اور ایک نواسا اور اپنے عاتق کا بیٹا چھوڑ جائے تو زوجہ اپنا سہم شرعی پائیگی اور باقی عاتق کے بیٹے کو بطور عصبہ بسبب الخاص ملیگا اور عتیق مذکور کا نواسا بالکل محروم رہیگا۔

مگر حق اُن اشخاص کا جو ولاء الموالات کی وجہ سے مستحق توریث ہون اُسوقت تک ملتوی رکھا جائیگا جبتک اور سب ورثہ ختم ہو جائین۔ پس ولاء الموالات سے ذوی الارحام محجوب الارث

[1] ہدایہ کتاب ۴۳ — ۱۲ — سنہ

نہین ہوجاتے جیسا ولا ءالعتق مین ہوتا ہے۔ شافعیہ اس قسم کی ولا کو ایک قسم کا فریب بیت المال سے سمجھکر ناجائز اور حرام جانتے ہین۔

یہانتک تو وہ طریقہ تقسیم اور وہ اصول وراثت جو اہل سنت مین جاری ہین بیان کیے گئے جس سے ناظرین کو یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ سنیون کے قواعد میراث نہایت پیچیدہ ہین۔ مگر بخلاف اسکے شیعون کا قانون میراث نہایت ہی آسان ہے اور اسمین کوئی بحث عصبات اور ذوی الارحام کے حقوق مین نہین کرنی پڑتی۔ شیعہ اور سنی کے قانون میراث مین بہت بڑا اختلاف مسئلہ تعصیب مین ہے۔ شیعہ تعصیب کے بالکل منکر ہین اور انکے نزدیک اقرباے پدری جنکو فقہ حنفی مین عصبات حقیقی کہتے ہین کوئی خاص حق نہین رکھتے ہین نہ اقرباے مادری پر کچھ ترجیح رکھتے ہین۔ جو طریقہ تقسیم ورثہ کا سنیون نے اختیار کیا ہے اسکو شیعہ انسان کی طبیعی مروت کے سراسر خلاف جانتے ہین۔

مثلاً شیعہ اسکو بالکل خلاف انصاف سمجھتے ہین کہ بیٹی کی اولاد بھائی کی اولاد کے سامنے صرف اسوجہ رکیک سے محجوب الارث کردیجاے کہ بھائی کی اولاد متوفی کے اقرباے پدری مین سے ہے۔ شیعون کے نزدیک اسباب توریث دو ہین۔ (۱) نسب یعنی خون کا شریک ہونا۔ (۲) سبب۔ نسب سے صرف مشارکت خون مراد ہے۔ پس تمام اقرباے نسبی متوفی کے اسکے ترکہ مین حصہ پانے کے مستحق ہین الا اسکے وہ قواعد مانع توریث ہون جنکا ذکر آیندہ کیا جائیگا۔

اقرباے نسبی یعنی وہ لوگ جو مشارکت خون کی وجہ سے متوفی کے وارث قرار دیے گئے ہین تین طبقون پر منقسم ہین اور ہر طبقہ کے دو دو جزو ہین۔ مثلاً۔

(الف) طبقۂ اولی کے ورثہ مین جو ازروی نسب مستحق توریث ہین یہ لوگ داخل ہین۔

(۱) آباے علوی پہلے درجہ کے یعنی والدین۔ (۲) اولاد سفلی یعنی اولاد اور اولاد کی اولاد اِنہین تمام اولاد احفاد متوفی کی داخل ہے۔

(ب) طبقۂ ثانیہ مین یہ لوگ داخل ہین۔ (۱) سب درجون کے آبائے علوی یعنی اجداد جیسے دادا پردادا وغیرہ (۲) بھائی اور بہنین اور انکی اولاد۔

(ج) طبقۂ ثالثہ مین۔ (۱) چچا اور پھوپھیان (۲) ماموں اور خالائین اور انکی اولاد داخل ہے۔ اگر طبقۂ اولی کا ایک وارث بھی موجود ہو تو وہ طبقۂ ثانیہ اور طبقۂ ثالثہ کے ورثہ کو بالکل محجوب الارث کردیگا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر طبقۂ ثانیہ کے ورثہ کے ساتھ طبقۂ ثالثہ کے ورثہ موجود ہون تو طبقہ ثالثہ والون کو کچھ نہ ملیگا۔ مگر ہر طبقہ کے دونون جزون کے ورثہ یکجا وارث ہوتے ہین۔ مثلاً والدین متوفی کی اولاد کے ساتھ اسکی متروکہ مین حصہ پاتے ہین اور دادا دادی بھائی بہنون کے ساتھ پاتے ہین اور ماموں اور خالائین چچا اور پھوپھیون کے ساتھ پاتے ہین ۔۔۔ اولاد اور اولاد کی اولاد بھائی بہنون اور انکی اولاد کو محجوب الارث کردیتی ہے۔ مگر وہ اجداد یعنی دادا پردادا وغیرہ کے ساتھ حصہ پاتے ہین۔

اگر کوئی سُنّی مسلمان اپنے مرنے کے بعد ایک نواسی اور ایک بھتیجا چھوڑ جائے تو بھتیجا بطور عصبہ کے اسکی کل جائداد پائیگا اور نواسی کو ایک حبہ نہ ملیگا۔

مگر شیعون مین متوفی کی نواسی چونکہ اسکی اولاد کی اولاد ہے لہذا کُل جائداد کی وارث ہوگی اور بھتیجے کو کچھ نہ ملیگا۔

اگر کوئی سُنّی اپنے مرنے کے بعد ایک بیٹی اور ایک بھائی چھوڑ جاے تو بیٹی کو اسکا سہم شرعی ملیگا اور باقی بھائی کو بطور عصبہ کے دیا جائیگا۔ مگر شیعون مین بیٹی کو کل جائداد ملیگی یعنی نصف جائداد اُسکا سہم شرعی ہوگا اور نصف مسئلہ ردّ کے رو سے اُسکو ملیگا۔

حق وراثت جو کسی سببِ خاص پر مبنی ہو دو قسمون پر منقسم ہے

(۱) وراثت بسبب زوجیت۔

(۲) وراثت بسبب ولا یا قرابت مخصوصہ۔

حق وراثت بسبب زوجیت جملہ حالات مین شخص خاص سے متعلق ہوتا ہے۔

اِسی وجہ سے شوہر یا زوجہ کبھی محجوب الارث نہین ہوتے - اگر متوفی ایک زوجہ اور ایک اولاد چھوڑ جائے تو زوجہ کو اسکا سہم شرعی ملیگا اور باقی اولاد کو دیدا ملیگا - اِسی طرح سے جب زوجہ کے ساتھ متوفی کے والدین یا جدین یا بھائی اور بہنین موجود ہون تو زوجہ کا سہم شرعی دیدیا جائیگا بعد اُسکے جائداد اُن ورثہ پر تقسیم ہوگی جو از روی نسب مستحق وراثت ہین -

(۳) میراث بالولا کی ایک خاص صورت شیعون مین پیدا ہوگئی ہے اور اُسکی وجہ یہ ہے کہ ابتدا مین شیعہ ہمیشہ ایک محکومی کی حالت مین رہے -

یہ حق تین قسم پر منقسم کیا گیا ہے

(۱) میراث ولی العتق یعنی غلام آزاد کرنے والے کا حق وراثت -

(۲) ولاء ضامن الجریرہ یعنی حق وراثت جو متوفی کے ضمانتون پر مبنی ہو -

(۳) ولاء الامام یعنی حق وراثت جو امام زمان کو اِسوجہ سے حاصل ہے کہ وہ ہادی و رہنمای خلق ہے -

قسم اول یعنی ولاء العتق کی ٹھیک ٹھیک نظیر سنیون مین موجود ہے مگر جو حق اِس سے پیدا ہوتا ہے اُسکو فریقین مختلف قسم کا سمجھے ہین - مثلاً سنیون کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی غلام اپنی آزادی کو خرید لے تو اِس سے اُسکے آزاد کنندہ کی حق وراثت مین کچھ خلل نہ واقع ہوگا اور اگر وہ غلام بعد آزاد ہونے کے مر جائے اور کوئی عصبہ نسبی اپنا نہ چھوڑے تو آزاد کنندہ کو اُسکی کل جائداد ملیگی اور اُس آزاد کردہ غلام کے ذوی الارحام کو کچھ نہ ملیگا - مگر شیعون کے نزدیک عاتق عتیق کا وارث صرف چند شرائط معینہ سے ہوتا ہے یعنی - (۱) جب عتق عاتق نے برضا و رغبت خود اور بلا اکراہ و اجبار کیا ہو - مگر جب دیت لیکر غلام کو آزاد کیا ہو یا جب کوئی نذر ادا کرنے کے لیے اُسکو آزاد کیا ہو یا خوشنودی خدا کے واسطے آزاد کیا ہو یا جب اُسکو حکم شرع سے آزاد کیا ہو تو اِن سب صورتون مین عاتق کوئی حق وراثت نہین رکھتا ہے -

(۲) عاتق عتیق کا وارث صرف اُسوقت ہوسکتا ہے کہ جب عتیق کے اقربا ے نسبی مین سے کوئی موجود نہو

(۳) جب آزاد کرنے کے بعد مالک آزاد کردہ غلام کی ضمانتون کا ذمہ دار رہے تب بھی اُسکا وارث ہوگا۔ اگر عاتق کی ذمہ داری حکم شرع سے یا کسی خاص معاہدہ کے روسے جو آزاد کرنے کے وقت ہوگیا ہو جاتی رہے ہو تو عاتق کا کوئی حق عتیق کی جائداد مین نہ باقی رہیگا جبکہ عتیق کے اقربائے نسبی موجود ہون ۔

ولاء ضامن الجریرہ بعض اعتبارات سے حنفیہ کے ولاء الموالات سے مشابہ ہے اور شیعہ کے نزدیک تو ایسا کوئی حق ہی نہین ہے ۔ مسئلہ ولاء ضامن الجریرہ کی اصل حقیقت از روے تواریخ دیکھی جائے تو بخوبی معلوم ہوجائیگا کہ زمانۂ سابق مین مسلمانون کے اطوار و تمدنی حالات کی کیا کیفیت تھی ۔ بعض حالات تمدن مین یہ دستور ہوتا ہے کہ جب کوئی مسافر کسی غیر شہر مین وارد ہوتا ہے تو اُسکو اپنے چال چلن کی ضمانت دینی پڑتی ہے ۔ چنانچہ قرن اوسط یعنی زمانۂ جاہلیت مین یورپ کے شہرون مین بھی یہ دستور جاری تھا اور اسمین کچھ شک نہین ہے کہ ایسا ہی کوئی دستور ممالک ایشیا مین بھی جاری تھا جس سے مسئلہ ولاء ضامن الجریرہ پیدا ہوا ہے یعنی حق وراثت جو ضمانت پر مبنی ہو یہ دستور خلفائے عباسیہ کے عہد خلافت مین بخوبی معین و مشخص ہوگیا تھا کہ جو مسافر ملک خراسان سے شہر بغداد مین وارد ہوتے تھے اُنسے خلفاے مذکورین نیک چال چلن کی ضمانت ضرور لے لیتے تھے ۔ اور جو لوگ اُنکی ضمانت کرتے تھے وہ حاکم وقت سے اُس جرم کے ذمہ دار اور جواب دہ رہتے تھے جو اُنسے صادر ہوتا تھا اور اُسکے معاوضہ مین اُن مسافرون کے وارث قرار پاتے تھے اگر وہ لاوارث مرجاتے تھے ۔ مگر یہ حق باہمی نہ تھا نہ ایک سے دوسرے کو اور دوسرے سے تیسرے کو ملنے کے قابل تھا ۔

جب ولی العتق اور ضامن الجریرہ نہ موجود ہون تو شیعون مین امام زمان مستحق وراثت

ﻫ مامون الرشید کے عہد خلافت مین حضرت امام موسی رضا سب شیعون کے ضامن ہوتے تھے اسی وجہ سے اُنکو امام ضامن کہتے ہین ۔ اور اسی زمانہ سے یہ دستور ہوگیا ہے کہ جو شخص اپنے وطن سے جاتا ہے یا کوئی دور دراز سفر کا عزم کرتا ہے اُسکے بازو پر امام ضامن کا روپیہ وغیرہ باندھ کر امام ضامن علیہ السلام کے سپرد کر دیتے ہین ۔ ۔ ۔ ذمہ

ہوتا ہے کیونکہ شیعون کے نزدیک بیت المال کوئی چیز نہیں ہے جسمین لاوارث کی جائداد ضبط ہو کر داخل کیجائے۔ امام زمان کا حق وراثت اُس قسم کا نہین ہے کہ کہا جائے کہ لاوارث کی جائداد ضبط ہو کر حاکم وقت کو دیدیگئی ہے۔ بلکہ وہ جائداد اُسکو اس حیثیت سے دیجاتی ہے کہ وہ شیعون کے نزدیک خلیفہ رسولؐ اور امام زمان ہے اور اُس جائداد کو وہ اُس مقام کے غربا و مساکین پر تقسیم کر دیتا ہے جہان وہ لاوارث شخص سکونت رکھتا تھا یا جہان وہ پیدا ہوا تھا

غیبت امام کی زمانہ مین جیسا یہ زمانہ ہے کہ شیعون کے اعتقاد مین بارھوین امام قدرت خدا سے کوہ قدکے قریب غائب ہو گئے ہین لاوارث کی جائداد نائب امام یعنی مجتہد العصر کو ملیگی جو حاکم شرع ہوتا ہے اور وہ اُسکو اُس مقام کے غربا و مساکین پر تقسیم کر دیگا جہان اُس لاوارث کی بود و باش تھی یا اُسکی وصیت کے موافق اُس جائداد کو کسی کار خیر یا کسی مذہبی کام مین لائیگا۔

پس حق امام زمان حق حاکم وقت نہین ہے بلکہ حق خلیفہ رسولؐ و پیشوائے خلق ہے لہذا معمولی حد سماعت اُسمین عارض ہو سکتی ہے۔ ہندوستان مین جب کوئی شیعہ بالکل لاوارث مرجاتا ہے یعنی طبقہ ہائے مذکورہ بالا مین سے کسی طبقہ کا وارث اُسکا نہین پایا جاتا تو اُسکی جائداد اُسکے مولد و مسکن کے قریب تر شہر کے مجتہد کو بحیثیت نائب امام ملتی ہے۔ لیکن فرض کیجیے کہ لاوارث کی وفات سے بارہ سال کی میعاد کے اندر کسی نے اُسکے حق کا دعویٰ نہین کیا یا اُسکی پیروی نہین کی تو اس صورت مین قانون حد سماعت جو اور اشخاص کے دعاوی سے متعلق ہے وہی اُس سے بھی متعلق کیا جائیگا۔

اِس مسئلہ مین ایران کے ایک مجتہد کا فتویٰ جو جامع الشتات مین لکھا ہے بیان کرنے کے قابل ہے۔

سوال۔ جو شخص غیبت امام مین لاوارث مرجائے اُسکا مال کیا کیا جائے۔ آیا وہ مال اُس مقام کے غربا و مساکین پر تقسیم کر دیا جائے جہان وہ پیدا ہوا تھا یا جہان اُسنے وفات کی تھی یا جہان وہ مال واقع ہے۔ یا وہ مال عموماً غربا کو دیدیا جائے یا خاص کامون مین صرف کیا جائے یا تاظہور امام محفوظ رکھا جائے۔ اگر وہ غربا کو دیدیا جائے تو ایک شخص کو

دیدیا جاوے درآن حالیکہ اور غربا بھی موجود ہون یا بہت سے اشخاص پر تقسیم کردیا جائے۔ اور آیا وہ مال بعینہ غربا کو دیدیا جائے یا اُسکو فروخت کرکے اُسکی قیمت تقسیم کردیجائے۔

جواب ۹۹ لاوارث کا مال بیت المال مین نہین جائیگا ــــ وہ امام زمانؑ کا مال ہے خواہ وہ غائب ہون خواہ ظاہر۔ اگر متوفی کا کوئی بھی وارث موجود ہوحتّٰی کہ ضامن الجریرہ تو امام اُسکا وارث نہوگا۔ اگر امام غائب ہو تو متوفی کا مال اُسکے وطن کے غربا و مساکین پر تقسیم کردیا جائے اگر مجتہد کے نزدیک مناسب ہو تو اُسکو فروخت کرنا جائز ہے علی الخصوص جب وہ غربا کے کام کا نہو۔ جب بہت سے غربا ہون تو ایک کو دینا مکروہ ہے گو شرعًا حرام نہین ہے ایسی صورتون مین تقسیم حاکم کے حکم کے موافق ہونی چاہیئے کہ وہ نائب امام ہے۔ کفایہ مین یہی لکھا ہے۔ جواب مذکور مین حاکم کے لفظ سے ظاہر ہے کہ لاوارث کی جائداد کے انتظام مین مجتہد قاضی کا کام کرتا ہے۔ اُن ممالک شیعہ مین جہان کسی غیر قوم کی حکومت نہین ہے مجتہد یا حاکم شرع کو اکثر قاضی کے اختیارات بھی دیدیے جاتے ہین۔ جہان یہ ہوتا ہے وہان شیعون کی شرع کے اصول کو جاری کرنا کچھ مشکل نہین ہوتا۔ مگر ہندوستان مین ایک غیر مسلم قوم کی حکومت ہے پس یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس شخص کی ہدایت سے لاوارث کا مال شیعون کی شرع کے موافق تقسیم کیا جائے۔ ہمارے نزدیک اس سوال کا جواب اُس فتوے مین موجود ہے جو جامع الشتات سے نقل کیا گیا ہے ــــ عدالت دیوانی وہ حاکم بنجائیگی جسکا ذکر اس فتوے مین ہے اور اُس جائداد کو لیکر مجتہد کو (اگر کوئی ہو) حوالہ کردیگی یا عدالت مذکورہ کے خاص اختیار اور نگرانی مین لاوارث کے وطن کے غربا و مساکین پر تقسیم کردیجائیگی تاکہ اسمین کچھ بھی شبہ نہ باقی رہے کہ وہ جائداد اسی خاص کام مین صرف کی گئی ــــ اگر کوئی مجتہد موجود ہو تو کوئی شیعہ عہدہ دار گورنمنٹ مقرر کردیا جائے کہ اُس جائداد کو تقسیم کردے۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ شرع کا منشاء یہ نہین ہے کہ اُس جائداد کا محاصل صرف بطور خیرات کے تقسیم کردیا جائے۔ شرع کا منشاء صرف غربا و مساکین کی نفع رسانی ہے۔

پس اگر یہ مقصد کسی مدرسہ وغیرہ کے قائم کرنے سے بر آئے جس سے غربا کو ایک مستقل فائدہ پہونچے تو یہ بھی جائز ہے —

شیعون کے نزدیک ورثہ چاہے کسی طبقۂ اقربا، نسبی سے ہون باعتبار اُس حق کے جس سے وہ متوفی کی جائداد مین حصہ پانے کے مستحق ہوتے ہین تین قسم پر منقسم ہین —

(۱) وہ ورثہ جنکا حق وراثت بموجب سہام شرعیہ کے سبب سے حاصل ہوتا ہے جو انکو کلام اللہ مین دیے گئے ہین — اسی وجہ سے اُنکو ذوفرض کہتے ہین —

(۲) وہ ورثہ جو بعض اوقات بطور ذوفرض کے اور بعض اوقات اُس قرابت کی وجہ سے جو وہ متوفی کے ساتھ رکھتے ہین ترکہ پاتے ہین —

(۳) وہ ورثہ[۵۴] جو صرف قرابت کی وجہ سے مستحق توریث ہوتے ہین لہذا اُنکو ذوالقرابت اور اُنکے حصون کو سہام القرابت کہتے ہین —

ورثہ ذوفرض جو سہام شرعیہ کے مستحق ہین یہ ہین

(۱) بیٹے یا بیٹیان جب متوفی کا باپ موجود نہو اور متوفی کا برادر عینی یا برادران عینی —

(۲) عینی بہن یا بہنین یا علاتی بہن یا بہنین جب دادا اور بھائی یا اُس طبقہ کے بھائی جس طبقہ کے وہ خود ہون موجود نہون —

(۳) باپ جب متوفی کی ایک یا کئی اولاد موجود ہون —

(۴) مان —

(۵) شوہر یا زوجہ

سلہ ۵۱ مثلاً اقربائے نسبی مین سے مان وہ وارث ہے جو اپنا سہم شرعی پاتی ہے اور درصورت نہونے دیگر ورثہ کے باقی جائداد بھی پاتی ہے — شوہر اور زوجہ بھی اس قسم کے وارث ہین اور بجز شاذ و نادر صورتون کے اپنے سہام شرعیہ ہمیشہ موافق نص قرانی پاتے ہین — ۱۲ منہ سلہ ۵۲ مثلاً باپ اور بیٹے یا بیٹیان اور ایک یا کئی عینی بہنین اور اخیافی بھائی اور بہنین — ۱۲ منہ

(۷) اخیافی بھائی یا بہنیں جنکے ایک ماں اور کئی باپ ہون —

جب ایک ہی وارث ہو خواہ وہ ذو فرض ہو خواہ ذو قرابت خواہ خاص قرابت سببی کی وجہ سے مستحق وراثت ہو تو کل ترکہ اسی کو ملیگا — جب وارث ذو فرض ہو تو مرد ہو یا عورت اپنا سہم شرعی پائیگا بعد اُسکے مابقی اُسکو رڈا ملیگا — جب وارث ذو قرابت ہو تو قرابت نسبی کی وجہ سے کُل ترکہ اُسکو ملیگا اور جب قرابت کسی سبب سے پیدا ہوئی ہو تب بھی ایسا ہی ہوگا — مثلاً اکلوتی بیٹی کو اسکا سہم شرعی یعنی نصف ملیگا اور باقی ماندہ بھی اُسکو رڈا ملیگا —

اکلوتا بیٹا حق قرابت کی وجہ سے کل ترکہ پائیگا کیونکہ شرع مین کوئی خاص حصہ اُسکو نہین دیا گیا ہے — جب متوفی عورت ہو اور کوئی عزیز نہ چھوڑ جائے سوائے شوہر کے جو سبب زوجیت سے اُسکی توریث کا مستحق ہے تو شوہر کل ترکہ پائیگا — پہلے اپنا خاص حصہ اور پھر مابقی رڈا — جب دو یا زیادہ ورثہ ذو فرض نہون بلکہ ورثہ قرابتی یا سببی ہون تو وہ اپنے اپنے حقوق کے موافق ترکہ پائینگے — مثلاً جب دو بیٹے ہون تو وہ جائداد کو نصف نصف تقسیم کر لینگے — جب ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو بیٹے کو دو ثلث اور بیٹی کو ایک ثلث ملیگا —

جب متعدد ورثہ ہون اور بعض اُنمین سے اقربائے پدری اور بعض اقربائے مادری ہون تو ہر ایک وارث اُس شخص کا حصہ پائیگا جسکے واسطہ سے وہ متوفی کا قرابت دار ہے —

مثلاً جب چچا اور پھوپھیان اور ماموں اور خالائین دونون موجود ہون تو اقربائے پدری دو ثلث اور اقربائے مادری ایک ثلث پائینگے — جب ذوی الارحام خود مختلف اقسام کے ہون تو ہر قسم کے ذوی الارحام کو اُنکی نوع یا حقوق شخصی کے موافق حصہ ملیگا — مثلاً اگر متوفی کئی چچا اور پھوپھیان چھوڑ گیا ہو تو دو ثلث اُن سب کو بالمجموع ملیگا — مگر وہ دو ثلث اُنپر اُس نسبت سے تقسیم کیا جائیگا جو دو کو ایک سے ہے تاکہ ذکور کو اناث کا دوچند حصہ ملے —

ورثۂ نسبی کی اولاد اگر محجوب الارث نہو گئی ہو تو اپنے والدین متوفی یا محجوب کے قائم مقام ہوکر اُنکا حصہ پائیگی — مثلاً کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد بیٹے کی اولاد اور بیٹی کی اولاد چھوڑ جائے

تو بیٹے کی اولاد دو ثلث لیکر اپنے حصون کے موافق تقسیم کریگی اور بیٹی کی اولاد ایک ثلث
یعنی اپنی مان کا حصہ لیکر اسی طرح تقسیم کریگی — جب دو یا زیادہ ورثہ ہون اور انمین سے بعض
ذو فرض اور بعض ذو قرابت ہون تو ذو فرض اپنا اپنا حصہ لے لینگے تب باقی ذو قرابت پر
تقسیم کردیا جائیگا — جب چند اقرباے کامل القرابت[1] اور چند ناقص القرابت[2] ہون تو
اقرباے مادری ایک ثلث لیکر بلا لحاظ نوع یعنی ذکور و اناث باہم برابر تقسیم کر لینگے (اگر ایک ہی
قرابت دار مادری ہو تو ایک سدس کل پائیگا خواہ مرد ہو خواہ عورت) اور باقی اقرباے
کامل القرابت مین بتعداد رءوس تقسیم کیا جائیگا اور اقرباے پدری بالکل محجوب الارث رہینگے —
مثلاً اگر متوفی نے چند برادران و خواہران عینی اور چند برادران و خواہران علاتی یا اخیافی
چھوڑے ہین تو برادران و خواہران اخیافی ایک ثلث لیکر بلا امتیاز تذکیر و تانیث باہم برابر تقسیم
کر لینگے — اگر صرف ایک ہی برادر اخیافی یا ایک ہی خواہر اخیافی ہو تو اسکو ایک سدس ملیگا — اور باقی
برادران و خواہران عینی پر دو اور ایک کی نسبت سے تقسیم کیا جائیگا اور برادران علاتی محجوب الارث
رہینگے — اقرباے پدری بھی ترکہ پاتے ہین جبکہ اقرباے کامل القرابت موجود نہین ہوتے —
مثلاً اگر کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد ایک برادر علاتی اور ایک خواہر عینی چھوڑ جاے تو
خواہر عینی برادر علاتی کو بالکل محجوب الارث کردیگی — یہ قاعدہ سب صورتون جاری ہوگا —
شوہر اور زوجہ کبھی محجوب الارث نہین ہوتے گو زوجہ کو کبھی رد نہین ملتا مگر شوہر کو رد ملتا ہے —
جب ورثہ ذکور و اناث ایک ہی درجہ قرابت کے اور ایک ہی طبقہ کی قرابت نسبی ہین سب برابر
ہون تو بیٹے کو دو چند بیٹی کا ملیگا — یعنی بیٹا بیٹی کا دو چند اور پوتا پوتی کا دو چند پائیگا وقس
علی ہذا — مگر اقرباے مادری اس قاعدہ کلیہ سے مستثنی ہین — یعنی برادران و خواہران اخیافی
ایک ثلث جو انکو ملیگا اسکو بلا امتیاز ذکور و اناث برابر آپسمین تقسیم کر لینگے —
جب چند اقرباے پدری اور چند اقرباے مادری ہون اور دونون قسم کے اقربا درجہ قرابت

---

[1] یعنی ماں باپ دونوں کی طرف سے ۱۲ — [2] یعنے صرف مان یا فقط باپ کی جانب سے ۱۲ —

اور طبقہ وراثت مین برابر ہون تو دونون قسم کے اقربا اپنے اپنے حصّے لیکر باقی کو باہم رسدی تقسیم کر لینگے۔ مثلاً اگر متوفی نے ایک خواہر علاتی اور ایک خواہر اخیافی چھوڑی ہے تو دونون بہنین اپنا اپنا حصّہ پائینگی یعنی ایک نصف اور ایک سُدس اور باقی ایک ثلث ایکا انکی تین کی نسبت سے اُنپر تقسیم کر دیا جائیگا۔

جہانتک سہام شرعیہ متعلق ہین چھ حصّے ہین۔ یعنی نصف ½ ۔ ربع ¼ ۔ ثمن ⅛ ۔ ثلث ⅓ ۔ دو ثلث ⅔ ۔ اور ایک سدس ⅙ ۔

نصف ½ ورثہ ذیل کو ملتا ہے۔

(۱) (الف) شوہر کو جب اولاد نہو۔

(ب) خواہر عینی کو جب اور ورثہ نہ ہون۔

(ج) دختر کو جب ایک ہی ہو

(۲) ربع ¼ ورثہ ذیل کو ملتا ہے۔

(الف) شوہر کو جب اولاد ہو۔

(ب) زوجہ کو جب کوئی اولاد نہو۔

(۳) ثمن ⅛ زوجہ یا ازواج کو ملتا ہے جب اولاد یا اولاد کی اولاد ہو جا ہے یہ سلسلہ جہانتک چلا جائے۔

(۴) ثلث ⅓ ورثہ ذیل کو ملتا ہے۔

(الف) برادران و خواہران اخیافی کو جب دو یا زیادہ ہون۔

(ب) مان کو جب متوفّی نے کوئی اولاد نہ چھوڑی ہو یا دو یا زیادہ[1] بھائی یا ایک بھائی اور دو بہنین نہ چھوڑی ہون۔

---

[1] اگر اولاد ہو یا دو یا زیادہ بھائی یا ایک بھائی کی بہنین ہون تو مان کا حصّہ ⅙ رہجاتا ہے گو بھائیون اور بہنون کو کچھ نہین ملتا۔

(۵) دو ثلث ترکے ورثہ ذیل کو ملتی ہیں —

(الف) دو یا زیادہ بیٹیون کو جب کوئی بیٹا یا بیٹے نہون —

(ب) دو یا زیادہ عینی بہنون کو جب برادران عینی یا برادران علاتی نہون —

(۶) ایک سدس ورثہ ذیل کو ملتا ہے —

(الف) باپ اور مان کو جب متوفی کی اولاد صلبی موجود ہو —

(ب) مان کو جب دو یا زیادہ برادران عینی یا ایک اور عینی اور کئی خواہران عینی موجود ہون دیا ایک برادر علاتی اور کئی خواہران علاتی موجود ہون اور خود باپ بھی زندہ ہو

(ج) ایک بھی اولاد کو جو ایک ہی مان سے ہو خواہ وہ اولاد ذکور ہو خواہ اناث یعنی ایک برادر اخیافی یا ایک خواہر اخیافی ہو —

میراث اُلانساب یعنی توریث اقربائے نسبی کی

۱ — وہ ورثہ جو نسب کی وجہ سے مستحق وراثت ہیں اور جنکا ذکر سابق مین ہو چکا ہے تین طبقون پر منقسم ہیں —

۲ — طبقہ اولی کے ورثہ مین متوفی کی اولاد حقیقی اور اولاد صلبی اصل ہے —

۳ — جب باپ اکیلا ہوتا ہے تو سارا ترکہ اُسی کو ملتا ہے —

۴ — جب مان اکیلی ہوتی ہے تو سارا ترکہ پاتی ہے — یعنی ایک ثلث اپنا سہم شرعی اور باقی ردًا —
(سنیون کا قول بھی یہی ہے)

۵ — جب باپ اور مان دونون موجود ہون تو مان کو ایک ثلث اور باقی ماندہ باپ کو ملیگا —
(سنیون کے نزدیک بھی یہی ہے)

۶ — جب متوفی کے مرنے کے بعد باپ اور مان اور دو بھائی ہون تو مان کو ایک سدس اور باپ کو باقی ملیگا اور بھائیون کو کچھ نہ ملیگا —

ا اس نقطہ مین اولاد کی اولاد اور اُسکی اولاد بھی داخل سمجھنی چاہیے ۲ یا ایک بھائی اور دو بہنین یا چار بہنین ۳ منہ

(سنیون کے مذہب مین بھی یہی ہے)

٧ ـ جب ماں اور باپ کے ساتھ اولاد بھی موجود ہو تو ایک سدس ماں کو اور ایک سدس باپ کو ملیگا ـ

(یہی سنیون کے مذہب مین بھی ہے)

٨ ـــ جب ایک بیٹا ہو تو وہ کل ترکہ پائیگا ـ اگر کئی بیٹے ہوں تو وہ ترکہ کو آپسمین برابر تقسیم کر لینگے ـ

(یہی سنیون کے مذہب مین بھی ہے)

[سنیون کے مذہب مین ترجیح اولاد اکبر کا اصول کسقدر معتبر ہے اور انکا یہ قول ہے کہ سب سے بڑا بیٹا اپنے پدر متوفیٰ کی تلوار اور قرآن الحلباسِ فاخرہ اور اور لباس پانے کا مستحق ہے ـ اسکو انکی اصطلاح مین حبوہ کہتے ہین]

٩ ـــ جب ایک ہی بیٹی ہو تو وہ کل ترکہ پائیگی ـ نصف سہم شرعی کے طور پر اور نصف ردًا ـ جب دو یا زیادہ بیٹیاں ہوں تو انمین متروکہ برابر تقسیم ہوگا یعنی دو دو ثلث بطور سہم شرعی اور ایک ایک ثلث ردًا ـ

(سنیون کے مذہب مین کل متروکہ انکو جبھی ملیگا کہ جب اور ورثہ نہ ہوں)

١٠ ـــ جب والدین یا انمین سے ایک اولاد کے ساتھ جمع ہو تو ہر ایک کو والدین مین سے ایک سدس ملیگا ـ اور باقی برابر تقسیم ہوگا بشرطیکہ وہ سب ذکور ہوں لکن اگر انمین ایک یا کئی اناث ہوں تو ہر مرد کو عورت کا دوچند ملیگا ـ

(یہی سنیون کے مذہب مین بھی ہے)

١١ ـ جب متوفیٰ کا شوہر یا زوجہ اسکے والدین اور اولاد کے ساتھ جمع ہو تو شوہر یا زوجہ کا حصہ کم ہو کر ١/٤ اور ١/٨ رہجائیگا اور والدین کو انکا پورا حصہ ملیگا اور باقی اولاد پائیگی ـ

(یہی سنیون کے مذہب مین بھی ہے)

١٢ ـ جب والدین کے ساتھ ایک بیٹی موجود ہو تو ہر ایک کو والدین مین سے ایک سدس ملیگا اور بیٹی کو ایک نصف ملیگا اور باقی انمین رسدی تقسیم کیا جائیگا یعنی والدین کو ٢/٥ اور بیٹی کو ٣/٥ ملیگا ـ

(سنیون کے مذہب مین مابقی کل باپ ہی کو ملیگا)

۱۳ ۔ جب والدین کے ساتھ ایک دختر یا برادران عینی متوفیٰ کے جمع ہون تو ہر ایک کو والدین مین سے ایک سدس اور بیٹی کو ایک نصف ملیگا اور مابقی متوفی کے باپ اور بیٹی کے درمیان ایک اور تین کے نسبت سے تقسیم ہو جائیگا ۔

(سنیون کے مذہب مین مابقی کل باپ ہی کو ملیگا)

۱۴ ۔ جب والدین ایک دختر اور شوہر کے ساتھ جمع ہون تو والدین اور شوہر کے حصے سے کم ہو کر ملینگے اور مابقی دختر کو ملیگا ۔ اور شوہر کو ایک ربع اور ہر ایک کو والدین مین سے ایک سدس اور مابقی ۵/۱۲ دختر کو ملیگا ۔ لیکن اگر متوفی مرد ہو اور ایک زوجہ اور ایک دختر اور والدین چھوڑ جائے تو وہ سب اپنے اپنے حصے پائینگے یعنی ایک ثمن اور ایک نصف اور دو سدس اور مابقی والدین اور دختر مین رسدی تقسیم ہو جائیگا ۔

(سنیون کے مذہب مین پہلی صورت مین سب ورثہ کے حصص مین بالنسبت کمی ہو جائیگی اور وہ کمی صرف دختر ہی پر نہ عائد ہوگی ۔ اور دوسری صورت مین مابقی کُل باپ ہی کو ملیگا) ۔

۱۵ ۔ صورت مذکورہ بالا مین اگر بھائی[1] ورثہ مذکورہ کے ساتھ جمع ہون تو مابقی صرف پدر و دختر مین تقسیم ہو جائیگا ۔

۱۶ ۔ جب دو یا کئی بیٹیان اور مان باپ مین سے ایک ہو تو مان یا باپ کو اُسکا سہم شرعی ایک سدس ملیگا اور بیٹیون کو انکا سہم شرعی دو ثلث ملیگا اور مابقی اُنکو چار اور ایک کی نسبت سے ردًا ملیگا ۔

۱۷ ۔ اگر متوفیہ کے بعد اُسکا شوہر اور والدین زندہ رہین تو شوہر نصف پائیگا اور مان ایک ثلث اصل متروکہ کا پائیگی اور مابقی باپ کو ملیگا ۔

(سنیون کے مذہب مین باپ کا حصہ دے کر جو کچھ باقی رہیگا اُسکا ایک ثلث مان کو ملیگا)

جب متوفی ایک زوجہ چھوڑ جائے تب بھی یہی ہوگا ۔

---

[1] یا ایک بھائی اور دو بہنین یا چار بہنین ہون ۱۲ ۔ منہ

قائم مقامی اولاد مین لیجاتی ہے یعنی اگر اولاد حقیقی نہو تو تقسیم جائداد متوفی مین اولاد کی اولاد
اپنے والدین کی قائم مقام ہو کر متوفی کے والدین کے ساتھ ترکہ پاتی ہے —

۱۸ — اولاد صلبی اُن سب کو محجوب الارث کر دیتی ہے جو اُسکے واسطہ سے متوفی سے قرابت
رکھتے ہون اور اُن اشخاص کو بھی محجوب الارث کر دیتی ہے جو متوفی کے والدین کے واسطے سے
اُسکے قرابت دار ہون مگر اُسکے والدین کو نہین محجوب الارث کرتی — مثلاً متوفی کی اولاد اُسکے
بھائیون اور اُنکی اولاد کو اور اُسکے اجداد اور اُنکے بزرگون کو اور اُسکے چچا اور ماموں اور پھوپھی
اور خالہ اور اُنکی اولاد کو محجوب الارث کر دیتی ہے —

(سنیون کے مذہب مین صرف اولاد ذکور صلبی نیے والدین کے قائم مقام توریث مین یہی نسبت ہے)

۱۹ — اولاد قریب اولاد بعید کو محجوب الارث کر دیتی ہے — مثلاً جب متوفی ایک دختر
اور ایک بیٹا اُس بیٹے یا بیٹی کا چھوڑ جائے جو اُسکی حیات مین مر گیا ہو تو متوفی کی دختر اُسکا
کل متروکہ پائیگی اور اولاد قریب و بعید کے اصول کی پابندی سے اُسکا پوتا یا پوتی یا نواسا یا
نواسی کچھ نہ پائیگی —

اس مسئلہ مین سنیون کا قول نہایت پیچیدہ ہے اور شیعون کے مذہب سے اختلاف
عظیم رکھتا ہے — سنیون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر متوفی ایک دختر اور ایک بیٹا اس بیٹے کا چھوڑ جائے
جو اُسکی حیات مین مر گیا ہو تو دختر نصف پائیگی اور باقی پوتے کو ملیگا — لکن اگر پوتے کے بدلے
پوتیان ہون تو اُنکو ایک ایک سدس ملیگا — اگر دو یا زیادہ بیٹیان ہون تو پوتیان کچھ نہ پائینگی
لکن اگر پوتیون کے ساتھ ایک پوتا بھی ہو تو بیٹیون کو دو ثلث ملیگا اور باقی ایک ثلث پوتے اور پوتیون مین
اسطرح تقسیم ہوگا کہ پوتا دو پائیگا اور پوتی ایک پائیگی — مگر بیٹا اُس بیٹے کے بیٹون اور بیٹیون کو
بالکل محجوب الارث کر دیتا ہے جو باپ کی زندگی مین مر گیا ہو —

۲۰ — ہر اولاد اُس شخص کا حصہ پاتی ہے جسکے قائم مقام وہ ہے — مثلاً اگر متوفی
ایک نواسا یا نواسی چھوڑ جائے تو وہ نواسا یا نواسی اپنی ماں کا حصہ پائیگی خواہ اکیلی ہو خواہ متوفی کے

والدین کے ساتھ جمع ہو - اور سہام شرعیہ نکالکر باقی اُس نواسی یا نواسے کو اُسی طرح ملیگا جسطرح اسکی ماں کو ملتا اگر وہ زندہ ہوتی - پوتا یا پوتی وہی حصہ پاتی ہے جو اسکے باپ کو ملتا یعنی کل متروکہ اگر وہ اکیلی ہو یا باقی اگر اُسکے ساتھ متوفی کے والدین یا شوہر یا زوجہ جمع ہون -

سنیون کے مذہب مین نواسی ذوی الارحام مین داخل ہے لہذا کچھ میراث نہ پائیگی تا وقتیکہ سب عصبات نہ ختم ہو جائین - مثلاً شرع حنفی مین متوفی کا باپ اسکی نواسی کو بالکل محجوب الارث کر دیتا ہے - مگر شیعہ کے مذہب مین باپ اپنا حصہ ایک سدس پائیگا اور نواسی ایک نصف یعنی اپنی ماں کا حصہ پائیگی اور باقی تین اور ایک کی نسبت سے اُنمین تقسیم ہو جائیگا -

۲۱ - جب بیٹی کی اولاد بیٹے کی اولاد کے ساتھ جمع ہو تو بیٹے کی اولاد دو ثلث حصہ اپنے باپ کا پائیگی اور بیٹی کی اولاد ایک ثلث حصہ اپنی ماں کا پائیگی -

(سنیون کے مذہب مین بیٹی کی اولاد ذوی الارحام مین داخل ہے لہذا اُسوقت تک ملتوی رکھی جائیگی جبتک ذوی الفروض اور عصبات ختم ہو جائین ---------)

۲۲ - جب بیٹے یا بیٹی کی اولاد ساتھ شوہر یا زوجہ بھی موجود ہو تو شوہر یا زوجہ کا حصہ کم ہوکر اسکو ملیگا یعنی ایک ربع یا ایک ثمن اور باقی بیٹے یا بیٹی کی اولاد پر تقسیم ہو جائیگا - یعنی بیٹے کی اولاد دو ثلث باقی کا اور بیٹی کی اولاد ایک ثلث لیگی -

بیٹی کی اولاد اپنے حصہ کو باہم اسطرح تقسیم کریگی کہ مرد کو عورت کا دوچند ملیگا -

۲۳ - دادا اور دادی کو کچھ ترکہ نہ ملیگا درآنحالیکہ متوفی کی کوئی اولاد یا اُسکے والدین میں سے کوئی موجود ہو

طبقۂ ثانیہ کے ورثہ کی وراثت

۲۴ - اقربائے نسبی کے دوسرے طبقہ مین وہ اجداد داخل ہین جو والدین کے اوپر ہون یعنی (۱) دادا دادی اور اُنکے آبا، اور (۲) بھائی بہنین اور اُنکی اولاد -

۲۵ - اگر ایک ہی برادر عینی ہو تو کل ترکہ وہی پائیگا - جب کئی برادر عینی ہون تو متروکہ علی التسویہ باہم تقسیم کرینگے -

(یہی سینون کا بھی مذہب ہے)

(۲۶) — اگر بھائی اور بہنین ہون تو بھائی بہنون کا دوچند پائینگے —

(یہی قول سینون کا بھی ہے)

(۲۷) — جب برادران عینی اور خواہران عینی نہ ہون تو برادران علاتی اور خواہران علاتی وارث ہوتے ہین اور ترکہ اُسی طور سے تقسیم ہوتا ہے جسطرح برادران و خواہران عینی مین تقسیم ہوتا ہے

(۲۸) — جب برادران و خواہران عینی برادران و خواہران علاتی کے ساتھ جمع ہون تو برادران و خواہران علاتی کو کچھ نہ ملیگا —

(۲۹) — جب متوفی کے مرنے کے بعد ایک برادر اخیافی یا ایک خواہر اخیافی موجود ہو تو وہ بھائی یا وہ بہن پہلے سہم الفرض یعنے ایک سُدس پائیگی بعد اُسکے مابقی اُسکو ردًّا ملیگا —

(۳۰) — اگر دو یا زیادہ برادران یا خواہران اخیافی برادران و خواہران عینی کے ساتھ جمع ہون تو برادران یا خواہران اخیافی کو ایک ثلث ملیگا جو اُنمین بلا امتیاز نوع یعنی ذکور و اناث برابر تقسیم کردیا جائیگا اور مابقی برادران و خواہران عینی کو موافق حکم اصل میراث کے ملیگا —

(یہی مذہب سینون کا بھی ہے)

(۳۱) — جب برادران و خواہران اخیافی ایک خواہر عینی کے ساتھ جمع ہون تو برادران و خواہران اخیافی کو ایک ثلث ملیگا اور خواہر عینی کو ایک نصف اور مابقی بھی ردًّا اُسی کو ملیگا —

(۳۲) — جب ایک ہی برادر یا خواہر اخیافی اور ایک خواہر عینی ہو تو برادر یا خواہر اخیافی کو ایک سدس ملیگا اور مابقی خواہر عینی کو بطور اُسکے سہم شرعی کے اور نیز ردًّا ملیگا —

(۳۳) — جب برادران یا خواہران اخیافی اور دو یا زیادہ خواہران عینی ہون تو برادران یا خواہران اخیافی کو ایک ثلث ملکر اُنمین برابر تقسیم ہوجائیگا اور خواہران عینی کو دو ثلث ملینگے —

۳۴ — جب برادران و خواہران عینی نہون تو برادران و خواہران علاتی اُنکی جگہ پر وارث سمجھے جائینگے

(یہی سنیون کا بھی قول ہے)

۳۵ — جد پدری یا جدہ مادری یعنی دادا یا نانا جب اکیلا ہو اور کوئی اور وارث نہو تو کُل متروکہ پائیگا — علی ہذالقیاس جدۂ پدری یا جدۂ مادری یعنی دادی یا نانی —

۳۶ — جب اجداد پدری اور اجداد مادری دونون موجود ہون تو اجداد پدری کو دو ثلث ملیگا اور اسطرح تقسیم ہوگا کہ مرد کو عورت کا دو چند دیا جائیگا — اور اجداد مادری کو ایک ثلث ملیگا اور بلا امتیاز نوع یعنی ذکور و اناث اُنمین برابر تقسیم کر دیا جائیگا —

(سنیون کے مذہب مین کل متروکہ صرف اجداد پدری کو دیا جائیگا)

۳۷ — جد اور جدۂ پدری (دادا دادی) عام اصول میراث کے موافق حصہ پاتے ہین یعنی مرد کو دو سہم اور عورت کو ایک سہم ملتا ہے —

(سنیون کا بھی یہی قول ہے)

۳۸ — جد اور جدۂ مادری (نانا نانی) بلا امتیاز نوع برابر حصے پاتے ہین —

(سنیون کے مذہب مین جدہ مادری (نانی) کو کل ترکہ ملتا ہے)

۳۹ — جب برادران یا خواہران اخیافی جد یا جدۂ مادری کے ساتھ یا دونون کے ساتھ جمع ہون تو ثلث جائداد متوفی اُن سب مین برابر تقسیم کر دیا جائیگا —

(سنیون کے مذہب مین جب ایک برادر اخیافی ہو تو اسکو سدس ملیگا — اور جب دو یا زیادہ برادران اخیافی ہون تو اُنکو دو ثلث ملینگے اور باقی جدۂ مادری کو دیا جائیگا —)

۴۰ — جب اجداد پدری اور اجداد مادری برادران و خواہران عینی کے ساتھ جمع ہون یا ایسے بھائی اور بہنون کی اولاد کے ساتھ جمع ہون یا برادران و خواہران اخیافی یا اُنکی اولاد کے ساتھ جمع ہون تو اجداد مادری ایک ثلث پائینگے اور اجداد پدری باقی دو ثلث بھائی اور بہنون یا اُنکی اولاد کے ساتھ پائینگے (تقسیم ترکہ مین بھائی اور بہنون کی اولاد بمنزلہ خود بھائی اور بہنون کے سمجھی جائیگی) یعنی مرد کو دو سہم اور عورت کو ایک سہم ملیگا — مثلاً اگر متوفی

دادا اور دادی اور نانا اور نانی چھوڑ جائے اور علاوہ اِنکے اُسکی مان اور بہن بھی موجود ہون تو اِس صورت مین ایک ثلث متوفی کے نانا اور نانی پر برابر تقسیم کردیا جائیگا اور باقی ماندہ دو ثلث اُسکی مان اور بہن اور دادا اور دادی مین اِسطرح تقسیم کیا جائیگا کہ مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ دیا جائیگا - یعنی بھائی اور دادا کے حصے ۴/۹ ہونگے اور بہن اور دادی کے حصے ۲/۹ ہونگے —

۴۱ — اجداد پدری و مادری چاہے کیسی ہی بعید القرابت ہون بھائی اور بہنون اور اُنکی اولاد کے ساتھ حصہ پاتے ہین - مگر جب کئی اجداد ہون تو جو متوفی سے قریب القرابت ہو وہ بعید القرابت کو محجوب الارث کردیتا ہے —

۴۲ — جب زوجہ یا شوہر بھائی اور بہنون یا اُنکی اولاد کے ساتھ یا اجداد پدری و مادری کے ساتھ جمع ہون تو زوجہ یا شوہر ہمیشہ اپنا پورا حصہ پاتا ہے —

۴۳ — جب ایک خواہر عینی اور ایک برادر یا خواہر اخیافی ہو تو برادر یا خواہر اخیافی کو ایک سدس ملیگا اور باقی خواہر عینی کو کسی قدر بطور سہم شرعی کے اور کسیقدر ردًّا دیا جائیگا

۴۴ — جب خواہر عینی کے بدلے خواہر علاتی ہو تو حصہ دارون کے حصے دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے وہ اقربائے مادری اور خواہر اخیافی مین اُنکے حصون کے موافق تقسیم کردیا جائیگا - مثلاً جب ایک خواہر اخیافی اور ایک خواہر علاتی ہو تو خواہر اخیافی کو ایک سدس اور خواہر علاتی کو ایک نصف ملیگا اور باقی ایک اور تین کی نسبت سے اُنمین تقسیم کردیا جائیگا

۴۵ — جب ایک برادر اخیافی اور ایک پسر برادر عینی موجود ہو تو کل ترکہ برادر اخیافی کو دیا جائیگا

(سنیون کے مذہب مین برادر اخیافی کو ایک سدس اور باقی پسر برادر عینی کو دیا جائیگا)

۴۶ — بھائی اور بہن کی اولاد اپنے والدین کے مرنے کے بعد اُنکے قائم مقام ہوتی ہے اور اُنمین سے ہر ایک اُسی قدر حصہ پاتا ہے جسقدر اُس شخص کا حصہ ہو جسکے واسطہ یا ذریعہ سے وہ متوفی کا قرابت دار ہے یعنی اُسکی مان یا باپ کا حصہ اُسکو ملیگا —

دسنیون کے مذہب مین بہن کی اولاد ذوی الارحام مین داخل ہے - لہذا جبتک عصبات مین سے کوئی باقی رہیگا اُنکو کچھ نہ ملیگا)

۴۷ - جب بھائی یا بہن کی ایک ہی اولاد ہو تو وہ اپنے مان باپ کا پورا حصہ پائیگی -

۴۸ - جب بھائی یا بہن کی کئی اولاد ہون تو جو حصہ اُنکے مان باپ کو دیا گیا ہے وہ اُنمین علی التسویہ تقسیم کردیا جائیگا اگر وہ سب ایک ہی نوع کے ہون (یعنی سب ذکور یا سب اناث ہون) لیکن جب وہ مختلف النوع ہون تو مردون کو عورتون کا دوچند حصہ ملیگا -

۴۹ - جب برادران یا خواہران اخیافی کی کئی اولاد موجود ہون تو جو حصہ اُنکے والدین ذریعہ سے اُنکو ملیگا وہ اُنمین علی التسویہ یعنی برابر تقسیم کردیا جائیگا -

۵۰ - خواہر عینی کے مرنے کے بعد جو اُسکے اولاد باقی رہے اُسکو اُسکی مان کا حصہ یعنی نصف ملیگا علاوہ اُس چیز کے جو اُسکو رَدًّا دیجائیگی -

۵۱ - بھائی کی اولاد سہام شرعیہ نکالنے کے بعد جو کچھ باقی رہے وہ اپنے باپ کی طرح پائیگی - جب دو یا زیادہ بہنین پیشتر ہی مرچکے ہون تو اُنکی اولاد دو ثلث پائیگی الا اینکہ شوہر یا زوجہ موجود ہو کہ اِس صورت مین شوہر یا زوجہ کا حصہ دے کر جو کچھ بچیگا وہ بہنون کی اولاد کو دیا جائیگا -

۵۲ - جب برادران و خواہران عینی کی اولاد نہ موجود ہو تو اُنکی جگہ پر برادران و خواہران علاتی کی اولاد ترکہ پائیگی -

۵۳ - برادر یا خواہر اخیافی کی اگر ایک ہی اولاد ہو تو ایک سدس پائیگی اور اگر کئی اولاد ہون تو ایک ثلث پائینگے -

۵۴ - جب کئی اولاد برادران و خواہران اخیافی کی اور کئی اولاد برادران و خواہران علاتی کی اور کئی اولاد برادران و خواہران عینی کی موجود ہون تو برادران و خواہران علاتی کی اولاد بالکل محجوب الارث ہوگی اور برادران و خواہران اخیافی کی اولاد کو ایک ثلث اور برادران

وخواہران عینی کی اولاد کو دو ثلث ملینگے ۔

۵۵ ۔ صورت مذکورہ بالا مین اگر شوہر یا زوجہ اقربائے مذکورہ کے ساتھ جمع ہون تو شوہر یا زوجہ اپنا پورا حصہ پائیگی اور برادران وخواہران اخیافی کی اولاد ایک ثلث اصل جائداد کا پائیگی (اور اگر ایک ہی اولاد ہو تو ایک سدس پائیگی) اور باقی ماندہ برادران وخواہران عینیہ کی اولاد کو ملیگا اور اگر وہ نہ موجود ہون تو برادران وخواہران علاتی کی اولاد کو ملیگا ۔

۵۶ ۔ اس مسئلہ مین علمانے اختلاف کیا ہے کہ جب برادران اخیافی کی اولاد خواہر علاتی کی اولاد کے ساتھ جمع ہو تو آیا سہام شرعیہ نکالنے کے بعد جو کچھ باقی رہے وہ اُن مین رسدی تقسیم کردیا جائے یا سب خواہر علاتی کی اولاد کو دیدیا جائے ۔

طبقۂ ثالثہ کے ورثہ کی توریث

۵۷ ۔ اس طبقہ مین متوفی کے چچا اور ماموں اور پھوپھیان اور خالائین چاہے وہ کیسی ہی بعید القرابت ہون اور اُنکی اولاد داخل ہے ۔

۵۸ ۔ چچا جب اکیلا ہو تو کل ترکہ پاتا ہے ۔ جب کئی چچا ہون تو وہ متوفی کے متروکہ کو آپسمین برابر تقسیم کرینگے ۔ یہی قاعدہ پھوپھی یا پھوپھیون مین جاری ہوگا ۔

۵۹ ۔ جب چچا اور پھوپھیان ہون تو دو اور ایک کی نسبت سے ترکہ پائینگی ۔

دستیون کے مذہب مین چچا سارا ترکہ پائینگے اور پھوپھیون کو کچھ نہ ملیگا ۔

۶۰ ۔ جب بعض چچا اور پھوپھیان ایسی ہون جو متوفی کے باپ کے برادران وخواہران اخیافی ہون اور بعض ایسے ہون جو اُسکے برادران وخواہران عینی ہون تو پہلی قسم کے چچا اور پھوپھیان ایک ثلث لیکر باہم برابر تقسیم کرینگے یا اگر ایک ہی چچا یا پھوپھی اس قسم کی ہو تو وہ صرف ایک سدس پائیگی اور باقی دوسری قسم کے چچا اور پھوپھیون کو دیا جائیگا اسطرح سے کہ مرد دو حصے اور عورت ایک حصہ پائیگی ۔ متوفی کے باپ کے برادران وخواہران عینی اُسکے برادران وخواہران علاتی کو محجوب بالارث کردیتے ہین ۔

سنیون کے مذہب میں حقیقی بھائی کے باپ کے برادران عینی اور برادران علاتی دیگر ورثہ کو محجوب الارث کر دیتے ہیں۔

۶۱ — چچازاد بھائی چچا کے ساتھ ترکہ نہیں پاتا اسواسطے کہ اس طبقہ میں بھی قریب القرابت ہمیشہ بعید القرابت کو محجوب الارث کر دیتا ہے الا اُس صورت میں جبکہ عینی چچا کا بیٹا اور علاتی چچا ہو تو عینی چچا کا بیٹا علاتی چچا کو محجوب الارث کر دیتا ہے۔ یہ مثال صرف اُس صورت میں صادق آئیگی جبکہ چچازاد بھائی چچا پر ترجیح رکھتا ہو لیکن اگر علاتی چچا کے بدلے ماموں یا اخیافی چچا ہو تو چچازاد بھائی محجوب الارث ہو جائیگا۔

۶۲ — ماموں جب اکیلا ہو تو کل ترکہ پائیگا۔ علی ہذا القیاس جب کئی ماموں یا خالائیں ہوں جب ماموں اور خالائیں ایک ہی درجہ کی جمع ہو جائیں تو متروکہ کو بلا امتیاز نوع برابر آپسمیں تقسیم کر لینگے۔

۶۳ — جب اخیافی ماموں اور خالائیں عینی ماموں اور خالاؤں کے ساتھ جمع ہوں تو پہلی قسم کے ماموں اور خالائیں ایک ثلث پائینگی جو بلا امتیاز نوع انھیں برابر تقسیم کر دیا جائیگا اور دوسری قسم کے ماموں اور خالائیں باقی ماندہ دو ثلث پائینگی جو اُنھیں اسطرح تقسیم کیا جائیگا کہ مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ ملیگا۔ عینی ماموں اور خالائیں علاتی ماموں اور خالاؤں کو محجوب الارث کر دیتے ہیں۔

۶۴ — جب ایک ماموں یا خالہ اور ایک چچا یا پھوپھی جمع ہوں تو ماموں یا خالہ ایک ثلث اور چچا یا پھوپھی دو ثلث پائیگی۔ علی ہذا القیاس جب متعدد ماموں اور خالائیں یا چچا اور پھوپھیاں ہوں

۶۵ — جب باپ کے چچا اور پھوپھیاں اور ماموں اور خالائیں ماں کی پھوپھیوں اور ماموؤں اور خالاؤں کے ساتھ جمع ہوں تو جو صرف ان کے ذریعہ سے متوفی کے قرابت دار ہیں وہ ایک ثلث پائینگی جو اُنھیں برابر تقسیم کر دیا جائیگا اور جو باپ کے ذریعہ سے اُسکے قرابت دار ہیں وہ دو ثلث پائینگے جسمیں سے ایک ثلث باپ کے ماموؤں اور خالاؤں میں برابر تقسیم کر دیا جائیگا اور باقی ماندہ ایک ثلث اُسکے چچا اور پھوپھیوں میں غیر مساوی تقسیم

کیا جائیگا یعنی مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ دیا جائیگا۔

۶۶۔ جب متوفی کے چچا اور پھوپھیان اور ماموا ور خالائین موجود نہ ہون نہ اُنکی اولاد موجود ہو تو وراثت اُسکے باپ کے چچا اور پھوپھیون اور ماموا ور خالاؤن کو اور اُنکی اولاد کو پہونچیگی اور ہر نسل مین ایسا ہی ہوگا کہ قریب القرابت کو بعید القرابت پر ترجیح دیجائیگی۔

۶۷۔ اب رہے وہ اشخاص جو متوفی کی جائداد مین دوہرا حق رکھتے ہین شیعون کے مذہب مین ایسے وارث کو ہر حق کے عوض مین ایک حصہ دیا گیا ہے الا اینکہ ایک حق دوسرے حق کو ساقط کردے اِس صورت مین وارث مرد ہو خواہ عورت اپنے حق اعلیٰ کے موافق حصہ پائیگا۔ مثلاً فرض کیجیے کہ کوئی عورت مرنے کے بعد ایک شوہر چھوڑ جائے جو اُسکا چچازاد بھائی بھی ہو تو یہ وارث ایک حصہ متوفیہ کی جائداد مین حق زوجیت کا پائیگا اور ایک حصہ قرابت نسبی کا۔ لکن اگر متوفیہ نے ایک برادر اخیافی چھوڑا ہو جو اُسکے شوہر کا چچازاد بھائی ہو تو برادر اخیافی اُسکا وارث ہوگا کیونکہ شرع مین برادر اخیافی چچازاد بھائی کو محجوب الارث کردیتا ہے۔

احکام الازواج یعنی احکام وراثت زوجہ وشوہر

۶۸۔ شوہر یا زوجہ کبھی محجوب الارث نہین ہوتے جیسا سابق مین بیان کیا گیا۔ بلکہ شوہر جملہ حالات مین اپنا سہم شرعی پاتا ہے اور اِسی طرح زوجہ بھی پاتی ہے اور جب اُنکے حصے نکال لیے جاتے ہین تب متروکہ دیگر ورثہ مین تقسیم کیا جاتا ہے۔

۶۹۔ جب نکاح دائمی ہو تو شوہر اور زوجہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہین بغیر اسکے کہ اِس مضمون کی کوئی شرط معاہدہ نکاح مین قرار دیگئی ہو۔ چونکہ شیعہ جواز متعہ کے بھی قائل ہین پس جب مرد اور عورت مین متعہ ہوا ہو تو ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا الا اینکہ متعہ کے وقت اِس[1] مضمون کی کوئی شرط کرلی گئی ہو۔

[1] جامع الشتات ۱۲ منہ

۷۰ — جب زوجہ کو طلاق بائن دیدیا گیا ہو تو وہ اپنے شوہر سابق کی وارث نہوگی اور نہ اسکے مرنے کے بعد اسکی وارث ہوگی اگر نکاح شوہر کی بیماری کے عالم مین ہوا ہو اور بیماری کی وجہ[1] سے زفاف کی نوبت نہ آئی ہو۔ لیکن اگر زوجہ اپنے بیمار شوہر سے پیشتر مرجائے تو حق وراثت قائم ہوجائیگا۔ علی ہذالقیاس اگر نکاح کے زمانہ مین عورت بیمار رہو اور اسی بیماری سے قبل زفاف مرجائے تو شوہر اسکی توریث کا مستحق ہوگا۔

۷۱ — اگرکسی عورت کو اسکا شوہر اپنی بیماری کے زمانہ مین طلاق دیدی اور اس بیماری سے جان بر نہو تو اس عورت کا حق وراثت شوہر کی جائداد مین ایک سال تک قائم رہیگا تاکہ اگر اسکا شوہر اس سال کے اندر مرجائے تو وہ اسکی وارث ہو لیکن اگر اسکا شوہر اس میعاد کے اندر اچھا ہوجائے اور پھر اسی بیماری سے یا اور کسی مرض سے مرجائے تو وہ اسکی وارث نہوگی۔ لیکن اگر زوجہ اس سال کے اندر بھی مرجائے تو بھی شوہر کو کوئی حق اسکی توریث کا نہ حاصل ہوگا۔ (سنیون کے مذہب مین حق وراثت اسوقت تک باقی رہتا ہے جبتک کہ زوجہ عدۂ شرعیہ کو پورا کرے)

۷۲ — شوہر اور زوجہ ایک دوسرے کی توریث کے اسوقت تک مستحق رہینگے جبتک کہ انکا نکاح حقیقۃً یا شرعًا باقی رہے۔

۷۳ — نابالغ مرد اور عورت جنکا نکاح انکے باپ یا دادا نے کردیا ہو باہم حق وراثت رکھتے ہین۔ لیکن اگر انکا نکاح باپ اور دادا کے سوائے اور کسی ولی نے کردیا ہو تو وہ نکاح اسوقت تک معطل رہیگا جبتک وہ بالغ ہوکر اسکو منظور و قبول کرلین۔ اور اگر انمین سے ایک قبل منظوری یا تصدیق نکاح کے مرجائے تو جو زندہ رہا ہے اسکو کوئی حق وراثت نہ حاصل ہوگا۔

(سنیون کا بھی یہی قول ہے)

۷۴ — اگر دونا بالغون مین سے ایک نابالغ نے بعد بلوغ نکاح کی تصدیق

[1] صحت اس نکاح کی جو شوہر کی بیماری مین ہوا ہو زفاف پر موقوف ہے ۱۲ — منہ

کردی ہو اور دوسرا نابالغ قبل بلوغ مرگیا ہو تو پہلے نابالغ کو کوئی حق وراثت نہ حاصل ہوگا لیکن اگر وہ نابالغ مرجائے جسنے نکاح کی تصدیق کرلی ہو تو جو زندہ رہگیا ہے اُسکا حصہ اُسکے بلوغ تک محفوظ رکھا جائیگا تاکہ شوہر یا زوجہ جو کوئی زندہ رہگیا ہو تصدیق یا فسخ نکاح کی اختیار کو عمل مین لاسکے۔

۷۵ ۔ جب کوئی اولاد نہو تو شوہر اپنی زوجہ متوفیہ کے ترکہ مین ایک نصف پاتا ہے۔

۷۶ ۔ جب اولاد ہو تو شوہر ایک ربع پاتا ہے۔

(سُنیون مین بھی یہی ہے)

۷۷ ۔ جب متعدد ازواج ہون تو وہ سب ایک ربع یا ایک ثمن برابر تقسیم کرلیتے ہین۔

۷۸ ۔ شوہر اپنی زوجہ متوفیہ کی ہر قسم کی جائداد مین ایک حصہ ضرور پاتا ہے اسیطرح زوجہ اپنے شوہر متوفی کی جائداد مین ایک حصہ پاتی ہے جب ام الولد ہو یعنی کوئی اولاد اپنے بطن سے یا اولاد کی اولاد رکھتی ہو۔ لیکن جب وہ کوئی اولاد نہ رکھتی ہو یا اُسکی اولاد شوہر کی زندگی مین مرگئی ہو تو اُسکو صرف جائداد منقولہ مین جسمین اثاث البیت اور درخت اور مکانات وغیرہ داخل ہین ایک ربع ملتا ہے۔ جائداد غیر منقولہ مین ایسی زوجہ کوئی حق نہین رکھتی ہے۔ جب متعدد ازواج ہون تو جائداد منقولہ کا ایک ربع برابر تقسیم کرلینگے۔ لیکن جب زوجہ صاحب اولاد ہو تو ایک ثمن جائداد منقولہ و غیر منقولہ دونو کا پائیگی۔ اگر اولاد اُسکے بطن سے نہو تو جائداد غیر منقولہ مین ایک ثمن کی بھی مستحق نہین ہے۔

(سنیون کے مذہب مین جب زوجہ لاولد ہو تو ایک ربع کل متروکہ کا جسمین مال منقولہ و غیر منقولہ دونون داخل ہین پائیگی)

علماے شیعہ مین سے عالم جلیل سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کا قول ہے کہ زوجہ لاولد کل متروکہ مین ایک ربع کی مستحق ہے۔ یہی قول علماے معتزلہ کا بھی ہے۔

---

۵ جامع الفتاوات اور نیز مقدمہ مسمات اسلو۔ سدر لینڈ صاحب کا ویکلی رپورٹر۔ ۱۲۔ ۱۵

۷۹ - جس عورت سے متعہ کیا ہو وہ بھی میراث کی مستحق ہے اگر اس مضمون کی کوئی خاص شرط متعہ مین ہو گئی ہو - اُس صورت مین وہ مثل زوجہ منکوحہ کے وارث ہو گی -

(سنیون کے نزدیک متعہ ناجائز ہے)

۸۰ - اگر کوئی عورت اپنے مرنے کے بعد صرف ایک شوہر کو اپنا وارث چھوڑ جائے تو شوہر کل ترکہ پائیگا - نصف بطور سہم شرعی اور نصف رداً - لکن جب زوجہ اپنے شوہر کی اکیلی وارث ہو تو اُسکا اور حکم ہے یعنی اُسکو ایک ربع ملیگا اور باقی امام زمانؑ کا مال ہے مگر اس مسئلہ مین علماے شیعہ مین بڑا اختلاف ہے - بعض علما کا قول ہے کہ زوجہ بھی رداً پانے کی مستحق ہے -

شافعیہ کے نزدیک شوہر یا زوجہ مابقی پانے کی مستحق نہین ہے - یعنی اُنکے نزدیک یہ ہے کہ اگر شوہر مر جائے اور ایک زوجہ کے سواے اور کوئی وارث نہ چھوڑے یا زوجہ مر جائے اور سواے شوہر کے دوسرا وارث نہ چھوڑے تو سہم شرعی نکالنے کے بعد جو کچھ باقی رہیگا وہ بیت المال مین چلا جائیگا -

زمانۂ سابق مین حنفیہ مابقی جائداد شوہر کو دیتے تھے مگر زوجہ کو نہین دیتے تھے مثلاً اگر کوئی عورت سواے شوہر کے اور کوئی وارث نہ چھوڑتی تھی تو شوہر اُسکا کل ترکہ پاتا تھا - لکن اگر کوئی مرد سواے ایک زوجہ کے اور کوئی وارث نہ چھوڑتا تھا تو زوجہ کو اُسکا حصہ ایک ربع ملتا تھا اور مابقی بیت المال مین چلا جاتا تھا - مگر متاخرین علماے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ چونکہ ابتداے اسلام مین بیت المال غربا و مساکین اہل اسلام کے فائدہ کے لیے اور سلطنت اسلامیہ کی ترقی و بہبود کے واسطے رکھا گیا تھا اور اب اِس زمانہ مین بیت المال کی یہ کیفیت مطلق نہین باقی رہی ہے بلکہ بیت المال فی زمانناً خزانہ سرکاری ہے لہذا بیت المال مین چلے جانے کا مسئلہ شوہر یا زوجہ کی وراثت مین اب نہین جاری ہو سکتا - پس اُن علما کا قول ہے کہ جب کسی شخص نے ایک زوجہ کے

سوا ے اور کوئی وارث نہ چھوڑا ہو یا کسی زوجہ نے سواے شوہر کے اور کوئی وارث نہ چھوڑا ہو تو کل ترکہ اُس شوہر یا اُس زوجہ کو ملیگا —

ہندوستان کی عدالتون نے اِسی قول کو اختیار کیا ہے اور درست و بجا اختیار کیا ہے[1] —

۱۴ — شیعہ انتقال الی بیت المال کے مسئلہ کو نہین تسلیم کرتے جیسا سابق مین عرض کیا گیا یہ یاد رہے کہ زمانہ سلف مین جبتک مذہب شیعہ پادشاہان صفویہ نے ایران مین علی العموم نہین جاری کیا تھا اُسوقت تک یہ مذہب مظلومون ستم رسیدون کے ایک گروہ قلیل مین محدود و محصور رہا — لہذا مسئلہ انتقال الے بیت المال کو تسلیم کر لینا بمنزلہ اسکے ہوتا کہ لاوارث کی جائداد کو ایسے مقاصد و اغراض مین صرف کرنے کی اجازت دی ہے جو شیعون کے نزدیک کم و بیش ناجائز و غیر مشروع ہین — پس اصول انتقال الی الامام کی اصل یہی ہے اور اس قول کی تائید شرایع الاسلام کی عبارت ذیل مین موجود ہے — "وو اگر امام غائب ہو تو وہ مال غربا و مساکین مین تقسیم کر دیا جائے اور کسی کو نہ دیا جائے سواے ایک متقی و پرہیزگار سلطان کی کہ وہ اُسکو اسی طرح سے تقسیم کر دیے" ۱۱ —

وراثت امام کے باب مین جو حکم شرع ہے وہ سابق مین مفصل بیان ہو چکا ہے[2] — جب متوفی نے کوئی وارث نہ چھوڑا ہو یا ایسا ضامن الجریرہ بھی نہو یا جب متوفی صرف ایک زوجہ چھوڑ گیا ہو تو زوجہ کا حصہ نکالکر باقی کل جائداد امام کو دیجائیگی خواہ وہ ظاہر ہو خواہ غائب تاکہ اُس سے متوفی کے شہر یا دیہ کے غربا و مساکین کی پرورش کیجائے — خلیفہ چہارم حضرت علی ؑ (شیعون کے پہلے امام) لاوارث کے مال کو اُسکے وطن کے غربا و مساکین اور اُسکے ضعیف و نحیف ہمسائیون مین تقسیم کر دیا کرتے تھے — چونکہ بالفعل امام زمان ؑ غائب ہین

---

[1] درالمختار اور مقدمہ مسمات سبحانی ربورٹ صدر دیوانی عدالت جلد ۱ — اور حال کا فیصلہ ہائی کورٹ کلکتہ کا مقدمہ محمد ارشد چودھری بنام ساجدہ بانو انڈین لا رپورٹ سلسلہ نظائر کلکتہ صفحہ ۶۰۲ جلد ۳ —— ۱۲ منہ [2] جامع الشتات — ارشاد علامہ شرایع الاسلام ۱۲ —— منہ

لہذا ایسا مال مجتہد یا حاکم کے حوالہ کیا جائیگا تاکہ متوفی کے شیعہ مذہب اور غریب و مسکین ہمسایئوں میں تقسیم کر دیا جائے ۔ غربا ، اولاد رسول یعنی مساکین سادات کو ہمیشہ ترجیح دیجائیگی ۔

موانع الارث

شیعون کے نزدیک موانع ارث تین ہین ۔ (۱) کفر ۔ (۲) قتل عمد ۔ (۳) رقیت یعنی غلامی جو لوگ اسلام کے سوا اور کوئی مذہب رکھتے ہین وہ مسلم متوفی کی وراثت کے مستحق نہین ہین ۔ پس اگر کوئی شیعہ مسلمان ایک غیر مسلم وارث چھوڑ جائے تو وہ محجوب الارث ہوگا گو متوفی کا کیسا ہی عزیز قریب ہو ۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد ایک غیر مسلم بیٹا اور ایک مسلم پوتا چھوڑ جائے تو بیٹا محجوب الارث ہوگا اور پوتا کل جائداد لیکر اپنے باپ کو محروم کر دیگا

(یہی قول سنیون کا بھی ہے)

اگر کوئی شیعہ مسلمان اپنے مرنے کے بعد سب غیر مسلم ورثہ چھوڑ جائے تو وہ سب محجوب الارث ہونگے اور وراثت امام ؑ سے متعلق ہوگی ۔

(سنیون کے نزدیک ایسے مسلمان کا متروکہ بیت المال مین چلا جائیگا)

ایکٹ ۲۱ سنہ ۱۸۵۰ع نے مسلمانون کے قانون وراثت مین کچھ تغیر و تبدل کیا ہے ۔ وہ اصول جسکے بموجب غیر مسلم محجوب الارث کر دیے گئے تھے اُن اشخاص پر بھی صادق آتا تھا جو کسی اور مذہب مین پیدا ہوے ہون اور اُن اشخاص پر بھی جنھون نے اسلام ترک کر دیا ہو یعنی مرتد ہو گئے ہون یعنی کافر فطری اور مرتد دونون اس حکم شرع میں داخل تھے ۔ پس اگر متوفی تین وارث چھوڑ جاتا اور انمین سے ایک غیر مسلم اور دوسرا مرتد اور تیسرا مسلم ہوتا تو شرع شریف کی رو سے پہلے دو وارث بالکل محجوب الارث رہتے اور کل ترکہ وارث مسلم کو ملتا گو وہ متوفی سے کیسا ہی بعید القرابت ہوتا ۔ جو تغیر اس قاعدہ مین ایکٹ ۲۱ سنہ ۱۸۵۰ع سے ہوا ہے وہ نہایت اہم ہے ۔ اس ایکٹ مین صرف ایک دفعہ ہے مگر اُسکا اثر یہ ہوا ہے کہ اکثر مقدمات مین ضابطۂ وراثت اپنی ہیئت اصلی سے

بالکل جدا ہو گیا ہے۔ اِس دفعہ میں لکھا ہے کہ ۹۹ اُسقدر کسی ایسے قانون یا رواج رسم جو ممالک محکوسہ ایسٹ انڈیا کمپنی میں بالفعل نافذ ہو جسقدر کسی شخص کے حقوق یا جائداد کے تلف یا ضائع ہونے کا باعث ہو یا جسقدر کی نسبت یہ سمجھا جائے کہ کسی شخص کے حق وراثت کو کسی طور سے ضعیف یا متغیر کر دیتا ہے اس سبب سے کہ کسی مرد یا عورت نے کسی مذہب کو ترک کر دیا ہے یا اُس سے خارج کر دیا گیا ہے عدالتہا سے ایسٹ انڈیا کمپنی میں بطور قانون نہ نافذ ہوگا اور اُن عدالتوں میں جو حسب فرمان شاہی ممالک مذکورہ میں مقرر ہوئے ہیں ۱۱

اِس قانون سے وہ حکم شرع محمدی موقوف ہو گیا ہے جس سے مرتد اقربائے مسلم کے ترکہ سے محروم رہجاتے تھے۔ مگر کفار فطری کے محجوب الارث ہونے میں حکم شرع بعینہ موجود ہے۔ پس اگر کوئی مرتد شخص اولاد چھوڑ جائے جنہے اپنے باپ یا ماں کے مذہب میں پرورش پائی ہو تو اُنکو کوئی حق اپنے قرابت دار مسلم کی وراثت کا نہ حاصل ہوگا حالانکہ اگر اُسکے مرتد ماں یا باپ زندہ ہوتے تو اس ایکٹ کے رو سے اُس مسلمان رشتہ دار کے وارث قرار پاتے۔

اگر مرتد اُسوقت مرجائے جب وقوع میراث ہو چکا ہو اور اُسکا حق وراثت قائم ہو چکا ہو تو گو خود اُسکی اولاد غیر مسلم ہو مگر شرع محمدی اُسکی مانع ارث نہو سکیگی۔

اقربائے غیر مسلم کی میراث میں ورثہ مسلم کو ورثہ غیر مسلم پر ترجیح ہے۔ پس اگر کوئی غیر مسلم ایک وارث مسلم اور ایک وارث غیر مسلم چھوڑ جائے تو وارث مسلم گو بعید القرابت ہو بہ ترجیح وارث غیر مسلم متوفی کا وارث قرار دیا جائیگا۔ لکن اگر غیر مسلم کے ورثہ بھی غیر مسلم ہوں تو اُسکا ترکہ بترجیح امام اُنھیں ورثہ کو دیا جائیگا۔ اگر اُنمیں سے کوئی وارث دین اسلام قبول کرلے تو کل ترکہ اُسی کو ملیگا اور ورثہ غیر مسلم کو ایک حبہ بھی نہ ملیگا۔

(سنیوں کے مذہب میں مسلم غیر مسلم کا وارث نہیں ہوتا نہ غیر مسلم مسلم کا وارث ہو سکتا ہے)

ﻪ فتاوای عالمگیری صفحہ ۴۵۳ جلد ۶ ہ

جب والدین مین سے ایک مسلم ہو تو اولاد شرعاً مسلم قیاس کیجائیگی جبتک کہ وہ خود کوئی مذہب اختیار کرنے کے لائق ہوجاوے اور اُسکا حق وراثت تابع احکام شرع ہوگا۔ مسلمان ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہین گو مختلف فرقون سے ہون۔

(یہی سنیون کا بھی قول ہے)

وراثت مرتد کے باب مین بھی یہی قاعدہ جاری ہوگا یعنی کو مرتد قرابتدار مسلم کا وارث نہوگا مگر ورثہ مسلم مرتد کے وارث ہونگے۔

شافعیہ کے نزدیک مرتد کا متروکہ بیت المال مین چلا جائیگا خواہ اُسکا کوئی وارث ہو خواہ نہو حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی مرد مرتد ہوجاوے تو جسوقت اُسنے جائداد حاصل کی تھی اُسکی نسبت کچھ فرق رکھا جائیگا۔ مثلاً اگر مرتد ہونے کے قبل اُسنے جائداد حاصل کی ہو تو وہ ورثہ مسلم کو ملیگی لیکن اگر مرتد ہونے کے بعد حاصل کی ہو تو بیت المال مین چلی جائیگی۔ اسیطرح جو حصہ مرتد نے قبل ارتداد حاصل کیا ہو وہ ورثہ مسلم کو ملیگا اور جو حصہ بعد ارتداد حاصل کیا ہو وہ بیت المال مین چلا جائیگا۔

یہی قول امام اعظم ابو حنیفہ کا ہے اور جو اصول اُنھون نے قائم کردیا ہے اُسی کی پابندی اکثر بلاد اسلام مین کیجاتی ہے۔ مگر امام ابو یوسف اور امام محمد نے اس مسئلہ مین امام اعظم سے اختلاف کیا ہے اور ان دونون صاحبون نے شیعون سے اسمین اتفاق کیا ہے کہ کل جائداد مرتد کی ورثہ مسلم کو ملیگی[1] لیکن اگر کوئی عورت مرتد ہوجاوے تو اُسکی کل جائداد خواہ قبل ارتداد خواہ بعد ارتداد حاصل ہوئی ہو ورثہ مسلم کو ملیگی[2]۔

سنیون کے مذہب مین اختلاف ملک بھی جس سے دوسرے ملک کے بادشاہ کی رعیت ہونا لازم آوے مانع ارث ہے۔ مگر یہ صرف غیر مسلم پر صادق آتا ہے۔ مسلمین گو مختلف

[1] سرجان فیر صاحب جج ہائی کورٹ کلکتہ کا حکم مقدمہ زینب بی بی مصدرہ ۱۸۶۳ع جسکا رپورٹ نہین ہوا ہے ملاحظہ ہو۔

[2] منہ سنہ سراجیہ صفحہ ۵۰ اور فتاوای عالمگیری صفحہ ۶۳۳ سنہ ۱۲ منہ

پادشاہون کی رعایا ہون ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہین - مگر سلاطین[1] اسلام نے خاص معاہدہ کے روسے پادشاہان غیر مسلم کی رعایا کو یہ حق عطا کیا ہے کہ بلاد اسلامیہ مین بذریعہ وراثت جائدادین حاصل کرین —

شیعون کے نزدیک اختلاف قومیت مانع ارث نہین ہے

۲ قتل عمد کا مانع ارث ہونا

شیعون کے مذہب مین قتل انسان مانع ارث جب ہوتا ہے کہ جب عمداً اور بلا سبب وقوع مین آیا ہو - اگر کوئی کسی کو سہواً یا اتفاقاً قتل کر ڈالے تو قاتل مقتول کی وراثت سے ممنوع ہوگا - مگر نیت قتل کا ہونا صاف صاف ثابت کر دیا جاوے -

حنفیہ کے نزدیک قتل انسان خواہ عمداً ہوا ہو خواہ سہواً ہمیشہ مانع ارث ہوتا ہے - لکن اگر کوئی فعل طفل یا مجنون کا باعث کسی کی موت کا ہو جائے تو وہ بچہ یا وہ مجنون متوفی کی وراثت سے محجوب نہ ہو جائیگا - یا جب کوئی شخص کسیکو محاربہ جائز مین مار ڈالے یا حاکم شرع کے حکم سے کسی کو سزا دینے مین مار ڈالے تو ایسا شخص مقتول کی میراث سے ممنوع نہو جائیگا

شافعیہ کے نزدیک جو شخص کسی کو کیسے ہی حالات مین مار ڈالے وہ بالکل محجوب الارث ہو جائیگا —

۳ — رقیت یعنی غلامی سنی اور شیعہ دونونکے نزدیک مانع ارث ہے

شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص لاوارث مرجائے اور سوائے ایک غلام کے اور کوئی وارث نہ چھوڑے تو اسکی جائداد کو فروخت کر کے اُسکی قیمت سے وہ غلام آزاد کر دیا جاوے سنی کہتے ہین کہ اُسکی جائداد بیت المال مین بھیجدیجاوے —

اگر کوئی شخص مر جائے اور ایک وارث حر یعنی آزاد اور ایک عبد یعنی لونڈی یا غلام چھوڑ جائے تو اسکی کل جائداد وارث حر کو ملیگی اور وارث عبد بالکل محجوب الارث رہیگا کو

---

[1] شبلی صاحب کی شرع محمدی صفحہ ۳۰ — ۳۱ — حاشیہ ۱۲ منہ —

متوفی سے کیسی ہی قرابت قریبہ رکھتا ہو — اگر کسی لونڈی یا غلام کی کوئی اولاد ہو اور وہ حر ہو
تو وہ بترجیح اپنی ماں یا باپ کے وارث ہوگی —

شیعوں کے مذہب میں حرامزادگی مانع ارث ہے — مگر ولد الزنا اور ولد الملاعنہ میں
فرق کیا گیا ہے (ولد الملاعنہ وہ ہے جسکی ولدیت کا انکار اُسکے باپ نے کیا ہو) ولد الزنا
خواہ لڑکا ہو یا لڑکی نہ سمجھا جاتا اور والدین کی نسب سے نہیں تصور کیا جاتا لہذا والدین میں سے
کسیکا وارث نہیں ہو سکتا — اگر ولد الزنا مر جائے اور والدین یا ایسے اقربا چھوڑ جائے
جو والدین کے ذریعہ سے اُسکے قرابت دار ہوں تو اُنمیں سے کوئی اُسکا وارث نہوگا —

ولد الزنا کی اولاد حلال اور اُسکی زوجہ یا شوہر اُسکے وارث ہونگے اور ایک دوسرے کے
وارث بھی ہونگے — لیکن جب ولد الزنا کوئی اولاد حلال یا کوئی شوہر یا زوجہ نہ چھوڑے تو اُسکی
جائداد امام کو ملیگی — مگر ولد الملاعنہ کے باب میں حکم شرع اور ہے — ایسی اولاد اپنی ماں
اور اُسکے عزیزوں سے نسب رکھتی ہے لہذا اُنکی وارث ہوتی ہے اور وہ اُسکے وارث ہوتے ہیں
پدر ملاعن اور جو لوگ اُسکے ذریعہ سے قرابت رکھتے ہوں ولد الملاعنہ کے وارث نہیں ہوتے
گو بعد ازاں باپ اُسکی ولدیت کا اقرار بھی کرے — لیکن اگر ولدیت کا انکار کرنے کے بعد پھر اسکا اقرار
کر لیا جائے یعنی باپ اپنے انکار ولدیت کو واپس کر لے تو وہ لڑکا باپ کا ترکہ تو پائیگا مگر اقربائے
پدری کا ترکہ نہ پائیگا —[۱]

سنیوں کے مذہب میں ولد الزنا اور ولد الملاعنہ دونوں برابر ہیں — ولد الزنا[۲] اور
ولد الملاعنہ دونوں اپنی ماں اور اقربائے مادری کا ترکہ پاتے ہیں اور وہ بھی اُسکا ترکہ پاتے ہیں
مگر یہ بیان کرنا ضرور ہے کہ بعض علمائے شیعہ علمائے اہل سنت سے اسمیں متفق ہیں کہ
ولد الزنا اپنی ماں اور اقربائے مادری کا ترکہ پانے کا مستحق ہے — ہندوستان[۳] کی عدالتوں نے
پہلے مسئلہ کو اختیار کرکے اُسکے موافق عمل کیا ہے —

---

[۱] شرائع الاسلام جامع شتات — [۲] فتاوی عالمگیری صفحہ ۶۲۹ — [۳] سدرلینڈ صاحب کا ٹیگور لیکچر صفحہ ۲۱۲ — ۱۴ سنہ

محجوب الارث ہونے کے اصول

حجب دو قسم کا ہے — الحجب عن بعض الفرض - اور الحجب عن الاصل

عام اصول یہ ہے کہ عزیز قریب عزیز بعید کا حاجب ہوتا ہے —

(یہی اصول سنیون کا بھی عصبات کی میراث مین ہے)

طبقۂ ثانیہ کے وارث کا حاجب طبقۂ اولیٰ کا وارث ہوتا ہے اسمین کچھ ذکور و اناث کا امتیاز نہین ہے — مثلاً بیٹی پوتی کی حاجب ہوتی ہے —

جب متعدد اولاد صلبی کئی طبقون کے ہون تو قریب بعید کا حاجب ہوتا ہے — اولاد حقیقی اور سب اقربا کی حاجب ہوتی ہے سوائے والدین اور شوہر یا زوجہ کے

بھائی اور بہنین بھانجون بھتیجون اور بھانجیون بھتیجیون کی حاجب ہوتی ہین —

اقربائے نسبی مین بھی قریب بعید کا حاجب ہوتا ہے - مثلاً طبقۂ ثانیہ کے اقربائے نسبی یعنی بھائی اور بہنین اور انکی اولاد طبقۂ ثالثہ کے اقربا یعنی چچا اور پھوپی اور ماموں اور خالہ اور انکی اولاد کی حاجب ہوتی ہے —

اقربائے عینی اقربائے علاتی کے حاجب ہوتے ہین بشرطیکہ ایک طبقہ کے ہون

اول درجہ کے اجداد دوسرے درجہ کے اجداد کے حاجب ہوتے ہین —

قرابت دار نسبی چاہے کیسا ہی دور کا رشتہ دار ہو عاتق کو محجوب الارث کر دیتا ہے —

(سنیون کے مذہب مین عاتق ذوی الارحام پر ترجیح رکھتا ہے)

الحجب عن بعض الفرض یعنی سہام شرعیہ مین کمی تین صورتون مین ہوتی ہے —

(۱) جب متوفی کی اولاد زوجہ یا شوہر کے حصہ کو ایک ربع یا ایک نصف سے کم کر کے ایک ثمن یا ایک ربع کر دیتی ہے —

(۲) جب متوفی کی اولاد اسکی مان کے حصہ کو ایک ثلث سے گھٹا کر ایک سدس کر دیتی ہے گو خود اُس اولاد کو کچھ نہ ملے —

بھائی اور بہنون کے ہونے سے مان کا حصّہ چار شرطون سے کم ہوجاتا ہے
اوّل یہ کہ دو یا زیادہ بھائی یا ایک بھائی اور دو بہنین یا چار یا زیادہ بہنین ہون۔
دوئم یہ کہ وہ لونڈی غلام نہون غیر مسلم نہون نہ قتل عمد کا جرم اُنپر ثابت ہوا ہو۔ اگر وہ لونڈی غلام ہون یا غیر مسلم ہون یا قتل عمد کا جرم اُنپر ثابت ہوگیا ہو تو وہ مان کے حصّہ کو نہ کم کرینگے۔
سوئم یہ کہ باپ بھی موجود ہو۔
چہارم یہ کہ وہ بھائی بہنین برادران وخواہران عینی یا علاتی ہون۔
اگر کوئی شخص والدین چھوڑکر مرجائے اور مان اُسوقت حاملہ ہو اور بعد اُسکے توام یعنی جوڑوان لڑکے اُسکو پیدا ہون تو یہ لڑکے مان کے حصّہ کو ایک ثلث سے گھٹاکر ایک سُدس نہ کرینگے۔
اصول حجب سنیون کے شیعون کے اصول حجب کے مشابہ ہین۔ یعنی جو کوئی متوفی سے دوسرے کے ذریعہ سے قرابت رکھتا ہو اُسکا وارث نہوگا درآنحالیکہ وہ دوسرا شخص زندہ ہو سوائے مان کی اولاد کی جو مان کے ساتھ ترکہ پاتی ہے اگر وہ مان ہی کے ذریعہ سے متوفی سے قرابت رکھتی ہے، اسواسطے کہ مان کل ترکہ پانے کی مستحق نہین ہے۔ عصبات مین بھی اعزاے قریب اقرباے بعید کے حاجب ہوتے ہین۔ بہنون کی حاجب بیٹے و بیٹیان ہوتی ہین اور نانی کی حاجب مان ہوتی ہے۔
بہن اپنی خواہر متوفیہ کی اولاد کی حاجب ہوتی ہے۔
بیٹی دختر متوفیہ کی اولاد کی حاجب ہوتی ہے۔ برادر عینی کی بیٹی او بیٹیان برادران وخواہران علاتی کی حاجب ہوتی ہین۔ برادران وخواہران عینی کا حاجب بیٹا او پوتا اور باپ اور دادا ہوتا ہے۔ برادران وخواہران علاتی کی حاجب اشخاص مذکورہ بالا کے ہین اور برادران وخواہران عینی بھی ہین برادران وخواہران اخیافی کی حاجب اولاد میت کی

اولاد اور باپ اور دادا ہے۔ ماں سب[1] دادیوں اور نانیوں کی حاجب ہے۔

عام احکام میراث

محجوب الارث ہونے کے اسباب جو کفر اور قتل انسان ہیں انکا اثر اس شخص کی ذات خاص پر محدود ہے جو کافر ہو یا ہو گیا ہو یا جو مرتکب جرم قتل عمد کا ہوا ہو دیگر جملہ اشخاص کی نسبت اِن دونوں سببوں کا اثر ایسا ہوتا ہے کہ گویا وہ شخص مر گیا ہے۔ مگر اُن دو اصولِ حجب کا اثر جو ایسی خاص ورثہ کے موجود ہونے سے پیدا ہوتے ہیں جو دیگر ورثہ پر وراثتاً ترجیح رکھتے ہیں یہ ہوتا ہے کہ بہت سے اشخاص محجوب الارث ہو جاتے ہیں یعنی جب ایک شخص کو دوسرے شخص نے محجوب الارث کر دیا ہے تو یہ محجوب اوروں کا یا بالکل حاجب ہو سکتا ہے یا اُنکے حصوں کو کم کر دیتا ہے۔ یا یوں کہیے کہ جو شخص متوفی کی قرابت سے کچھ فائدہ نہ اُٹھا سکے اوروں کے حجب کا باعث ہو سکتا ہے گو حجب کلی نہیں حجب جزئی سہی[2]۔

عام احکام میراث مختصر طور سے اسطرح بیان ہو سکتے ہیں

(۱) جو شخص متوفی سے قرابت قریبہ رکھتا ہو وہ بترجیح اُس شخص کے پاتا ہے جو اُس سے قرابت بعیدہ رکھتا ہو۔ (۲) جو وارث متوفی سے دوہری قرابت رکھتا ہو وہ اُس وارث پر ترجیح رکھتا ہے جو اُس سے ایک ہی قرابت رکھتا ہو (باپ کی جانب سے)۔ (۳) جو شخص دوسرے شخص کے ذریعہ سے متوفی سے قرابت رکھتا ہو اُسکا وارث نہوگا درانحالیکہ وہ دوسرا شخص زندہ ہو۔ (۴) جب قرابت مساوی درجہ کی ہو تو مرد عورت کا دوچند پائیگا[3]۔

عول یعنی اضافہ میراث کا مسئلہ جو سنیوں میں جاری ہے شیعوں کے نزدیک ناجائز ہے

[1] حجب کی مثالیں فتاوائے عالمگیری جلد ۶ صفحہ ۶۳۰ میں لکھی ہیں۔ [2] منہ [3] و [illegible] صفحہ ۶ [illegible]

[3] ان قواعد عامہ کے قائل کسیقدر اختلاف کے ساتھ اہل سنت بھی ہیں۔ و [illegible] اختلاف اسوجہ سے پیدا ہوا ہے کہ اہل سنت نے ذوی الارحام کا دوسرا درجہ قرار دیا ہے

عول فقہاے اہلِ سنت کی اصطلاح میں اسکو کہتے ہین کہ سہام مطلوبہ حاصل کرنے کیلیے مقسم مشترک مین ایک نسبتی اضافہ کردیا جاتا ہے ۔ مثلاً اگر کوئی عورت ایک شوہر دو بیٹیان اور ایک مان چھوڑ جاے تو اُنکی سہام شرعیہ ایک ربع دو ثلث اور ایک سُدس ہونگے ۔

اِس صورت مین مقسم مشترک بارہ ہے جس سے وہ سہام نکلتے ہین جنمین جائداد تقسیم کرنی پڑیگی ۔ یعنی شوہر کا حصہ تین اور بیٹیون کا حصہ آٹھ اور مان کا حصہ دو ہوگا مگر تین اور دو اور آٹھ کا مجموع تیرہ ہوتا ہے ۔ لہٰذا اہل سنت جائداد کو تیرہ ۱۳ حصو نمین تقسیم کرتے ہین تاکہ ہر ایک وارث کو اسکا پورا اور ٹھیک سہم شرعی ملے ۔

شیعہ اس خود رایانہ تقسیم کو جائز نہین جانتے ۔ بلکہ جب وہ دیکھتے ہین کہ جائداد تقسیم مین سہام مطلوبہ سے کم پڑتی ہے تو وہ کمی اُس وارث یا اُن ورثہ پر عائد ہوتی ہے جنکا حصہ یا حق تغیر پذیر یا اختلاف پذیر ہو ۔ مثلاً صورت مذکورہ بالا مین شیعون کے نزدیک مان اور شوہر اپنے پورے حصے بلا کم و کاست پائینگے اور باقی بچے ہوے ۱۲/۷ دونون بیٹیون پر تقسیم کردیا جائیگا[1] ۔

---

[1] صاحب مفاتیح اور صاحب روضۃ الاحکام دونون کو اتفاق ہے کہ ایسی کمی بیٹی یا بیٹیون پر یا اُن اشخاص پر (جیسے بہن یا بہنین) عائد ہوگی جو مان اور باپ دونون کی طرف سے قرابت رکھتے ہون یا صرف باپ کی جانب سے قرابت رکھتے ہون مان کی طرف کے عزیزون پر نہ عائد ہوگی ۱۲ منہ

نقشہ تقسیم میراث موافق مذہب شیعہ اثنا عشریہ

نسب

سبب

طبقہ اول

طبقہ دوم

طبقہ سوم

آبائے حقیقی
یعنی ماں باپ

اولاد صلبی

چچا اور پھوپھیاں
اور انکی اولاد

ماموں و خالائیں
اور انکی اولاد

آبائے درجہ دوم یعنی
دادا پردادا اسکے دادا وغیرہ

بھائی اور بہنیں اور
انکی اولاد

زوجیت

ولاء

شوہر

زوجہ

ولاء الامامت

ولاء ضامن الجریرہ

ولاء العتق
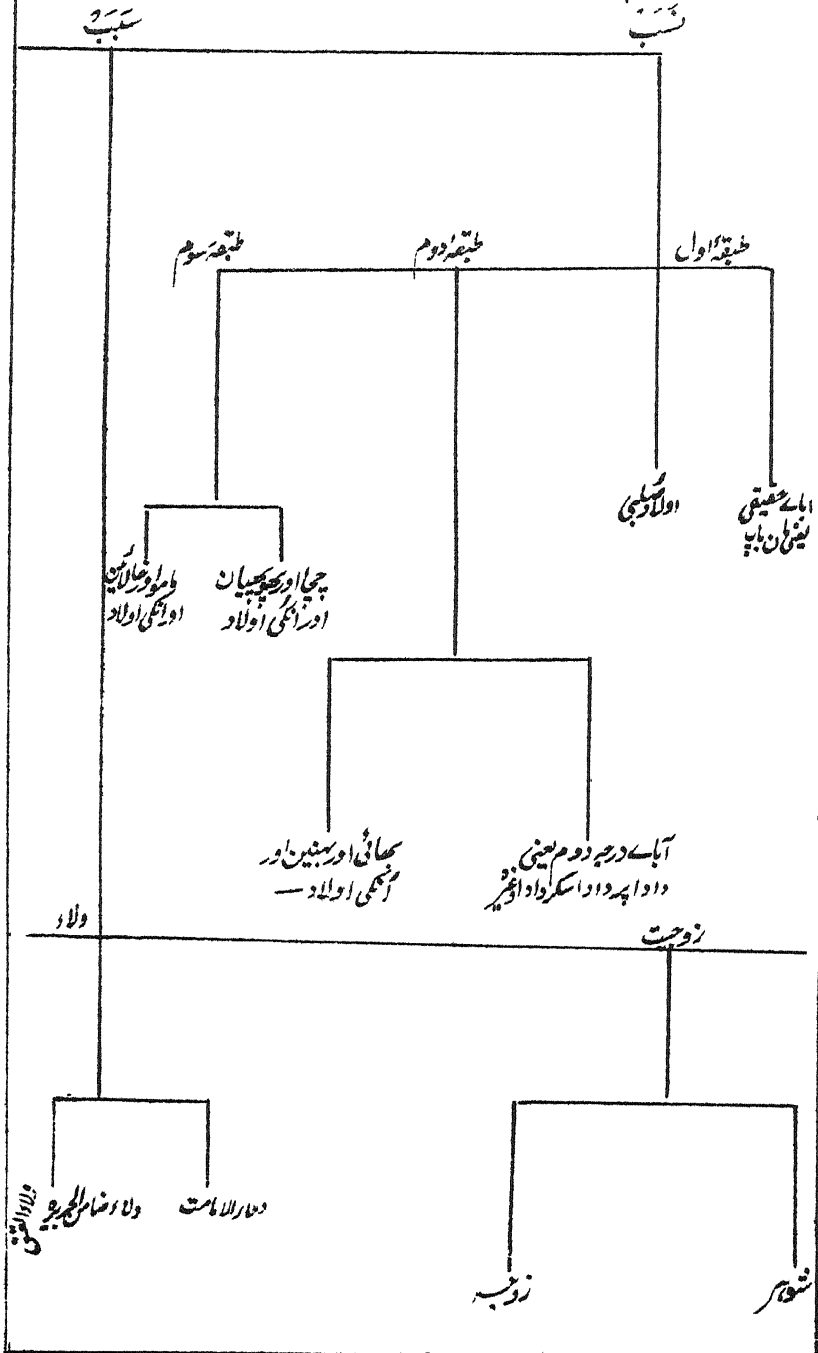
تفصیل مختلف اقسام میراث بموجب شرع حنفی

سب ورثہ بنظر سہولت دو طبقون پر منقسم کیئے گیے ہین —

طبقۂ اول مین اصحاب الفرائض یا ذوی الفروض داخل ہین —

طبقۂ ثانی مین اہل المیراث یعنی عصبات داخل ہین —

قسم اول

عصبات نسبیہ جنمین سب ورثہ فطری از قسم ذکور داخل ہین اور جو چار فرقون اور بے انتہا شعبون پر منقسم ہین اُنکے باب مین قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ قریب القرابت ہمیشہ بعید القرابت کا حاجب ہوتا ہے

(الف) اولاد ذکور صلبی (جزء المیت)

(ب) آبار و اجداد ذکور (اصل المیت)

(ج) اقربار بلا واسطہ (جزءِ المیت) یعنے (۱) برادران عینی (۲) برادران علاتی (۳) پسران برادران عینی (۴) پسران برادران علاتی —

(د) اقربار با لواسطہ یعنے (۱) عینی چچا — (۲) علاتی چچا — (۳) عینی چچا کے بیٹے (۴) علاتی چچا کے بیٹے — (۵) باپ کے عینی چچا — (۶) باپ کے علاتی چچا — (۷) باپ کے عینی چچا کے بیٹے — (۸) باپ کے علاتی چچا کے بیٹے — (۹) دادا کے عینی چچا — (جزء جد المیت) (واضح ہو کہ عصبات اُناث کے حقوق سابق مین بیان ہو چکے ہین) —

قسم دوم

عصبات سببیہ یعنی عاتق اور اُسکا قریب ترین عصبات ذکور —

قسم سوم

ذوی الفروض جو ردًا پاتے ہین — (من یرد الیہ) جب اقسام مذکورہ بالا مین سے کوئی وارث نہو تو ذوی الفروض اُس جزء جائداد کے بھی مستحق ہو جاتے ہین جو اُنکے سہام

شرعیہ نکالنے کے بعد باقی رہے۔

قسم چہارم

ذوی الارحام جنمین وہ سب ورثہ داخل ہین جو متوفی کے اقربائے اناث کے ذریعہ سے اُسکے قرابت دار ہوں۔ اُنکے چار فرقے ہین اور اُنمین بھی یہی قاعدہ ہے کہ قریب القرابت بعید القرابت کا حاجب ہوتا ہے۔

(الف) نواسے اور نواسیان اور اُنکی اولاد ذکور و اناث چاہے کیسے ہی بعید القرابت ہون (اولادُ البنات)

(ب) دادی کا باپ اور نانا کی مان۔ اُنکے بعد اُنکے اجداد جنکو اجداد فاسدین کہتے ہین

(ج) بھانجے اور بھانجیان چاہے کیسی ہی بعید درجہ کی ہون (اولادُ الاخوات) اور عینی اور علاتی بھائیون کی بیٹیان اور اُنکی اولاد (بناتُ الاِخوان) اور پسران برادران اخیافی اور اُنکی اولاد (اولادُ الاخوان لِلاُمّ)۔

(د) پھوپھیان (۱) عینی (۲) علاتی (۳) اخیافی (عمات)
" " اُنکی اولاد اُسی ترتیب سے
" " ماموں ایضاً (اخوال)
" " اُنکی اولاد ایضاً
" " خالائین ایضاً (خالات)
" " اُنکی اولاد ایضاً
" " اخیافی چچا اور پھوپھیان (اعمام الامی)
" " اُنکی اولاد ایضاً

قسم پنجم

مولی الموالات یعنی متوفی کا مربی و سرپرست اگر متوفی لاوارث ہو۔

قسم ششم

وہ شخص جسکی ولدیت کا اقرار متوفّی نے کر لیا ہو —

قسم ہفتم

موصٰی لہ یعنی جسکے حق مین متوفّی نے کچھ وصیت کی ہو —

قسم ہشتم

بیت المال (تمام مسلمانون کے فائدہ کے لیے)

نقشۂ ذیل سے امام محمدؒ کے قول کی توضیح خوب ہوتی ہے —

(پ) سے پسر اور (د) سے دختر سمجھیے

پ	پ	پ	د	د	د	د	د	د	د	د	د	
د	د	د	د	د	د	د	د	د	د	د	د	
پ	د ۱	د ۲	پ	پ	پ	د	د	د	د	د	د	
د	د	د	پ	د ۲	د ۳	پ	پ	پ	د	د	د	
د	پ ۱	د ۳	د	د	پ	د	د	پ	د	د	د	
د ۱	د ۲	د ۳	د ۴	د ۵	پ ۶	د ۷	د ۸	پ ۹	د ۱۰	پ ۱۱	پ ۱۲	

اِس نقشہ مین بارہ ۱۲ ورثہ ذکور و اناث ہین — تین ۳ ذکور اور نو ۹ اناث — اور یہ سب چھٹی پشت مین ایک ہی درجہ کے وارث ہین — امام ابو یوسف کے نزدیک جائداد پندرہ ۱۵ حصّون پر تقسیم ہوکر ایک ایک حصہ ہر عورت کو اور دو دو حصے ہر مرد کو ملنے چاہئین مگر امام محمد کے نزدیک جائداد کے ساٹھ حصے ہونے چاہئین اور اس تفصیل سے تقسیم ہونے چاہئین کہ وارث نمبر ۱ کو ۱۲ حصے — وارث نمبر ۲ کو ۸ حصے — وارث نمبر ۳ کو ۴ حصے — وارث نمبر ۴ کو ۹ حصے — وارث نمبر ۵ کو ۳ حصے — وارث نمبر ۶ کو ۸ حصے

وارث نمبر ۷ کو ۲ حصے - وارث نمبر ۸ کو ۴ حصے - وارث نمبر ۹ کو ۳ حصے - وارث نمبر ۱۰ کو ۲ حصے - وارث نمبر ۱۱ کو ۱ حصہ - وارث نمبر ۱۲ کو ۲ حصے -

یہ تقسیم امام محمد نے اس بنیاد پر تجویز کی ہے کہ پہلے کالم مین تین مرد اور نو عورتین ہین پس جائداد کو ۱۵ حصون مین تقسیم کیجیے تا کہ ہر ایک مرد دو حصے اور ہر ایک عورت ایک حصہ پائے دوسرے کالم مین دوسری پشت کے ورثہ داخل ہین اور وہ سب اناث ہین اسلئے امام محمد نے کچھ تعرض نہین کیا ہے -

تیسرے کالم یعنی تیسری پشت پر پہنچ کر امام محمد نے پہلے کالم کے تین مردون کے محاذی ایک مرد اور دو عورتین پائین یعنی ز - اور ح - اُنھون نے پہلے کالم کے تین مردون کے چھ حصون کو لیکر دوسرے کالم کے ایک مرد اور دو عورتون پر اسطرح تقسیم کیا ہے کہ مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ دیا ہے پس مرد کو چھ مین سے ۳ ملینگے اور دو عورتون کو فی عورت ۱½ ملیگا -

پہلے کالم کی نو عورتون کے محاذی جنمین سے ہر ایک نے ایک حصہ پایا تھا تیسرے کالم مین ۳ مرد اور ۶ عورتین ہین - پس بہ پابندی اصول لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ یعنی مرد کو دو عورتون کے حصہ کے برابر ملیگا امام محمد کو ۹ کو ۱۲ بنانا پڑتا مگر چونکہ ۱۲-۹ پورا نہین تقسیم ہو سکتا لہذا اُنھون نے ۱۲ کو تین سے تقسیم کیا تو حاصل قسمت ۴ ہوا اُسکو اصل حصون سے ضرب دیا تو ۶۰ حاصل ہوا - پس اُنھون نے ۶۰ کو اصل ورثہ مین یعنی پہلے کالم والون مین تقسیم کیا تو تین مردون کو فی کس ۸ ملے یعنی کل ۲۴ اور عورتون کو فی نفر ۴ ملے یعنی کل ۳۶ - پھر پہلی پشت کے تین مردون کے ۲۴ حصون کو اُنھین کے نیچے تیسری پشت کے تین شخصون پر لاکر اسی حساب سے تقسیم کیا ہے کہ مرد کو دو اور عورت کو ایک - پس تیسرے کالم مین پہلے خانہ کے مرد کو ۱۲ ملے ہین اور دونون عورتون یعنی د اور ر کو فی عورت ۶ ملے ہین - چونکہ ب کی نسل مین ذکور و اُناث کا اختلاف نہین ہوا ہے

لہٰذا اسکا حصہ ۱۲ اُسکی اولاد اُناث یعنی د۴ کو چھٹی پشت مین جاکر ملا ہے —

تیسرے کالم کے د۱ اور د۲ کے ۲ حصے اُسی طرح سے اُس پشت مین جاکر تقسیم ہوے ہین جسمین اختلاف ذکور و اُناث ہوا ہے یعنی پانچوین پشت مین جس سے پ۱ کو پانچوین خانہ کی ۶ ملے ہین جو اُسکی اولاد نے چھٹی پشت مین جاکر پاے ہین اور یہی کیفیت تیسرے کالم کی د۲ کے پانچوین خانہ مین ہوئی ہے — یعنی یون سمجھیے کہ — ۱ نے ۱۲ پاے

د۲ نے ۶ "

د۴ نے ۴ "

پہلی پشت کی ۹ عورتون نے جو ۳۶ حصے پاے ہین وہ تیسری پشت مین جاکر تقسیم ہوے ہین اس پشت مین پھر اختلاف ذکور و اُناث ہوا ہے. جس سے تین بیٹون نے ۱۸ حصے اور ۶ بیٹیون نے ۱۸ حصے پاے ہین —

چوتھی پشت مین تین مردون کے نیچے ایک مرد اور دو عورتین پائی جاتی ہین — پس وہ ۱۸ حصے انمین اسی طرح تقسیم ہوے ہین کہ چوتھے کالم مین پ۱ کو ۹ حصے ملے ہین اور اُس سے منتقل ہوکر د۴ تک پہونچے ہین — پھر چوتھی پشت کی ۲ عورتون یعنی د۱ اور د۲ کے ۹ حصے اُن دو آدمیون کو پہونچے ہین جو چھٹے کالم مین اُنکے نیچے ہین اور وہان پہونچکر معمولی طور سے تقسیم ہوے ہین جس سے د کو ۳ حصے اور پ کو ۶ حصے ملے ہین وقِس علیٰ ہذا —

ذوی الارحام کی میراث مین علاوہ نوع کے اسکا بھی لحاظ کیا جاتا ہے کہ کس جانب سے متوفی سے قرابت رکھتے ہین[۱] — اس مسئلہ مین صاحبین یعنی امام محمد اور امام ابو یوسف مین اختلاف ہے — امام محمد کے نزدیک اُن اشخاص کے قرب نسب کا لحاظ کرنا چاہیے جنکے ذریعہ سے اُن ورثہ نے جو زندہ ہین حق وراثت پایا ہے اور جنکو اصطلاح فقہا مین

---

[۱] شاماچرن کے لکچر شرح محمدیہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۵ اور سراجیہ صفحہ ۳۴ — اور مرزا صاحب کی کتاب مین وہ باب جسمین اقربائے بعید کی وراثت کا بیان ہے ملاحظہ ہو ۱۲ — منہ

اصول الا بعد ہی کہتے ہیں - مگر امام ابویوسف کے نزدیک خود ان وارثوں کے قرب نسب کا لحاظ کرنا چاہیئے —

مثال اسکی یہ ہے

دختر دختر دختر

دختر پسر دختر

دو دختر پسر

اس صورت میں حصص صحیحہ حاصل کرنے کے لیے ۲۸ حصے درکار ہیں - یعنی ۲۸ کا ۴/۷ = ۱۶ بیٹے کا حصہ بیٹیوں تک پہونچ جائیگا - پھر ۲۸ کا ۳/۱۴ = ۶ دوسری سطر میں بائیں طرف کی بیٹی کو ملیگا اور اُس سے اُسکا بیٹا پائیگا —

اس صورت میں امام ابویوسف کے نزدیک مال متوفی تین مساوی حصوں میں تقسیم ہونا چاہیئے کیونکہ ہر دختر کو جو جانبین سے قرابت رکھتی ہے ہر پسر کے برابر سمجھنا چاہیئے (جو ایک ہی جانب سے قرابت رکھتا ہے) مگر امام محمد کے نزدیک اس مال کی تقسیم ۲۸ حصوں میں ہونی چاہیئے یعنی ۲۲ حصے بیٹیوں کو اور ۶ حصے ایک بیٹے کو اسطرح ملینگے کہ دو بیٹیوں کو بیٹے تک دوسری سطر میں لیجائیے تو چار بیٹیاں ہونگی اور دو بیٹیوں کو بائیں طرف کی بیٹے تک دوسری سطر میں لیجائے تو ۴ بیٹیاں ہونگی اور ایک بیٹے کو دہنی طرف کی بیٹی تک لیجائے تو بمنزلہ ایک بیٹی کے ہوگا —

پس کل ۷ حصے ہونگے — انمیں سے چار حصے بیچ کے بیٹے کو دوسری سطر میں ملینگے اور باقی ماندہ تین حصے دوسری

سطر میں دو بیٹیوں میں برابر تقسیم کر دیے
جائینگے یعنی ہر ایک بیٹی کو ۱/۱۴ ملیگا -

ایک اور صورت میں فرض کیجیے کہ زید کی دو بیٹیاں تھیں وہ دونوں اُسکی زندگی میں مرگئیں - ایک بیٹی نے ایک بیٹا عمرو اور دوسری بیٹی نے ایک بیٹی ہندہ چھوڑی - عمرو کی شادی ہندہ کے ساتھ ہوئی اُس سے بکر پیدا ہوا - بعد ازاں جب ہندہ کا شوہر اول عمرو مرگیا تو اُسنے خالد کے ساتھ عقد کرلیا اُس سے ایک دختر زینب پیدا ہوئی - تب زید مرگیا اور صرف دو وارث چھوڑے بکر اور زینب پس اُسکی جائداد کیونکر تقسیم ہوگی

اِس صورت میں امام ابو یوسف کے نزدیک بیٹا جو دوہری قرابت رکھتا ہے بجاے چار بیٹیوں کے لیا جائیگا اور جائداد تقسیم کیجائیگی تو بیٹے کو ایک حصہ ملیگا - مگر امام محمد کے نزدیک جائداد کے ۶ حصے کر کے ۵ حصے بیٹے کو اور ایک حصہ بیٹی کو اسطرح دیا جائیگا کہ دوسری سطر میں بیٹے کو ۲/۳ ملیگا اور اُس سے اُسکا بیٹا پائیگا - پھر دوسری سطر میں بیٹی ۱/۳ پائیگی اور اُسکا نصف بھی اُسکے بیٹے کو ملیگا - پس اُسکو بیٹے کو ۵/۶ ملیگا اور باقی ۱/۶ بیٹی پائیگی

دوسری قسم یا درجہ کے ذوی الارحام جنہیں محجوب الارث دادا اور دادیاں شامل ہیں قاعدہ ذیل کے بموجب ترکہ پائینگے ___

ﻟﻪ بیلی صاحب کے شرح حنفی صفحہ ۷۰۷ - ۱۲ منہ

اگر دعویداران وراثت قرب و بعد مین ایک درجہ کے ہون اور کوئی اُنمین ایسا نہو جو متوفی سے بذریعہ کسی ذوالفروض یا عصبہ کے قرابت رکھتا ہو یا وہ سب کے سب ورثہ کے ذریعہ سے قرابت دار ہون تو اس صورت مین اگر وہ اقربا جنکے ذریعہ سے اُنکو قرابت ہوئی ہے متحد النوع ہین یعنی سب ذکور یا سب اُناث ہین اور وہ سب ایک طرف سے قرابت رکھتے ہین (یعنی صرف متوفی کے مان کی جانب سے یا باپ کی طرف سے) تب جائداد اُن سب مین برابر تقسیم کردیجائیگی۔

لکن اگر برخلاف اسکے وہ سب درجۂ قرابت مین تو برابر ہون مگر جنکے ذریعہ سے وہ قرابت رکھتے ہون وہ مختلف النوع ہون تو جائداد کی تقسیم پہلے درجہ سے ہوگی جسمین اختلاف نوع ہوا ہے جیسا پہلے قسم کے ورثہ مین ہوتا ہے یعنی تقسیم اُس درجہ یا طبقہ سے شروع ہوگی جسمین اختلاف نوع شروع ہوا ہے اور اس اصول پر تقسیم ہوگی کہ مرد عورت کا دوچند پائیگا۔ تب ذکور کا ایک گروہ اور اُناث کا دوسرا گروہ قرار دیکر اُنکے حصص معمولی طور سے لگائے جائینگے۔

لکن اگر مختلف قسم کی قرابت ہو یعنی دعویداران میراث متوفی کے مان یا باپ کے ذریعہ سے اُس سے قرابت رکھتے ہون تو (گو وہ سب درجۂ قرابت مین برابر ہون) جائداد کی تقسیم اس اصول پر ہوگی کہ اقربا ے پدری کو فی نفر دو حصے اور اقربا ے مادری کو فی کس ایک حصہ ملیگا یعنی اقربا ے پدری کے گروہ کو دو ثلث اور اقربا ے مادری کے گروہ کو ایک ثلث دیا جائیگا۔

اس قسم کے اقربا ے بعید کے باب مین عام قاعدہ یہ ہے کہ اگر درجۂ قرابت مین وہ سب برابر نہون تو قریب بعید پر ترجیح رکھتا ہے۔ اگر وہ سب درجۂ قرابت مین برابر مگر سمت قرابت مین مختلف ہون تو تقسیم اس اصول پر ہوگی کہ اقربا ے پدری کو دو حصے اور اقربا ے مادری کو ایک حصہ ملیگا۔ اگر وہ سمت قرابت مین موافق ہون اور سب اصول یعنی وہ لوگ جنکے ذریعہ سے وہ متوفی سے قرابت رکھتے ہین متحد النوع ہون تو تقسیم دعویدارون کی تعداد کے موافق ہوگی لکن اگر اصول مختلف النوع ہون تو جائداد کی تقسیم اُس اختلاف نوع کے موافق ہوگی جو

سب سے اعلیٰ طبقہ مین ہوا ہے جیسا کہ پہلی قسم مین ہوتا ہے۔

تیسرے درجے کے اقارب۔ بعد بہی بھتیجے بہن کی اولاد اور بہائی کی بیٹیان اور برادران اخیافی کے بیٹے داخل ہین انہی اصول کے موافق ترکہ پائینگے کہ قریب کو بعید پر ترجیح دیجائیگی۔ لیکن جب سب درجہ قرابت مین برابر ہون تو عصبہ کی اولاد کو غیر عصبہ کی اولاد پر ترجیح دیجائیگی۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایک بہانجی کا بیٹا اور ایک بھتیجے کی بیٹی چھوڑ جاوے کہ یہ دونون اُس سے درجۂ قرابت مین برابر ہین تو کل جائداد بھتیجے کی بیٹی کو ملیگی اسواسطے کہ وہ ایک عصبہ کی اولاد ہے بہن بہائی کے بیٹے کی۔

برادران وخواہران اخیافی کی اولاد مین ذکور و اناث سب برابر حصے پاتے ہین۔

حاشیہ ۳

اہل سنت کے مذہب مین یہ ہے کہ جب ذوی الفروض اور عصبات نہون تو ذوی الفروض کے سہام شرعیہ دینے کے بعد جو جائداد باقی رہے وہ اصول رد کے بموجب انھین مین اُنکے حصص کے موافق تقسیم کردیجائیگی۔

علمائے متقدمین کا یہ قول ہے کہ شوہر و زوجہ ردّا پانے کے مستحق نہین ہین مگر متاخرین کے نزدیک یہ ہے کہ جب دیگر ورثہ نہون تو شوہر یا زوجہ ردّا پائینگے۔

جو ورثہ ردّا پاسکتے ہین وہ سات ہین۔ (۱) مان (۲) دادی (۳) بیٹی (۴) پوتی (۵) خواہر عینی (۶) خواہر علاتی (۷) برادر یا خواہر اخیافی۔ ایک یا دو یا تین قسم کے ورثہ کو ایک ہی وقت مین ردّا مل سکتا ہے۔ مگر تین سے زیادہ ایک ہی وقت مین ردّا نہین پاسکتے۔

سہام شرعیہ نکالنے کے بعد باقی اشخاص مذکورہ بالا کو اُنکے حصص کی مقدار سے

سلف سراجیہ صفحہ ۵۴ – ۱۲ منہ سلف سراجیہ صفحہ ۵۴ – ۱۲ منہ ۹۳ درالمختار صفحہ ۹۶۱ – ۸۶۹ – ۱۲ منہ

موافق دیا جاتا ہے یعنی جب متوفی کی ایک دادی اور ایک خواہر اخیافی ہو تو ہر ایک کا حصہ $\frac{1}{6}$ ہوگا لہٰذا باقی انہیں برابر تقسیم کردیا جائیگا —

جب ایک بیٹی اور ماں ہو تو انکے حصے $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{6}$ ہونگے لہٰذا باقی انکے حصوں کی مقدار کے موافق انہیں تقسیم کردیا جائیگا یعنی $\frac{1}{12}$ اور $\frac{3}{12}$ —

جب دو زوجین اور ایک ماں اور تین بیٹیاں ہوں تو دو زوجوں کو $\frac{1}{8}$ ملیگا ماں کو $\frac{21}{24}$ کا $\frac{1}{5}$ = $\frac{21}{120}$ ملیگا — اور تینوں بیٹیوں کو $\frac{21}{24}$ کا $\frac{4}{5}$ = $\frac{84}{120}$ ملیگا یعنی ہر دختر کو $\frac{28}{120}$

تو ان سب کا مقسوم علیہ اعظم ۲۴۰ ہوا

لہٰذا ہر ایک زوجہ کا حصہ ۱۵ — اور دونوں زوجوں کا ۳۰ ہوا

" " ماں کا " ۴۲

ہر ایک بیٹی کا " ۵۶ اور تینوں بیٹیوں کا $\frac{168}{\text{میزان } 240}$

یا ماں : بیٹی = $\frac{1}{6}$: $\frac{1}{2}$ = ۱ : ۳

ماں — ($\frac{1}{6}$ + $\frac{1}{3}$ × $\frac{1}{4}$) = $\frac{1}{4}$

بیٹی — ($\frac{1}{2}$ + $\frac{1}{3}$ × $\frac{3}{4}$) = $\frac{3}{4}$

یا زوجہ اور ماں : بیٹی

زوجہ = $\frac{1}{8}$

ماں : بیٹی = $\frac{1}{6}$: $\frac{1}{2}$ = ۱ : ۳

ماں = $\frac{7}{8}$ کا $\frac{1}{4}$ = $\frac{7}{32}$

بیٹی = $\frac{7}{8}$ کا $\frac{3}{4}$ = $\frac{21}{32}$

زوجہ ۴ — ماں ۷ — بیٹی ۲۱

۲ زوجین ایک ماں اور تین بیٹیاں

دوہری میراث

فرض کیجیے کہ متوفی نے چند وارث چھوڑے اور اُنمین سے ایک ترکہ تقسیم ہونے سے پیشتر مر گیا اور چند ورثہ چھوڑ گیا۔ اِس صورت مین یہ ورثہ ہر دو متوفی کا ترکہ پائینگے اگر وہ دونون کے وارث شرعی ہین اور اگر ایک ہی کے وارث ہین تو ایک ہی کا ترکہ پائینگے مثلاً ایک شخص نے اپنے مرنے کے بعد ایک بیٹا اور ایک بیٹی اور ایک برادر علاتی چھوڑا۔ اِس صورت مین بیٹا برادر علاتی کا حاجب ہے مگر ترکہ تقسیم ہونے کے پیشتر وہ بیٹا مر گیا تو اب اُسکے وارث صرف اُسکی بہن اور اسکا علاتی چچا رہا۔ پس اُس بیٹے کا حصہ $\frac{۲}{۳}$ اُسکی بہن و اُسکے چچا مین برابر تقسیم ہوگا اور بہن $\frac{۲}{۳}$ یعنی $\frac{۱}{۳}$ پائیگی اور چچا باقی $\frac{۱}{۳}$ پائیگا۔

ایک اور پیچیدہ مثال سراجیہ سے لکھی جاتی ہے۔

(۱) ایک عورت نے اپنی وفات کے بعد اقربائے ذیل چھوڑے۔

(الف) ایک شوہر = $\frac{۱}{۴}$

(ب) بیٹی اور ماں = $\frac{۱}{۲} : \frac{۱}{۶} = ۳ : ۱$

بیٹی = $\frac{۳}{۴}$ کا $\frac{۳}{۴}$ = $\frac{۹}{۱۶}$

ماں = $\frac{۳}{۴}$ کا $\frac{۱}{۴}$ = $\frac{۳}{۱۶}$

(۲) شوہر نے اپنی وفات کے بعد اقربائے ذیل چھوڑے۔

(الف) بیٹی = $\frac{۹}{۱۶}$ + $\frac{۱}{۴}$ کا $\frac{۱}{۲}$ = $\frac{۱۱}{۱۶}$

(ب) زوجہ = $\frac{۱}{۴}$ کا $\frac{۱}{۸}$ = $\frac{۱}{۳۲}$

(ج) ماں = $\frac{۱}{۴}$ کا $\frac{۱}{۶}$ = $\frac{۱}{۲۴}$

(د) باپ = $\frac{۱}{۴} - (\frac{۱}{۸} + \frac{۱}{۳۲} + \frac{۱}{۲۴}) = \frac{۲۴ - ۱۹}{۹۶} = \frac{۵}{۹۶}$

(۳) بیٹی نے اپنے مرنے کے بعد اقربائے ذیل چھوڑے۔

(الف) دادا = $\frac{۵}{۹۶}$ + $\frac{۱۱}{۱۶}$ کا $\frac{۱}{۶}$ = $\frac{۱۶}{۹۶}$

(ب) دادی = ۱/۲۴ × ۱۱/۱۶ کا ۱/۴ = ۱۵/۹۶

(ج) نانی = ۳/۱۶ × ۱۱/۱۶ کا ۱/۴ = ۲۹/۹۶

(د) دو بیٹے (ہر ایک) = ۱۱/۳۲ کا ۲/۵ = ۱۱/۸۰

(ر) ایک بیٹی = ۱۱/۳۲ کا ۱/۵ = ۱۱/۱۶۰

۱۶۰ — ۸۰ — ۹۶ — ۳۲ — ۱۶

اِن سب کا مقسوم علیہ اعظم اسطرح نکالا

۴ | ۴۸ ۹۶ — ۱۶۰
۴ | ۲۴ — ۴۰
۲ | ۶ — ۱۰
۳ — ۵

۴ × ۴ × ۲ × ۳ × ۵ = ۴۸۰

متوفیٰ اوّل کی ماں یعنی متوفی دوم کی نانی = ۴۸۰ کا ۲۹/۹۶ = ۱۴۵

باپ کی زوجہ = ۴۸۰ کا ۱/۳۲ = ۱۵

دادی = ۴۸۰ کا ۱۵/۹۶ = ۷۵

دادا = ۴۸۰ کا ۱۶/۹۶ = ۸۰

دو بیٹے فی کس ۱۱/۸۰ = ۱۳۲ +

بیٹی = ۱۱/۱۶۰ = ۳۳

میزان ۴۸۰

حاشیہ ۵

سنیوں کے مذہب میں متوفی کے پردادا کی اولاد ذکور عصبات میں داخل ہے اور متوفی کی خواہران عینی کی اولاد کی حاجب ہے — اسی طرح سے دادا کے بھائی کی اولاد بھی عصبات میں داخل ہے اور بترجیح اولاد دختر کے ترکہ پانے کی مستحق ہے[ؔ۱] —

حاشیہ ۶

برادران[illegible] وخواہران عینی اور برادران وخواہران علاتی کا حاجب بیٹا اور پوتا اور پروتا وغیرہ اور باپ اور دادا بھی ہے — برادران[۴۳] وخواہران علاتی کے حاجب برادران عینی ہیں

[۱] سدر لطیف صاحب کا ولیکلی پوٹر صفحہ ۲۹ — ۱۲ — ۱۳ منہ [illegible] درالمختار صفحہ ۸۲۶ اور سیلی صاحب کی شرح محمدی صفحہ ۶۸۹ — ۱۴ منہ [illegible] درالمختار صفحہ ۸۲۶

اور خواہر عینی بھی اُسوقت حاجب ہے جب کوئی بیٹی یا پوتی اُسکے ساتھ موجود ہو۔

حاشیہ ۷

مالکیہ اور شافعیہ حنفیہ سے اُن اصول مین متفق ہین جنپر تقسیم ورثہ اہل سنت کے نزدیک مبنی ہے
مثلاً اُنھون نے بھی حنفیہ کی طرح ورثہ کی تین قسمین کی ہین یعنی ذوی الفروض و عصبات اور ذوی الارحام
ذوی الفروض کے باب مین تو کچھ اختلاف نہین ہے۔ مگر عصبات کے بارے مین حنفیہ اور مالکیہ
و شافعیہ مین اکثر امور مین اختلاف ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک عصبہ بنفسہ کو حق وراثت
صرف چھٹے درجہ تک حاصل ہے (جیسا اُس نقشہ سے ظاہر ہے جو دوسرے صفحہ پر لکھا ہے)
اُنکے نزدیک شوہر یا زوجہ اور دادی اور برادران و خواہران اخیافی اپنی سہام شرعیہ
لینے کے بعد ما بقی جائداد کبھی نہین پاتے۔ اور دادا بھائیون کا حاجب نہین ہے
(جیسا حنفیہ کے نزدیک ہے) دادا ایک ثلث پاتا ہے اور مابقی بھائیون کو ملتا ہے
خواہ وہ عینی ہون خواہ علاتی۔

جب کوئی عصبہ نہو یعنی عصبہ بنفسہ یا عصبہ بغیرہ یا عصبہ مع غیرہ نہو یا کوئی خاص
سبب نہو جیسا عاتق یا اُسکا عصبہ تو متوفی کی جائداد بیت المال مین چلی جائیگی۔

حاشیہ ۸

مشرکین عرب کے دستورات کے موافق متوفی کی میراث مین صرف ایک امر عظیم کا لحاظ
رکھا جاتا تھا یعنی یہ امر کہ اُسکی جائداد اُسی کے خاندان مین رہے۔ اسوجہ سے میراث
صرف اقربا ے ذکور مین محدود و محصور کر دی گئی تھی اور اُنمین بھی اُن لوگون کو دیجاتی
تھی جو ہتھیار باندھ سکتے تھے۔ بیٹیان اور بیبیان اور مائین اور نابالغ ذکور و اُناث قطعاً
یا صریحاً محجوب الارث کر دیے گئے تھے۔ بیٹیان اسوجہ سے محجوب الارث تھین کہ اُنکا پیدا ہونا
عذاب الہی سمجھا جاتا تھا اور یہ وجہ بھی تھی کہ جب اُنکی شادی ہو گئی تو پھر اپنے خاندان سے

اور سراجیہ صفحہ ۱۸۔ ۱۲ منہ سلمہ المحرر۔ ۱۲ منہ۔

انکو کیا واسطہ رہا۔ نہ نان بیوہ اسوجہ سے محجوب الارث کردی گئی تھیں کہ وہ لونڈیان سمجھی جاتی تھیں اور اپنے شوہرون کی جائداد کا ایک جزو قرار پاکر اُنکے ورثہ کے حوالہ کردیجاتی تھیں۔ اور نابالغ اسوجہ سے محجوب الارث تھے کہ وہ اس قابل نہوتے تھے کہ اپنے قبیلہ کے حقوق و مواجب کا تحفظ بزور شمشیر کرسکین لہذا انکی جائداد انکی معلمون کی سمجھی جاتی تھی۔

قبائل یہود مین جو اپنے علما کی تعریف پر چلتے تھے یا ترکہ سب سے پہلے بیٹون اور اولاد ذکور کو ملتی تھی اسکے بعد بیٹیون اور انکی اولاد کو اسکے بعد باپ کو چوتھے درجہ مین بھائیون اور انکی اولاد کو۔ پانچوین درجہ مین بہنون اور انکی اولاد کو۔ اور چھٹے درجہ مین دادا و چچا اور پھوپھی وغیرہ کو اور متوفی کی اولاد مین بیٹے بیٹیون پر فضیلت رکھتے تھے یا یہ بھائیون کی اولاد کے بعد بیٹیون کا درجہ تھا۔ جب کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد ایسے پوتے اور پوتیان چھوڑجاتا تھا جنکا باپ پیشتر ہی مرچکا ہوتا اسکی جائداد اسطرح تقسیم ہوتی تھی کہ ہر ایک گروہ کو اُس شخص کا حصہ دیدیا جاتا تھا جسکے ذریعہ سے وہ متوفی کی توریث کا مستحق ہوتا تھا۔ دیگر اقربا کی نسبت بھی یہی قاعدہ جاری تھا۔ مان اپنی اولاد کا ترکہ کچھ نہ پاتی تھی اور جب حرامزادون کی ولدیت کا اقرار کرلیا جاتا تھا تو اُنکے حقوق حلال زادون کے حقوق کے برابر ہوجاتے تھے۔

ولد الحرام کا ترکہ پہلے باپ کو ملتا تھا اور جب باپ نہوتا تھا تو حاکم وقت کو یا قومی سرمایہ مین دیدیا جاتا تھا۔ مان کو کبھی ایک حبہ بھی نہ ملتا تھا۔ برادران و خواہران اخیافی کوئی حق وراثت نہین رکھتے تھے۔

شارع اسلام نے زمانہ جاہلیت کے کل رسوم و قوانین مین اصلاح فرمائی۔ شرع شریف مین حقوق وراثت اُن اشخاص کو دیے گئے ہین جو آئین قدیم کے بموجب بالکل محجوب الارث تھے۔ اس شرع جدید سے ایک بہت بڑا نتیجہ یہ پیدا ہوا ہے کہ تہذیب و شائستگی مین عورتوں کا پایہ بلند ہوگیا اور اُنکے اخلاقی اور تمدنی حالت مین ترقی ہوگئی اور بی بی و مان و بیٹیون اور بہنون کو حقوق وراثت حاصل ہوئے۔ فقط

جدول ب
نقشہ متضمن عصبات موافق مذہب شافعی ومالکی
مورث چوتھے درجہ کا
مورث تیسرے درجہ کا
مورث دوسرے درجہ کا (یعنی دادا)
مورث پہلے درجہ کا (یعنی باپ)
متوفی
بیٹے (درجہ ۱)
پوتے (درجہ ۲)
پروتے (درجہ ۳)
انکی اولاد (درجہ ۶)
بھائی (درجہ ۲)
بھتیجا (درجہ ۳)
بھتیجے کا بیٹا (درجہ ۴)
بھتیجے کا پوتا (درجہ ۵)
انکی اولاد (درجہ ۶)
چچا (درجہ ۳)
چچازاد بھائی (درجہ ۴)
چچازاد بھائی (درجہ ۵)
چچازاد بھائی (درجہ ۶)
باپ کا چچا (درجہ ۴)
باپ کے چچا کا بیٹا (درجہ ۵)
چچا کا بیٹا (درجہ ۶)
دادا کا چچا (درجہ ۵)
دادا کا چچازاد بھائی (درجہ ۶)
جامع الاحکام

دوسرا باب

اختلاف قوانین

یہانتک تو ہمنے مسلمانون کا قانون وراثت خاص کر سنی اور شیعہ کے اختلافات کا لحاظ کر کے بیان کیا۔ آب ہم مسلمانون کے قانون شخصی مین بحث کرتے ہین یعنی وہ قانون جو اُن اشخاص کی حیثیت پر موثر ہے جو شرع شریف کے پابند ہین۔

باستثنار چند اصول کے جنکا فعل ممالک اسلامیہ پر محدود و منحصر ہے مسلمانون کا قانون عموماً ایک شخصی قانون ہے یعنی اسکی احکام ہر مسلمان کی ذات خاص سے جہان کہین وہ بود و باش رکھتا ہو اُسوقت تک متعلق رہتے ہین جبتک وہ ظاہر مین بھی دائرہ اسلام کے اندر رہتا ہے۔ چنانچہ کفایہ[1] مین لکھا ہے کہ ہر مسلمان مطلقاً احکام شرع کا پابند ہے جہان کہین بود و باش رکھتا ہو۔ یہ صرف مسلمانان فطری پر منحصر نہین ہے۔ جو ہین کوئی شخص اپنے مذہب اصلی کو تبدیل کر کے دین اسلام قبول کر لیتا ہے یا شرع شریف کا پابند ہو جاتا ہے اُسی وقت اُس نومسلم سے تمام فرائض و تکالیف جو شرع مین منصوص ہین اور تمام حقوق و مواجب جو شرع نے بخشے ہین متعلق ہو جاتی ہین۔ لہذا شرع شریف مین صرف موطن و مسکن کے بدل جانے سے جبتک کہ اُسکے ساتھ طریق مذہبی بھی تبدیل ہو جاوے کسی مسلمان کی حیثیت شرعی مین کچھ فرق و تغیر نہین ہو سکتا۔ مگر واضح ہو کہ یہ خاص استحقاق صرف اسلام سے مخصوص نہین ہے اغلب ایسے ہی اصول یورپ کے بعض قوانین مین بھی موجود ہین۔ علماے اسلام کے نزدیک اسلام کی پابندی سے سلطنت اسلامیہ کی اطاعت مراد ہے لہذا ایسی ہی اطاعت مسلمانون کے حقوق اور ذمہ داریون کا معیار ہے۔ اطالیہ اور فرانس کے قانون کے بموجب بھی ایسا ہی ہے کہ حقوق دنیوی حاکم وقت کی رعیت ہونے پر موقوف ہین

[1] کفایہ صفحہ ۶۲۳، س ۱۳ منہ

بود و باش پر موقوف نہین ہین - لہذا جو دقتین قانون انگلستان اور شرع محمدی مین اختلاف سے پیدا ہوتے ہین وہ ملک اطالیہ یا فرانسیس مین نہ پیدا ہونگے - ایک مسلمان ترک یا مسلمان ایرانی جو ملک اطالیہ مین بود و باش رکھتا ہو جبتک اپنے مذہب پر قائم رہیگا اُسوقت تک اسکی نسبت یہی قیاس کیا جائیگا کہ اپنے وطن اصلی کے بادشاہ سے بیعت رکھتا ہے یا اُسکی رعیت ہے اور اسکی حیثیت اور اسکی وراثت مین اُسی سے ملک کا قانون جاری کیا جائیگا - لیکن اگر وہ ایمین سے کسی ملک کا باشندہ یا رعیت ہو جائے مگر اپنا مذہب تبدیل نہ کرے تو اُسکی حقوق و فرائض کا انضباط کیونکر ہوگا جر - کیا اپنے وطن اصلی کے بادشاہ کی اطاعت ترک کر دینا اِسکی دلیل سمجھا جائیگا کہ شرع محمدی کی پابندی بھی اُسنے چھوڑ دی ہے جر - شرع اس سوال کا جواب بصیغہ نفی دیا جائیگا اور کہا جائیگا کہ وہ شخص ہمیشہ احکام شرع کا پابند سمجھا جائیگا - مگر اطالیہ اور فرانسیس کے قانون کے بموجب اُسکے صورت اور ہی کچھ سمجھی جائیگی یعنی جس مسلمان نے اطالیہ یا فرانسیس مین دائمی بود و باش اختیار کر لی ہو یا اُس ملک کی رعیت بنگیا ہو وہ اُسوقت سے اُسی ملک کے قوانین کا پابند سمجھا جائیگا -

چونکہ اوائل مین سلطنت اسلامیہ اور ایشیا اور یورپ کی مخالف اسلام قومون مین ہمیشہ جنگ و جدل ہوا کیا لہذا متقدمین فقہاے اسلام نے متاخرین علماے نصاریٰ[1] کی طرح سب مہذب و شائستہ ملکون کو دو جزؤن پر منقسم کیا ہے یعنی دار الاسلام اور دار الحرب - دار الاسلام سے مراد وہ ملک تھا جسمین دین خدا جاری ہو اور علم کی روشنی پھیلی ہو اور دار الحرب وہ ملک تھا جسمین کفر و جہل غالب ہو اور یہ دونون ملک ہمیشہ ایک دوسرے کی دشمن سمجھی جاتی تھی - مگر جو غیر مسلم قومین سلطنت اسلامیہ کی سرحدین تجارت

---

[1] گروشیس اور پوفنڈارف نے خاص کر مسلمانون کو صاف لکھدیا ہے کہ یورپ کے مہذب عیسائی قومون کے ساتھ کسی قسم کے حقوق مشترکہ نہین رکھتے ہین بلکہ اُنکے بعد جو مقننین گذرے ہین اُنھون نے بھی

وغیرہ کی غرض سے داخل ہوتی تھین اُنکو شرع محمدی نے حفاظت شخصی کے اسباب و وسائل اُن ذرایع حفاظت سے بہتر و وسیع تر بخشے تھے جو ممالک عیسائی مین مہیا کیے گئے تھے۔

جب کوئی غیر مسلم کسی مسلمان ملک مین داخل ہوتا تھا تو مہمان سمجھا جاتا تھا اور جو امان اُسکو سرحد مین ملتی تھی وہی امان اُسکو ہر دہقان دیتا تھا۔ سال بھر وہ اُس ملک مین بے کھٹکے رہتا تھا اور کوئی اُسکو ایذا نہ پہونچا سکتا تھا۔ مگر سال بھر کے بعد اُسکو وہ ملک چھوڑ دینا پڑتا تھا یا کلفِ ذمی کی حیثیت قبول کرکے جزیہ یا معمولی خراج دینا پڑتا تھا تب وہ اُن تمام حقوق و مواجب کا مستحق ہو جاتا تھا جو شرع محمدی نے رعایائے مسلم کو بخشے ہین۔

جب کوئی مسلمان کسی غیر ملک مین چلا جاتا تھا تو اُسکی نسبت ہمیشہ یہ فرض کر لیا جاتا تھا کہ ضرور اپنے ملک مین واپس آئیگا اور وہ کسی صورت سے سلطنت اسلامیہ کی بود و باش نہین ترک کر سکتا تھا اور اگر وہان کی بود و باش ترک کرکے دار الحرب کی سکونت اختیار کر لیتا تھا تو مرتد سمجھا جاتا تھا اور شرعاً احکام میت اُسپر جاری ہوتے تھے۔ قومون کے باہمی راہ و رسم پر ایسی قید شدید لگانا اُن لڑائیون کا نتیجہ ضروری و لابدی تھا جنمین اپنے پیغمبر صلعم کی وفات کے بعد مسلمان گرد و نواح کی قومون سے مبتلا ہو گئے تھے۔ مگر جبسے سلاطین اسلام نے یورپ کے عیسائی بادشاہون سے شرائط مصالحہ طے کر لیے ہین اور جبسے خود عیسائیون نے اپنے تعصب مذہبی کو چھوڑ کر مسلمان قومون کو عدل و انصاف فطری مین اپنا شریک و سہیم کر لیا ہے اُسوقت سے شرع شریف کی شدت مین بہت خفت ہو گئی ہے۔ پس اب ہر مسلمان غیر ملک مین بود و باش کر سکتا ہے بے اسکے کہ وہ مسلمان نہ باقی رہے۔ علاوہ اسکے اب نئی نئی ملکی ضرورتین اور ملکی حالتین پیدا ہوئی ہین اور اب لاکھا مسلمان غیر مسلم سلطنتون کی رعایا ہین اور مستامن ہین یعنی اُنکے حقوق و مواجب کی حفاظت کیجاتی ہے

بھی اسی قول کی تائید کی ہے کہ قومی قانون یعنی وہ قانون جو ایک قوم کو دوسری قوم کی نسبت برتنا چاہئیے ممالک عیسائی پر محدود و منحصر ہے۔ ولگزی صاحب کا قومی قانون صفحہ ۵ – ۱۲ منہ

پس اسکا بھی بہت بڑا اثر مسلمانون کے قدیم خیالات شرعی پر ہوا ہے ـــ اب ان
جدید حالات مین ممکن ہے کہ جو مسلمان کسی خاص صوبہ مین رہتا ہو جہان احکام شرع بخوبی
اور بتمامہ جاری و نافذ ہین وہ اسی سلطنت کے دوسرے صوبہ مین چلا جاے جہان احکام
شرع کی پابندی بہت کم کیجاتی ہے اور اس ملک مین وہ دائمی اور مستقل بود و باش
حاصل کرلے اور شرع کے اصل منشا کے خلاف نہ لازم آئے ـ مثلاً جو مسلمان حدود
برٹش انڈیا کے اندر پیدا ہوا ہو وہ برطن اعظم یا آیرلینڈ مین سکونت اختیار کرسکتا ہے بے اسکے
کہ وہ مسلمان نہ باقی رہے کیونکہ اس صورت مین سکونت کے تغیر سے یہ نہ لازم آئیگا کہ اسکا
ایمان بھی بدل گیا ہے ـــ

معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین علماے اسلام کے پیش نظر ایسی ہی صورتین تھین
جب انھون نے یہ فرمایا کہ مسلمین اپنے اصل موطن و مسکن کو قطعاً تو ترک نہین کرسکتے
مگر وہ ایک ہی ملک مین جو ایک ہی بادشاہ کا محکوم ہو ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ مین جا سکتے ہین

قانون انگلستان کے بموجب حیثیت شخصی بادی النظر مین بود و باش پر موقوف ہے مگر
اس کلیہ کے مستثنیات اور قیود اسقدر ہین کہ انکی تفصیل لکھنا بہت دشوار ہے ـ چنانچہ
ڈایسی صاحب فرماتے ہین کہ وہ قانون بود و باش ان حقوق پر جو حیثیت شخصی سے اور نکاح اور
طلاق اور جائداد منقولہ سے متعلق ہین مؤثر ہوتا ہے مگر وہ حقوق اسی قانون کے بالکل تابع نہین
ہین پس جس مسلمان نے سکونت چندروزہ انگلستان مین اختیار کرلی ہو اسکی حیثیت احکام
شرع کے تابع ہوگی الا اینکہ وہ احکام شرع قانون انگلستان کے خلاف یا انصاف فطری کے
مخالف ہون ـ اس مسلمان کی حقوق قانونی حاصل کرنے اور انکو عمل مین لانے اور قانونی
کارروائیان کرنے کی قابلیت البتہ اس ملک کے قانون پر موقوف ہوگی جسمین اسنے بود و باش
اختیار کی ہے ـ شرع محمدی کے رو سے برٹش انڈیا تمام مقاصد و اغراض کے لیے بلاد الاسلام
مین داخل ہے ـ اور چونکہ قانون ـ ۳۹ ـ دفعہ ۱۷ ـ شاہ جارج سوم مین صاف لکھا ہے

کہ ہندوستان مین شرع محمدیؐ کی پابندی مسلمانون کے سب مقدمات مین ٹھیک ٹھیک
اور بالارادے رعایت کیجائے لہذا یہ فرض کرلینا چاہیے کہ جہانتک مسلمانان ہند متعلق ہین
وہانتک اُنکی بود و باش کے قانون سے مراد شرع محمدی ہے —

جبتک کوئی مسلمان اپنی اصل بود و باش پر قائم رہتا ہے اُسوقت تک اُسکی حیثیت شخصی
اور چند افعال مشروع بجالانے کی اُسکی ذاتی قابلیت شرع محمدی کے تابع رہتی ہے —
لکن جب وہ اصلی بود و باش کو ترک کرکے کوئی نئی سکونت حاصل یا اختیار کرلیتا ہے
اُسی وقت سے وہ اپنے قومی قانون کا پابند نہین باقی رہتا - مثلاً جب کوئی ہندوستانی
مسلمان سکونت دائمی انگلستان مین اختیار کرلیتا ہے یا ایسے افعال کرتا ہے جنسے صاف
ثابت ہوتا ہے کہ اُسکا قیام اُس ملک مین چند روزہ نہین ہے بس اُسی وقت سے تمام
مقدمات وراثت وحیثیت شخصی مین وہ قانون انگلستان کا پابند ہوجاتا ہے — اور اُسی وقت
سے وہ شرع محمدیؐ کے دائرہ سے نکل جاتا ہے - گو اپنے دل مین وہ شرع شریف کے
احکام اخلاقی اور احکام دینی کا تابع رہے مگر قانون انگلستان کے اختیار مین آجانے کا اثر یہ ہوتا ہے
کہ اپنی قومی حکومت یعنی حکومت شرع سے وہ خارج ہوجاتا ہے -

سابق مین جو کچھ عرض کیا گیا اُس سے ظاہر ہے کہ یہ بات کہانتک شرع شریف کی اصل منشا کے موافق ہے
اطالیہ[1] اور فرانس کے قانون کی بموجب یہ ہے کہ جبتک وہ سلطنت اسلام کی رعیت
رہیگا اُسوقت تک شرع محمدی کا پابند رہیگا گو اُسنے اپنی بود و باش بدل دی ہو —

چونکہ تمام مقدمات متعلقہ جائداد غیرمنقولہ کا فیصلہ قوائین مختص المقام کے بموجب کیا جاتا ہے
لہذا جو مسلمان سکونت چند روزہ یا سکونت دائمی انگلستان مین رکھتا ہو اُسکی جائداد غیرمنقولہ
کی وراثت و جانشینی مین اُس ملک کا قانون جاری ہوگا جہان وہ جائداد واقع ہے —

---

[1] مسٹر فرڈرک میلیسن صاحب نے جو قومی قانون کے باب مین اس ملک مین نہایت مستند القول ہین مجھسے بیان کیا ہے کہ شہنشاہ نپولین کے مجموعۂ قوانین مین بابت فرانس مین کچھ تغیر و تصرف ہوگیا ہے مگر اطالیہ کا قانون جدید اس باب مین بہت صاف ہے — ۱۲ منہ

جائداد غیر منقولہ کے وقف اور ہبہ مین بھی یہی کلیہ جاری ہوگا - یہان پر قانون انگلستان اور
شرع محمدیؐ مین پھر اختلاف ہوا ہے - شرع شریف مین کوئی شخص اپنا سارا مال اپنے
ورثۂ شرعی کی نقصان رسانی کر کے کسی کو بذریعہ وصیت نہین دے سکتا ہے مگر قانون انگلستان
کے مواقف وہ ایسا کر سکتا ہے - پس اگر وہ جائداد انگلستان مین ہو تو خواہ کوئی مسلمان
اُس ملک مین سکونت دائمی خواہ قیام چندروزہ رکھتا ہو اپنی ساری جائداد غیر منقولہ بذریعہ
وصیت کسی کو دے سکتا ہے بلالحاظ حقوق ورثۂ شرعی کے - اگر وصیت جائداد منقولہ کے
باب مین ہو اور موصی انگلستان مین بود و باش نہ رکھتا ہو تو اُسمین شرع محمدی جاری ہوگی
مگر کلام اسمین ہے کہ آیا مال غیر منقولہ اگر وقف کیا جائے تو قانون انگلستان کے موافق
اُسمین شرع محمدیؐ جاری ہوگی یا اُس مقام کا قانون جہان وہ جائداد ہے ج - غالباً اُسی مقام کا
قانون جاری ہوگا - اسی طرح جائداد غیر منقولہ واقعۂ انگلستان کی وراثت مین قانون
انگلستان جاری ہوگا خواہ اُسکا مالک متوفی انگلستان کا متوطن ہو خواہ نہو - مثلاً
اگر کوئی مسلمان اُس ملک مین کچھ جائداد غیر منقولہ چھوڑ کر مر جائے اور دو بیٹے چھوڑے
اُنمین سے بڑا بیٹا غیر مسلم ہو تو وہ بڑا بیٹا ساری جائداد پائیگا اور اُسکے چھوٹے بھائی کو
کچھ نہ ملیگا گو شرع مین کفر یا ارتداد مانع ارث ہے -

قانون انگلستان کے مواقف جائداد غیر منقولہ ہمیشہ وارث حقیقی کو ملتی ہے اور وارث
حقیقی کی تعریف یہ لکھی ہے کہ وہ بیٹا جو اکبر اولاد ہو اور زندہ ہو اور ولد الحلال ہو یعنی اُس
منکوحہ کے بطن سے ہو جو قانون انگلستان مین منکوحہ کہلاتی ہے - پس اِس سے
ظاہر ہے کہ جو جائداد غیر منقولہ انگلستان مین واقع ہو اُسکی وراثت و جانشینی قانون
انگلستان کی بموجب قرار دیجائیگی مثلاً ایک مسلمان انگلستان مین سکونت پذیر ہو گر وہان توطن یا سکونت
دائمی نہ اختیار کر لی ہو اور اپنے مرنے کے بعد دو اولاد دو منکوحہ بیبیون کے بطن سے
چھوڑے یعنی ایک بیٹی پہلی بی بی سے اور ایک بیٹا دوسری بی بی سے - اور کچھ جائداد

جائداد غیر منقولہ کے وقف اور ہبہ مین بھی یہی کلیہ جاری ہوگا - یہان پر قانون انگلستان اور شرع محمدی مین پھر اختلاف ہوا ہے - شرع شریف مین کوئی شخص اپنا سارا مال اپنے ورثۂ شرعی کی نقصان رسانی کر کے کسی کو بذریعہ وصیت نہین دے سکتا ہے مگر قانون انگلستان کے مواقق وہ ایسا کر سکتا ہے - پس اگر وہ جائداد انگلستان مین ہو تو خواہ کوئی مسلمان اُس ملک مین سکونت دائمی خواہ قیام چندروزہ رکھتا ہو اپنی ساری جائداد غیر منقولہ بذریعۂ وصیت کسی کو دے سکتا ہے بلا لحاظ حقوق ورثۂ شرعی کے - اگر وصیت جائداد منقولہ کے باب مین ہو اور موصی انگلستان مین بود و باش نہ رکھتا ہو تو اُسمین شرع محمدی جاری ہوگی مگر کلام اسمین ہے کہ آیا مال غیر منقولہ اگر وقف کیا جائے تو قانون انگلستان کے موافق اُسمین شرع محمدی جاری ہوگی یا اُس مقام کا قانون جہان وہ جائداد ہے - غالباً اُسی مقام کا قانون جاری ہوگا - اسی طرح جائداد غیر منقولہ واقعۂ انگلستان کی وراثت مین قانون انگلستان جاری ہوگا خواہ اُسکا مالک متوفی انگلستان کا متوطن ہو خواہ نہو - مثلاً اگر کوئی مسلمان اُس ملک مین کچھ جائداد غیر منقولہ چھوڑ کر مر جائے اور دو بیٹے چھوڑے اُنمین سے بڑا بیٹا غیر مسلم ہو تو وہ بڑا بیٹا ساری جائداد پائیگا اور اُسکے چھوٹے بھائی کو کچھ نہ ملیگا گو شرع مین کفر یا ارتداد مانع ارث ہے -

قانون انگلستان کے مواقق جائداد غیر منقولہ ہمیشہ وارث حقیقی کو ملتی ہے اور وارث حقیقی کی تعریف یہ لکھی ہے کہ وہ بیٹا جو اکبر اولاد ہو اور زندہ ہو اور ولد الحلال ہو یعنی اُس منکوحہ کے بطن سے ہو جو قانون انگلستان مین منکوحہ کہلاتی ہے - پس اِس سے ظاہر ہے کہ جو جائداد غیر منقولہ انگلستان مین واقع ہو اُسکی وراثت و جانشینی قانون انگلستان کی بموجب قرار دیجائیگی مثلاً ایک مسلمان انگلستان مین سکونت پذیر ہو گر وہان توطن یا سکونت دائمی نہ اختیار کر لی ہو اور اپنے مرنے کے بعد دو اولاد دو منکوحہ بیبیون کے بطن سے چھوڑے یعنی ایک بیٹی پہلی بی بی سے اور ایک بیٹا دوسری بی بی سے - اور کچھ جائداد

قانون انگلستان کے موافق بھی ولد الحلال اپنے باپ کا نطفہ فرض کرلیا جاتا ہے
چونکہ شرع شریف مین مسلمان مردون کا نکاح غیر مسلمہ عورتون کے ساتھ جائز ہے
لیکن اسکے بالعکس جائز نہین ہے لہذا جو اولاد پدر مسلم اور مادر غیر مسلمہ سے پیدا ہوا اسکے
مذہب کے باب مین شرع محمدیؐ اور قانون انگلستان مین اختلاف ممکن نہین ہے —
اسواسطے کہ اگر کوئی مسلمان نصرانیہ کے ساتھ انگلستان مین شادی کرلے تو ایسا ازدواج
قانون انگلستان اور شرع محمدیؐ دونون کے بموجب جائز ہوگا اور ایسے ازدواج سے
جو اولاد بہم پہونچیگی وہ اپنے باپ کے ہم مذہب سمجھی جائیگی — اگر قبل وقوع عقد متناکحین نے
کوئی خاص معاہدہ یا قول وقرار درباب تعلیم وتربیت اطفال کرلیا ہو تو ایسا قول وقرار کرنا
شرع شریف کے بموجب جائز ہے یہانتک کہ یہ اقرار کرلینا بھی جائز ہے کہ بعض اولاد کی
پرورش وپرداخت بطور غیر مسلم کیجائیگی — مگر ایسی اولاد کو کفر اپنے پدر مسلم کے ارث سے
مانع ہوگا الا اسکے کہ اسکے باپ نے انگلستان مین دائمی بود وباش اختیار کرلی ہو یا اسکی جائداد
غیر منقولہ ہو اور انگلستان مین واقع ہو — لیکن گو باپ بلاد الاسلام مین سکونت رکھتا ہو
اسکو جائز نہین ہے کہ ایسی اولاد اور ایسی زوجہ کو اپنی کل جائداد کا ایک ثلث یا اس سے کم
بذریعہ وصیت دیجائے —

جب کسی مسلم کا نکاح کسی غیر مسلمہ کے ساتھ کسی غیر ملک مین ہوا ہو تو ایسا نکاح شرعًا
جائز ہے بشرطیکہ ایسا نکاح اس مقام خاص کے قانون ازدواج کے موافق یا زوجہ کے
رسوم مذہبی کے مطابق پڑھا گیا ہو — یہ مسئلہ شرع محمدیؐ کا قانون انگلستان کے موافق ہے
قانون انگلستان کے بموجب قابلیت ازدواج اس قانون کے موافق تجویز کیجائیگی
جو متناکحین کے وطن اصلی مین جاری ہو مگر ازدواج کی صورت عمومًا اسی مقام کے
قانون کے بموجب قرار دیجائیگی جہان عقد وقوع مین آیا ہو — اسی طرح سے شرع
محمدیؐ مین بھی قابلیت ازدواج احکام شرع کے تابع ہے مگر ازدواج کی صورت رسوم

دو ستورات مختص المقام پر موقوف ہے۔ مثلاً ایسے مرد اور عورت کا نکاح شرعاً جائز ہے جو بالغ و رشید ہون اور جنکے نکاح کا کوئی عذر شرعی مانع نہو چاہے کسی صورت اور کسی طرز سے وہ نکاح ہوا ہو۔ ہر مسلمان یہودیہ اور نصرانیہ سے نکاح کرسکتا ہے اور ایسے نکاح کا زوجہ کے رسوم مذہبی کے موافق ہونا شرعاً جائز ہے یا بطور ایک معاہدہ کے اُس عہدہ دار سرکاری کے روبرو بھی ہونا جائز ہے جسکو حاکم وقت نے نکاح پڑھنے یا اسکو رجسٹری کرنے کا مجاز کیا ہو۔

مگر غور طلب یہ امر ہے کہ جب شوہر اپنے وطن اصلی مین مراجعت کرے تو آیا پہلے نکاح کا جواز اسپر موقوف ہوگا کہ وہان اگر کوئی اور نکاح بھی پڑھا جائے ج۔ فرانسیس کی عدالتون نے اِس سوال کا جواب بصیغہ نفی دیا ہے اور اُنکے فیصلے اس مقدمہ مین اصول شرع محمدیؐ کے موافق ہین۔ کیونکہ مسلمانون کے نزدیک نکاح ایک خالص دنیوی کارروائی ہے جسکا جواز اسپر موقوف ہے کہ متناکحین ایسا مستحکم معاہدہ کرنے کی قابلیت شرعاً رکھتے ہون اور اُسکا جزو اعظم ایجاب وقبول ہے۔

اگر مرد بالغ و رشید ہے یعنی اُسکی عمر پندرہ سال سے زیادہ ہے اور وہ اپنی نیک و بد کو خوب سمجھ سکتا ہے یا یہ کہیئے کہ وہ سرسیر (نابالغ) یا سفیہ (فاتر العقل) نہین ہے اور اگر عورت بھی بالغہ و رشیدہ ہے اور وہ دونون باہم نکاح کرلین تو ایسا نکاح شرعاً جائز ہوگا خواہ گواہ ہون خواہ نہون۔ پس جو نکاح کسی غیر ملک مین ایسے عہدہ دار سرکاری کے روبرو ہوا ہو جو نکاحون کی تصدیق اور رجسٹری کرنے کا خاص طور سے مجاز کیا گیا ہو وہ نکاح صحیح و جائز ہوگا اور اسکی ضرورت نہوگی کہ جب شوہر اپنے وطن اصلی مین مراجعت کرے تو اسکی تجدید یا[1] اعادہ کرے۔

اگر کسی مسلمان نے کسی ایسے ملک مین دائمی بود و باش اختیار کرلی ہو جہان تعدد ازدواج

---

[1] اِس مسئلہ مین فرق اسلامیہ کا اتفاق ہے جامع الشتات ملاحظہ ہو۔

ممنوع ہو اور جسوقت اُسنے وہان سکونت دائمی اختیار کی تھی اُسوقت اُسکی دو بیبیان
موجود تھین تو فقط بود و باش کے بدلجانے سے اُسکا دوسرا نکاح باطل یا ناجائز نہو جائیگا
مگر زوجہ شوہر اور نہ ایسی زوجہ ایسے حقوق رکھیگی جنکا نفاذ ایک دوسرے کے مقابل مین ہو سکے
اور گو وہ زوجہ اپنے شوہر پر نان ونفقہ یا حقوق زوجیت کی نالش کرنے کی مستحق نہو
مگر کوئی قاعدہ ایسا نہین ہے جس سے وہ شوہر کی وفات کے بعد محجوب الارث ہو جائے
یعنی اُسکی میراث نہ پاوے ۔ کیونکہ حق وراثت اُسکو اُسوقت ملا تھا جب اُسکا نکاح اُس
مرد کے ساتھ ہوا تھا اور وہ نکاح جائز طور سے ہوا تھا اور کبھی فسخ نہین کیا گیا تھا ۔
لہذا وہ زوجہ شوہر کی میراث پانے کی مستحق ہوگی گو یہ بات ہو کہ جس ملک مین اُسنے اب
بود و باش اختیار کی ہے اُسکے قانون کے موافق وہ زوجہ نہ قرار پا سکے ۔

اگر کوئی مسلمان جسنے انگلستان مین سکونت چند روزہ اختیار کر لی ہو کوئی ایسا فعل کرے
جو قانون انگلستان کے رو سے جائز مگر شرع محمدی کے بموجب ناجائز ہو تو اُس فعل کا نتیجہ اُسوقت
کیا ہوگا جب وہ اپنے وطن اصلی کو مراجعت کریگا ۔ مثلاً فرض کیجیے کہ کوئی مسلمان
ایک مشرکہ یعنی بت پرست عورت سے انگلستان مین شادی کر لے تو ایسی شادی قانون
انگلستان کے بموجب جائز مگر شرع شریف کے رو سے ناجائز ہوگی ۔ پس جب
وہ مسلمان بلاد الاسلام مین مراجعت کریگا تو اُس شادی کا کیا نتیجہ یا اثر ہوگا ج ۔ غالباً
مسلم کا نکاح مشرکہ کے ساتھ شرعاً ناجائز ہے مگر قانون انگلستان کے موافق یقیناً جائز ہوگا اور
معتزلہ کے مذہب مین بھی جائز ہوگا ۔ یہ خیال کرنا غلط ہے کہ شرع محمدی کے بموجب مسلم صرف
ایسی عورت سے نکاح کر سکتا ہے جو کوئی الہامی دین رکھتی ہو یعنی کتابیہ یا اہل کتاب ہو ۔ بلکہ مسلمین کو اہل الہوا
(یعنی حکیم مشرب عورت) اور مجوسیہ اور یہودیہ اور نصرانیہ کے ساتھ عقد کرنا جائز ہے ۔
شارع اسلام کا مقصد اصلی یہ تھا کہ شرک و بت پرستی گروہ اہل اسلام سے بالکل
خارج رہے اسوجہ سے اُنھون نے مسلمانون کا مشرکین عرب کی بت پرست عورتون سے

ساتھ عقد کرنا حرام مطلق کر دیا - شارع اسلام صلعم نے ایسے نکاح کو اُنھین وجوہ سے حرام کر دیا جن وجوہ سے انبیاے سلف مین سے حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کا نکاح اہل فنیسیہ یعنی عمالقہ اور بت پرست قومون کے ساتھ حرام کر دیا تھا -

چونکہ قانون انگلستان کے بموجب تعدد ازدواج حرام ہے لہذا جو مسلمان قیام چند روزہ انگلستان مین رکھتا ہو وہ ایک ہی زمانہ مین دو عورتون سے نکاح نہین کر سکتا گو اُسکے وطن اصلی کے قانون کے موافق ایسا کرنا جائز ہے - اگر اُس ملک مین وہ دو عورتون سے ایک ہی وقت مین نکاح کر لے تو دو بیبیان کرنے کے جرم مین ماخوذ ہو گا -

مگر یہ سوال ہے کہ جو مسلمان انگلستان مین سکونت دائمی اختیار کر چکا ہو آیا وہ بلاد الاسلام مین چند روز کے لیے واپس آنے کے بعد بھی اختیار تعدد ازدواج کو عمل مین لا سکتا ہے ج

فرانسیسی عدالتون نے اس سوال کا جواب بصیغہ نفی دیا ہے اور غالبًا انگلستان کی عدالتون کی بھی یہی راے قرار پائیگی -

از روے شرع محمدی متناکحین کو بہ پابندی چند شرائط مخصوصہ اختیار ہے کہ برضا و رغبت خود اور بلا اجبار و اکراہ فسخ نکاح کر لین - قول مشہور یہی ہے کہ ایسی صورت مین کسی عدالت مین جا کر طلاق کی کارروائی کرنا کچھ ضرور نہین ہے - کلام اسمین ہے کہ جو مسلمان انگلستان مین سکونت پذیر ہو مگر سکونت دائمی بلاد الاسلام مین رکھتا ہو آیا وہ فسخ نکاح بلا دست اندازی عدالتہاے طلاق انگلستان کر سکتا ہے ج -

---

لہ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۗ یعنے نہ نکاح کرو مشرک عورتون سے جبتک کہ وہ ایمان نہ لائین ہر آئینہ مسلمان عورت مشرک عورت سے بہتر ہے گو اُسکو تم پسند کرو اور نہ نکاح کرو مشرک مردون سے جبتک کہ وہ اسلام نہ قبول کرین ہر آئینہ مرد مسلمان مشرک سے بہتر ہے گو وہ تمکو اچھا معلوم ہوتا ہو - قران مجید سورۃ البقر آیت ۲۲۰ - مشرک اور مشرکہ سے وہ مرد اور عورت مراد ہین جو حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات پاک مین دوسرے کو شریک بناتے ہون اور یہ الفاظ عمومًا سب بت پرست مردون و عورتون کی نسبت استعمال کیے جاتے ہین - ۱۲ مترجم

اکثر فیصلجات انگلستان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ قانون انگلستان کے مقاصد کے لیے وہ ایسا نہین کر سکتا یعنی قانون انگلستان کے بموجب ایسا طلاق مسلّم و موثر نہ سمجھا جائیگا مگر عام قاعدہ یہ ہے کہ مقدمات طلاق مین عدالت کا اختیار اسپر موقوف ہے کہ طلاق کی نالش دائر کرنے کے وقت شوہر سکونت دائمی کس ملک مین رکھتا ہے ــــــ چنانچہ بمقدمہ ولسن لارڈ پنزانس صاحب فرماتے ہین کہ ــ دوسری ذاتی راے یہی ہے کہ اختیار طلاق کے مقدمہ مین صرف ایک ہی واجبی اور لائق اطمینان قاعدہ کی پابندی کرنی چاہیئے وہ قاعدہ یہ ہے کہ سب مقدمات طلاق مین فریقین سے کہا جائے کہ طلاق کا دعوے اُس ملک کی عدالتون مین دائر کرین جہان وہ بود و باش رکھتے ہون ــ مختلف قومون کے آرا اور قوانین زن و شوہر کے فرائض کے باب مین مختلف ہین اور ہر قوم ایک جداگانہ اندازہ اُن اسباب کا کرتی ہے جنسے طلاق دینا جائز ہو جاتا ہے ــ لہذا قرین انصاف اور قرین قیاس یہی ہے کہ زن و شوہر کے باہمی نااتفاقیان اُس قوم کے قوانین کے موافق رفع کیجائین جس قوم سے وہ ہون اور وہی عدالتین اُنکا فیصلہ کرین جو اُن قوانین کو نافذ کر سکتے ہون " لارڈ جسٹس بریٹ صاحب نے بھی مقدمہ نیوٹ بنام نیوٹ یہی راے قرار دی ہے اور فرمایا ہے کہ " زوجہ جبتک زوجہ ہے اُسوقت تک اُسکی بود و باش وہی ہے جسکو اُسکے شوہر نے پسند کر لیا ہو اور اصول انصاف کے بموجب ایک ہی عدالت اِس بحث کو سُن سکتی ہے کہ جب فریقین کی مناکحت مسلّم ہو تو آیا اُنکے باہمی تعلق مین کچھ بھی تغیر ہو سکتا ہے یا نکاح ہو جانے سے فریقین کی کیا حیثیت ہو گئی ہے درحالیکہ اُس تغیر کا باعث کوئی ایسا فعل ہوا ہو جو قانوناً جرم زوج یا زوجہ سمجھا جاتا ہو ــ وہ عدالت اُس ملک کی عدالت ہے جسمین طلاق کا دعوے دائر کرنے کے وقت فریقین بود و باش رکھتے ہون "

زن و شوہر کی بود و باش کے باب مین شرع محمدی قانون انگلستان سے اتفاق

رکھتی ہے ـــ درصورت اُس نکاح کے جو حقیقۃً ایک ہی زوجہ پر محدود ہو اور جسمین
اُن شرائط کی تکمیل بخوبی ہوگئی ہو جو عالم جج نے بمقدمہ ہائڈ بنام ہائید قرار دیے ہین
یعنی نکاح کی تعریف یہ لکھی ہے کہ وہ ایک عورت کا ایک مرد سے تاحیات دونون کے اور
برضا و رغبت خود اور باخراج جملہ دیگر اشخاص کے وصل ہونا ہا کوئی اصول قانونی ایسا
نہین معلوم ہوتا جسکے بموجب انگلستان کی عدالت طلاق کی اُس نالش کی سماعت سے
انکار کر سکتی ہے جو اُن وجوہ سے دائر کی گئی ہو جو خود اُس عدالت کے نزدیک مسلم ہین
جو فیصلہ مقدمہ ہائیڈ بنام ہائڈ صادر ہوا ہے اُسمین بخوبی غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے
کہ لارڈ پنزانس صاحب نے جو اِس مقدمہ مین دادرسی کی درخواست کو نامنظور کیا ہے تو ضمناً
یا صریحاً یہ کہین نہین فرمایا ہے کہ انگلستان کی عدالت طلاق ایسی نالش کی سماعت نہین کر سکتی
جو اُس نکاح کو فسخ کرانے کے لیے دائر کی گئی ہو جو ایک زوجہ پر محدود و مشروط ہو اور
انگلستان مین ہوا ہو اور جسمین ناکح عیسائی مذہب کے سوا اور کوئی مذہب رکھتا ہو مگر
انگلستان مین دائمی بود و باش رکھتا ہو ـــ لکن جب کوئی مسلمان صرف قیام چند روزہ یا
سکونت غیر مستقل انگلستان مین رکھتا ہو تو اختیار طلاق جو از روی شرع شریف فریقین کو حال
مین حاصل ہے کیونکر عمل مین لایا جائیگا ؟ ـــ فرض کیجیے کہ کوئی مسلمان زوجہ سے ناموافقت
مزاج کی وجہ سے طلاق کا خواہان ہو یا کوئی زوجہ اپنے خاوند کی درشتی اور بدسلوکی کی وجہ سے
اُس سے طلاق لینا چاہیے تو کیا فریقین باہمی رضامندی سے فسخ نکاح کر سکتے ہین جو از رو
شرع محمدی جائز ہے یا یہ کہ انکو فسخ نکاح کی ایک باضابطہ ڈگری حاصل کرنی پڑیگی ؟ ـــ اگر وہ
نکاح انگلستان مین ہوا تھا تو اُس ملک کی عدالتین ایسی طلاق کو نہ تسلیم کرینگے جو کسی مسلمان قاضی
یا مفتی نے پڑھ دیا ہو تاوقتیکہ ایسا طلاق کسی ایسے[1] سبب سے نہ دیا گیا ہو جو اُس ملک مین سبب
معقول طلاق کا سمجھا جاتا ہو اور کسی غیر ملک کی کارروائی کر کے اور اُس ملک کی عدالتون سے

---

[1] شا بنام اٹرنی جنرل لا رپورٹ جلد ۲ صفحہ ۱۵۶ ـ ۱۲ منہ [2] شا بنام گولڈ لا رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۵۵ ـــ ۱۲ منہ

سازش کر کے مقدمہ طلاق مین مدد نہ لیگئی ہو۔ اگر نکاح بلاد الاسلام مین ہوا ہو اور فریقین انگلستان
مین رہتے ہون تو بھی انگلستان کی عدالتین اُس طلاق کو جائز نہ رکھینگی جو کسی عدالت مجازہ کے
ذریعہ سے نہ حاصل ہوا ہو۔ پس جو مسلمان انگلستان مین رہتا ہو وہ فسخ نکاح اپنی مرضی سے
نہین کر سکتا گو اپنے وطن مین اُسکو ایسا کرنا جائز ہو۔

جب کوئی مسلم کسی مسلمہ سے عقد کرے تو حکم شرع یہ ہے کہ گواہ بھی مسلمان ہون۔
مگر جب متناکحین مین اختلاف مذہب ہو تو گواہون کا مسلمان ہونا کچھ ضرور نہین ہے۔

شرع محمدی مین بھی قانون اسکاٹ لینڈ کی طرح اگر متناکحین خود آپسمین نکاح پڑھ لین
تو وہ نکاح ایک معاہدہ جائز سمجھا جائیگا۔ لیکن اگر نکاح انگلستان مین کیا جائے تو ضرور ہے
کہ اُسی طور اور اُنھین رسوم کے ساتھ کیا جائے جو قانون انگلستان کے بموجب نکاح جائز کے لیے
لازم ہین۔ والدین یا اولیا کی رضامندی جو مسلمانون کے نزدیک بعض شرائط سے جواز نکاح کو
لازم ہے قانون انگلستان کے موافق ایک جزو صرف رسم نکاح کا سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً ایک حنفی
یا شیعہ مرد یا عورت اگر بالغ و رشید ہو تو بلا اجازت اولیا نکاح کر سکتی ہے مگر ایک شافعی عورت
کسی حال مین بلا رضامندی اپنے ولی شرعی کے نکاح نہین کر سکتی۔ لکن اگر وہ بلا اجازت
و رضامندی والدین یا اولیا انگلستان مین اپنا نکاح کر لے تو وہ نکاح جائز ہوگا۔

صوبۂ الجیریا مین یہ تجویز ہو چکا ہے کہ قاضی پر فرض نہین ہے کہ مسلم اور غیر مسلمہ کے
نکاح کی تصدیق کرے مگر ایسا نکاح کسی عہدہ دار ملکی کے روبرو رجسٹری ہو سکتا ہے
جسپر قانوناً فرض ہے کہ فریقین کی خواہش کو عمل مین لا کر اُس نکاح کو محکمۂ رجسٹری کے
کاغذات مین درج کرے۔ ایکٹ رجسٹری نکاح اہل اسلام کے بموجب جو صوبہ
بنگالہ کے چند اضلاع مین جاری ہے مسلمانون کو اپنی شادیان رجسٹری
کرانے کا اختیار ہے۔ اور چونکہ اس ایکٹ کے بموجب قاضی خاص اس
کام کے لیے مقرر کیے گئے ہین کہ مسلمانون کی شادیون کی رجسٹری کرین لہذا اُنکو

ضرور رجسٹری کرنا پڑیگا بشرطیکہ اُنسے رجسٹری کی درخواست کیجائے ۔

پس فرض کیجیے کہ کوئی مسلمان سکونت چند روزہ یا بود و باش دائمی صوبہ بنگالہ مین رکھتا ہو اور غیر مسلمہ سے شادی کرے اور اُسکی رجسٹری بموجب ایکٹ رجسٹری نکاح مسلمانان کرادے تو قاضی کو انکار کا اختیار نہوگا گو اگر ایسا قانون نافذ نہوتا یا اگر قاضی کا عہدہ ویسا ہی ہوتا جیسا پادشاہان اسلام کے عہد مین تھا تو قاضی کو ایسے نکاح کی رجسٹری سے انکار کرنا جائز ہوتا ۔

اس مسئلہ مین ایک عجیب و غریب امر الجیرس کی عدالت مین ۴ اکتوبر ۱۹۰۶ع کو پیش ہوا ایک مسلمان باشندۂ الجیرس نے ایک اسپانیہ کی عورت سے جو مسلمان ہوگئی تھی نکاح کیا وہ نکاح قاضی کے روبرو ہوا اور اُس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو ولد الحلال شوہر یوسف اور زوجہ مریم کا درج رجسٹر کیا گیا ۔ یوسف کی وفات کے بعد اُسکی زوجہ مریم نے اپنی طرف سے اور اپنی اولاد کی جانب سے بھی اپنے شوہر متوفی کی جائداد پر قبضہ کرنا چاہا مگر اُسکے شوہر کے بھائیون نے اُسکا سخت مقابلہ کیا اور یہ حجت پیش کی کہ اُسکا نکاح جو قاضی کے سامنے ہوا تھا جائز نہ تھا اِسواسطے کہ گو اِس عورت نے دین اسلام اختیار کر لیا تھا مگر سلطنت اسپانیہ کے رعیت رہی لہذا رسم نکاح اسپانیہ کے سفیر باحکام فرانسیسی کے روبرو ادا ہونا چاہیئے تھا ۔ عدالت نے جسمین تین فرانسیس جج اور دو مسلمان اسیسر تھے بالاتفاق اُس نکاح کو جائز قرار دیا اور یہ حکم دیا کہ مریم اور اُسکا لڑکا شرع محمدیؐ کے بموجب یوسف متوفی کی وراثت کے مستحق ہین ۔

پس اگر کوئی مسلمان ایک غیر مسلمہ سے اُن صوبجات ہندوستان مین عقد کرنا چاہے جہان ایکٹ رجسٹری نکاح اہل اسلام جاری ہے تو وہ ایسا نکاح یا اُس قاضی کے روبرو کر سکتا ہے جو اُس ایکٹ کے بموجب مقرر کیا گیا ہو یا رنج کے طور پر دو گواہون کے سامنے کر سکتا ہے خواہ وہ ناکح کے ہم مذہب ہون خواہ منکوحہ کے ۔ اگر وہ عورت کسی

غیر ملک کی رہنے والی ہو تو نکاح خواہ اُس سلطنت کے سفیر کے روبرو پڑھا جاے جس سلطنت کی وہ رعیت ہو خواہ رجسٹرار کے سامنے خواہ کسی جسٹس آف دی پیس خواہ قاضی کے روبرو — اگر نکاح انگلستان مین یا یورپ کی کسی اور ملک مین ہو تو جن رسوم نکاح کی پابندی اُس ملک کے قانون کے بموجب لازم ہو وہ رسوم ادا کرنے پڑینگے — البتہ کوئی قانون کسی مسلمان کو جو انگلستان مین رہتا ہو اس امر سے مانع نہین ہے کہ کسی مسلمہ یا غیر مسلمہ سے بطور خود او بموافق احکام شرع عقد کرلے مگر کوئی عدالت ایسے نکاح کو تسلیم نہ کریگی تاوقتیکہ وہ شرائط جو قانون انگلستان کے بموجب نکاح صالح کو لازم ہین عمل مین نہ لائے گئے ہون —

جو مسلمان انگلستان مین سکونت دائمی رکھتا ہو وہ اپنی زوجہ متوفیہ کی بہن سے نکاح نہین کرسکتا لیکن اگر وہان سکونت چند روزہ رکھتا ہو تو البتہ اسمین بحث ہوسکتی ہے کہ آیا وہ ایسا کرسکتا ہے یا نہین کرسکتا — امریکا کے مستند القول اشخاص کے نزدیک تو ایسا نکاح یقیناً جائز ہے — مگر فقہاے انگلستان کا قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو نکاح انگلستان مین اُن اقرباے نسبی کے ساتھ ہو جو اُس ملک کے قانون کے بموجب محرمات مین داخل ہین وہ عدالتہاے انگلستان کے نزدیک ناجائز سمجھا جائیگا —

جب والدین انگلستان مین رہتے ہون تو وہ اپنے اختیارات شرعی کو اپنی اولاد پر عمل مین نہین لاسکتے تاوقتیکہ وہ اختیارات قانون انگلستان کے منشاء کے موافق نہون فقط

حاشیہ ۱-

سلطنت اسلامیہ کی رعایاے غیر مسلم ذمیین کہلاتے ہین — وہ مستوجب جزیہ کے ہین برخلاف کفار مستامنین کے جو قیام چند روزہ بلاد الاسلام مین رکھتے ہون یا جو سلطنت اسلامیہ کی حدود مین قومی حقوق کی ضمانت سے یا کسی خاص امان سے جو انکو دیگئی ہو داخل ہون —

حاشیہ ۲

ابراہیم حلبی کے نزدیک لفظ بیت المال بیتُ مالِ المُسلِمِین کو خلاصہ کر کے بنالیا ہے یعنی وہ مکان جسمین گروہ اہل اسلام کا مال جمع ہو۔ بیت المال چار جزون پر منقسم ہے یعنے

(۱) بیت الصدقہ

(۲) بیت الغنیمت

(۳) بیت الخراج

(۴) بیت المال لاوارث

بیت الصدقہ کے مداخل حسب تفصیل ذیل ہین ۔

(الف) پانچوان حصہ مال غنیمت کا یعنی خمس

(ب) دسوان حصہ اُس مال کا جسکو مسلمان بطور مالکان اُس علاقہ کے ادا کرین جو انکو بطور فاتحان کوئی ملک فتح کرنے کے وقت عطا ہوا ہو یا جو علاقہ اُسی زمانہ مین نومسلم مالکان قدیم کے قبضہ مین چھوڑ دیا گیا ہو ۔

(ج) وہ ٹیکس جو عشر اور زکات کے حق سے دیا جائے ۔

بیت الغنیمت کے مال مین اشیاے ذیل داخل ہین ۔

(الف) وہ تعلقے جو کوئی ملک فتح کرنے کے بعد بے مالک پائے گئے ہون اور وہ تعلقے جو غنیم سے چھین لیے گئے ہون اور وہ تعلقے جنکے مالکان قدیم اب صرف آسامی رہگئے ہون ۔

(ب) کانین اور خزانے وغیرہ ۔

بیت الخراج مین وہ ٹیکس داخل ہین جنکو پادشاہ وقت نے مقرر کیا ہو جیسے مالگذاری آراضی اور سالانہ خراج اور مصالحہ کا تاوان وغیرہ ۔

بیت المال لاوارث مین اُن اشخاص کا مال جو لاوارث مر گئے ہون اور اُس شخص کا

اسباب جو اپنے مالک سے غائب ہو گیا ہو داخل ہے ۔ یہ مال کسیقدر اُس جائداد کے مشابہ ہے جو یورپ کے ملکون مین ضبطی مال لاوارث کے حق سے یا اوحقوق سے سرکار کو ملتی ہے ۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ مال بیت المال مین بصیغۂ امانت رکھا رہتا ہے اور بیت المال کا مال حلال کبھی نہین سمجھا جاتا ۔

خراج ملک مصارف ذیل مین لایا جاتا ہے

(۱) صیغۂ زکات سے صرف غربا و مساکین مسلمین اور یتیمون اور بیوہ زنون اور مصیبت زدہ مسافرون کے فائدہ کے لیے صرف کیا جاتا ہے ۔ اور لونڈی غلام آزاد کرنے اور دیگر امور خیر مین بھی خرچ کیا جاتا ہے اور تحصیلدارون وغیرہ کو اسی مین سے تنخواہین دیجاتی ہین ۔

(۲) مال غنیمت کا اختیار بادشاہ وقت کو ہے کہ جسطرح چاہے اسکو تقسیم کرے اور کسی کو اسمین دخل نہین ہے ۔ مگر امام یا بادشاہ وقت کو ایسے قواعد کی پابندی کرنی پڑتی ہے جنسے وہ کسی حال مین عدول وانحراف نہین کرسکتا ۔ پہلا قاعدہ یہ ہے کہ مال غنیمت رفاہ عام کے کامون مین اور عمارات مفید عام کی تعمیر مین صرف کیا جاتا ہے

(۳) بیت الخراج کا مال جمہور اہل اسلام کے فائدہ کے لیے خرچ کیا جاتا ہے اور عمال وحکام کے مصارف اور قضات ومفتیان کی تنخواہین اور سپاہیون کی پنشنین اُسی مال سے دیجاتی ہین ۔ اور اسی قسم کے خراج سے آلات جنگ اور گھوڑے اور اسباب ضروریہ جنگ خریدے جاتے ہین اور اسی سے مسجدین اور پل اور سڑکین بنائی جاتی ہین اور دریا وغیرہ بھی صاف کیے جاتے ہین ۔

(۴) بیت المال لاوارث کی جائداد بیمارون اور مصیبت زدون اور اطفال غیر حلالی اور غربا و مساکین کی پرورش مین صرف کیجاتی ہے اور پل و سڑکین اور کاروان سرائین بھی اسی جائداد سے بنائی جاتی ہین جب اور کوئی مال وقف ان چیزون کے بنانے کے لیے نہو

تقریر مذکورۂ بالا سے ظاہر ہے کہ گورنمنٹ انگلشیہ ہندوستان مین کوئی حق لاوارث مسلمانون کے مال مین نہین رکھتی ہے۔ پس ایسے مال کا دعوے کرنا سرکار کو سنی اور شیعہ دونون کے مذہب مین ناجائز ہے۔ صرف ایک توجیہ سرکار ایسی جائداد کا دعوے کرسکتی ہے کہ یہ جائداد سرکار مین غربا و مساکین کی پرورش کے لیے امانت رکھی رہیگی۔ مگر شرع شریف مین تاکید ہے کہ ایسا مال صرف غربا و مساکین مسلمین کے فائدہ کے لیے صرف کیا جاوے اور گورنمنٹ انگلشیہ ذریعہ دعویٰ نہین کرسکتی کہ ایسے مال کو شرع محمدی کے منشا کے موافق صرف کرسکتی ہے۔ فقط

تیسرا باب

اولاد حلال کی حالت

جیسا تمام مہذب و شائستہ قوانین مین ہے اسی طرح شرع محمدی مین بھی اولاد حلال والدین کی ہمبستری کی تابع ہے یعنی ولد الحلال کی ولدیت اسکی مان کے شوہر مین قائم سمجھی جائیگی بغیر اسکے کہ اسکا باپ اسکی ولدیت کا اقرار یا تصدیق کرے اور ایسی اولاد اپنے باپ کی حیثیت کے تابع ہوگی۔

اہل سنت کے فرقون کے نزدیک ولد الحلال ہونے کا گمان ایسا ظن غالب ہے کہ اگر کوئی لڑکا اپنے والدین کی تاریخ نکاح سے چھ مہینہ کے بعد پیدا ہوا ہو یا اپنے مان کی طلاق یا اپنے باپ کی وفات کے دس مہینہ کے بعد پیدا ہوا ہو تو صرف اسکے باپ کا اسکی ولدیت سے انکار کرنا بھی ولد الحلال کی حیثیت کو اُس سے سلب یا زائل نہین کرسکتا ہے۔

اِس باب مین ائمہ ساطیر صاحب فرماتے ہین کہ وہ جس زوجہ کا نکاح بپابندی رسوم واحکام شرع ہوا ہو اسکی نسبت شرع محمدی ایسا حسن ظن رکھتی ہے کہ اگر والدین اولاد کی ولدیت کو دوسرے شخص کی طرف منسوب کردین تو بھی جو

اولاد انکے زمانہ نکاح مین پیدا ہوئی ہو وہ اولاد حلال ہی سمجھی جائیگی الّا اینکہ انکار بہ ولدیت بذریعہ لعان کیا جاوے یعنی زوجہ کو زنا سے متہم کرے[1]

ولد الحلال کے باب مین قانون[2] انگلستان بھی شرع محمدی کے مشابہ ہے —

قانون انگلستان کے بموجب منکوحہ کی اولاد جہان کہین پیدا ہوئی ہو حلالی سمجھی جائیگی الّا اینکہ شوہر وزوجہ کی نارسائی کی یا اور کسی ایسے امر کی شہادت موجود ہو — مگر قانون انگلستان کے رو سے تعدد ازواج یعنی ایک ہی زمانہ مین کئی عورتون سے نکاح کرنا جائز نہین ہے اور ایسی کوئی سند موجود نہین ہے جس سے یہ بات ثابت ہو کہ اگر کوئی مسلمان کئی بیبیان رکھتا ہو تو انکی اولاد کا کیا حال ہوگا اور آیا اس صورت مین وہ عام قاعدہ جاری ہوگا جسکے بموجب جواز نکاح والدین کے وطن اصلی کے قانون پر موقوف ہے — مثلاً اگر کوئی مسلمان صوبہ الجیریا مین جہان شافعی مذہب سُنّی ہیت ہین دو عورتون سے نکاح کرے تو آیا دوسری زوجہ کی اولاد حلالی قرار دیجائیگی جیسا مقتضی انصاف ہے اگرچہ قانون انگلستان کے بموجب ایک ہی زمانہ مین دو عورتون سے نکاح کرنا جائز و مباح نہین ہے ج — اور اگر فرض کیا جاوے کہ ایسی اولاد حلالی سمجھی جائیگی تو اگر کوئی مسلمان جو انگلستان مین سکونت دائمی رکھتا ہو صوبہ الجیریا مین جاکر دوسرا عقد کرے تو آیا اس عقد ثانی کی اولاد قانون انگلستان کے بموجب حلالی ہوگی یا حرامی[3] ہ —

[1] رسٹوری صاحب کی کتاب علم فقہ صفحہ ۹۷۰ — ۱۲ منہ [2] مقدمہ ہائڈ بنام ہائڈ لا ریورٹ صفحہ ۱۳۰ — یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ہارمن نکاح سے شوہر کو یہ حق نہین حاصل ہوتا کہ طلاق بعلت زنا کے ڈگری حاصل کرسکے — مقدمہ بروک بنام بروک لا ریورٹ صفحہ ۱۹۳ — یہ قاعدہ مقرر کر دیا گیا کہ دوسرے ملک مین شادی کرنے سے کوئی شخص اپنے وطن اصلی کے قانون سے اغماض نہین کرسکتا — مگر عرض یہ کیا جاتا ہے کہ انمین سے کوئی اصول اُن مسلمان والدین کی اولاد کے حلالی ہونے مین مؤثر نہ سمجھا جائیگا جنکا عقد شرع محمدی کے موافق ہوا ہو اور جنھون نے اپنی شرع سے اغماض نہ کیا ہو ۱۲ — منہ

انرو سے شرع محمدی اولاد کا حلالی ہونا اُسوقت فرض کرلیا جائیگا جبکہ شوہر کی رسائی زوجہ تک ہوئی ہو۔ اگر کوئی لڑکا ایسی حالت مین پیدا ہوا ہو جسمین شوہر کی زوجہ تک رسائی غیر ممکن ہو تو سنّی اور شیعہ دونون کے نزدیک اُسکے ولد الحلال ہونے کا گمان شرعًا باطل ہو جائیگا — علیٰ ہذا القیاس اگر چھ مہینہ کے اندر کوئی لڑکا پیدا ہو تو اُسکی ولدیت نہ ثابت ہوگی۔ مگر اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ اگر شوہر کہے کہ یہ لڑکا میرا ہے اور ولد الحلال ہے اور زنا یا حرام سے نہین پیدا ہوا ہے تو ولدیت اُسی کی طرف[1] منسوب کیجائیگی — شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی لڑکا زفاف سے چھ مہینہ کے اندر یعنی جب اُسکے والدین نے مباشرت کی تھی اُسکے چھ مہینہ کے اندر پیدا ہوا ہو تو وہ شوہر کے نطفہ سے ہرگز نہ سمجھا جائیگا۔ مگر اس مسئلہ مین شیعہ اور سنّی متفق ہین کہ اگر کوئی لڑکا ایسے حالات مین پیدا ہوا ہو کہ ظن غالب یہی ہو کہ یہ شوہر کی اولاد ہے تو لعان کے سوا اور کسی کارروائی سے ولد الحلال کی صفت اُس سے زائل نہ ہوگی —

اقل مدت حمل فریقین کے نزدیک چھ مہینہ ہے۔ یہی مدت قران مجید[2] مین لکھی ہے لہذا فقہا مین محل اختلاف نہین باقی رہا ہے۔ مگر اکثر مدت حمل مین فقہا مین بڑا اختلاف ہے —

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۳۷ - کنز الدقائق ۱۲۰ سنہ ۱۳۰۵ شرائع الاسلام صفحہ ۳۰۰ - جامع الشتات ۱۲ سنہ

[2] وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَّحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰی وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ — ہمنے ہدایت کی ہے انسان کو کہ اپنے مان باپ سے نیکی کرے رکھا اُسکو اُسکی مان نے اپنے رحم مین ایذا اُٹھا کر اور جنا اُسکی مان نے ایذا اُٹھا کر اور اُسکی مان کے پیٹ مین رہنے اور اُس سے جدا ہونے کا زمانہ تیس مہینہ ہے یہانتک کہ جب سن تمیز کو پہونچا اور چالیس برس کی عمر اُسکی ہوئی تو کہا خداوندا تو مجھے توانائی دے کہ مین اُس نعمت کا شکر کرون جو تو نے مجھکو اور میرے مان باپ

حنفیہ کے نزدیک دو سال اکثر مدت حمل[1] سمجھی جاتی تھی - یہی قول امام اعظم ابو حنیفہ اور اُنکے دونون شاگردون کا ہے اور ایک حدیث پر مبنی ہے جو حضرت عائشہ رضہ سے منقول ہے - مگر شافعیہ کے نزدیک اکثر مدت حمل چار سال اور مالکیہ کے نزدیک پانچ برس اور بعض اوقات سات سال ہے - امام شافعی اور امام مالک کا قول اس مسئلہ مین ایک قدیم روایت پر مبنی ہے کہ بیوراسپ جسکا لقب ضحاک تازی ہے حمل کے چار سال بعد پیدا ہوا تھا اور اتنی ہی مدت کے بعد ابن ربیعہ اور ابن عجلان بھی پیدا[2] ہوئے تھے شیعون نے حضرت علیؑ کے ایک فیصلہ کو جو اُنھون نے اپنے عہد خلافت مین کیا تھا بنا قرار دے کر دس قمری مہینون کو اکثر مدت حمل مقرر کر دیا[3] ہے -

بیلی صاحب فرماتے ہین کہ علماے متقدمین اہل سنت نے اتنی طولانی میعادین حمل[4] کی اُن غیر معمولی حالات پر نظر کر کے قرار دی ہین جنکے مشاہدہ سے بعض اوقات یورپ کے بڑے بڑے حاذق ڈاکٹر عاجز و پریشان ہو گئے ہین - مگر ڈی اوہسن صاحب اور سائیر[5] صاحب کی راے یہ ہے کہ در قدماے فقہاے اہل سنت کو رحم و مروت اس مسئلہ مین محرک ہوے تھے نہ یہ کہ نظام طبیعی یا قانون قدرت سے اُنھون نے چشم پوشی کی ہو اور اُنکا مقصود اصلی ایسی طولانی مدت حمل مقرر کرنے سے یہ تھا کہ احکام شرع جو طلاق اور انکار ولدیت سے متعلق ہین اُنکا عملدرآمد بیجا اور خلاف انصاف ہونے پاے[6] باوجودیکہ صوبہ الجیریا مین مذہب شافعی اور مذہب مالکی جاری ہے اُس ملک کے قاضیون نے ڈی اوہسن صاحب کی راے اختیار کر کے اپنے فیصلون مین ہمیشہ یہی

عطا کی ہے اور مین نیک کام کرون جس سے تو خوش ہو جاے اور میری اولاد کو نیک کر تحقیق مین نے توبہ کی تیری جناب مین اور تحقیق کہ مین مسلمانون مین سے ہون - قرآن مجید سورۃ الاحقاف آیت ۱۴ - ۱۲ مترجم [1] درمختار صفحہ ۲۴۲ اور فتاواے قاضی خان صفحہ ۴۲۲ - ۱۲ منہ [2] شرفیہ کے مصنف نے ان روایتون پر مسخرہ کیا ہے - بیلی صاحب کی شرح محمدی صفحہ ۱۷۵ - ۱۲ منہ [3] جامع الشتات اور مفاتیح اسرار شاد علامہ - ۱۲ منہ [4] تاریخ دولت عثمانیہ مصنفہ سائیر صاحب جلد ۲ صفحہ ۲۰۱ قدیم قوانین کے بموجب اکثر مدت حمل دس مہینہ تھے اور مجموعۂ قوانین نپولین کے موافق اقل مدت حمل ۱۸۰ روز اور اکثر مدت ۳۰۰ دن ہین - منہ

تجویز کیا ہے کہ شرعاً دس مہینہ اکثر مدت حمل ہے — الجیرئس کی عدالت فرانسیسی نے متعدد فیصلون مین جو ۱۶ - اپریل ۱۸۶۱ع اور ۱۳ - نومبر ۱۸۶۱ع کو صادر ہوے تھے قضات کے فیصلون کو بحال رکھا ہے اور اسمین شک نہین ہے کہ اکثر علماے اسلام کا قول یہی ہے کہ دس مہینہ سے زیادہ کسی عدالت کو مدت حمل نہ قرار دینی چاہیئے -

پس جو لڑکا مدت مذکورہ کے اندر اُس حال مین پیدا ہوا ہو جبکہ شوہر و زوجہ یکجا رہتے ہون اُسکی ولدیت تسلیم کیجائیگی بغیر اسکے کہ اُسکا باپ اُسکی ولدیت کا اقرار صریحی کرے - مگر شوہر اُس اولاد کا انکار کر سکتا ہے جو اسکی منکوحہ سے مدت شرعیہ کے اندر پیدا ہوئی ہو بشرطیکہ شوہر و زوجہ مین مباشرت کسی بیماری یا نقص جسمانی یا نارسائی کی وجہ سے ناممکن ہو گئی ہو - فتاواے عالمگیری[1] کے رو سے یہ ہے کہ اگر انکار ولدیت اِن وجوہ سے کیا جاے تو اُن رسوم شرعیہ کو ادا کرنا ضرور ہے جو لعان مین ادا کیے جاتے ہین - مگر سائطیر[2] صاحب کا قول یہ ہے کہ انکار ولدیت کا نفاذ اِسطرح ہونا چاہیئے کہ شوہر یا اُسکے قائم مقام جو لوگ ہون وہ زوجہ پر یا اُن اشخاص پر جو اُسکے قائم مقام ہون عدالت مین نالش دائر کرین اور جو نالش واسطے ثابت کرنے ولد الحرامی کے دائر کیجاوے اُسمین معمولی کارروائی کیجائیگی رسوم لعان بجا لانے کی کچھ ضرورت نہوگی - ہندوستان کی عدالتون مین غالباً ایسے مقدمات مین وہی کارروائی کیجائیگی جو استقرار حق کی نالشون مین کیجاتی ہے مگر خالص عدالتہاے اسلامیہ مین ولد الحرامی کا اعلان حسب منشاء شرع شریف عدالت سے کرا لینا اُس سے بھی آسان ہوگا — انڈین لا رپورٹس مین کوئی نظیر ایسی نہین لکھی ہے جسمین کسی شوہر نے اُس اولاد کے ولد الحلال ہونے مین کلام کیا ہو جو اُسکی زوجہ منکوحہ کے بطن سے پیدا ہوئی ہو — اگر ولد الحلال ہونے کی باب مین بحث ہوئی ہے تو اُن مقدمات مین ہوئی ہے جنمین اولاد نے اپنے باپ کی قائم کیے

---

[1] شرائع الاسلام صفحہ ۳۰۰ - اور جامع الشتات اور فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۲۲ — ۱۲ — منہ

بعد اپنا حق وراثت قائم کرنے کے لیے دائر کیے ہین - مگر ایسے مقدمات مین بھی اصل امر جسپر بحث ہوئی ہے زوجہ کی حالت ہے کہ آیا اُسکا نکاح حکم شرع کے موافق ہوا تھا یا نہ ہوا تھا - جو اصول فیصلجات عدالت العالیہ پریوی کونسل مین بیان ہوے ہین اُنمین صاف صاف اعلان اِس امر کا کر دیا ہے کہ شرع محمدی کا منشا اولاد کو حرامی نہ بنادینا نہین ہے درحالیکہ واقعات موجودہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہو کہ یہ لڑکا اپنے باپ کے نطفہ سے ہے یا اُسکے باپ نے اُسکی ولدیت کو اپنی حیات مین قبول و تسلیم کر لیا ہو[1] اُن مقدمات کو جنمین کسی لڑکے کے ولد الحلال ہونے مین بحث ہوئی ہے نظر غور سے دیکھیے تو معلوم ہو جائیگا کہ امر متنازع فیہ یا اُسکے والدین کا جواز نکاح ہے یا اِس امر کا ثبوت ہے کہ یہ لڑکا زوجیت شرعی کی حالت مین پیدا ہوا تھا -

یہود[2] کی شرع مین حق انکار ولدیت شوہر کو مطلقًا حاصل ہے - فرانسیس کے مجموعۂ قوانین دیوانی کے بموجب بھی انکار ولدیت عدم قابلیت مباشرت کی وجہ سے جائز ہے - پس معلوم ہوا کہ شرع محمدی رومی اور فرانسیسی قانون سے اِس حیثیت سے مشابہ ہے کہ بعض خاص وجوہ اس لڑکے کے انکار ولدیت کے تسلیم کیے ہین جو زوجیت شرعی کی حالت مین پیدا ہوا ہو اور وہ وجوہ عدم قابلیت مباشرت اور نارسائی ہین - مگر شرع محمدی مین اِس سے بھی ترقی کر کے یہ قرار دیا گیا ہے کہ انکار ولدیت کا حق بعض حالات مین جنکا لحاظ حاکم شرع کو ہمیشہ رکھنا چاہیے زائل ہو جاتا ہے - مثلاً اگر باپ زچاخانہ کے رسوم مین شریک ہوا ہے جو مسلمانون کے

---

[1] خواجہ ہدایت اللہ بنام ریحن خانم ومورصاحب کی انڈین اپیلس جلد ۳ - صفحہ ۲۹۵ - کھجورالنسا بنام روشن جہان انڈین لا رپورٹ سلسلہ کلکتہ صفحہ ۱۸۹ - اِس دوسرے مقدمہ مین جملہ پریوی کونسل نے لڑکے کے علاوہ اور اُسکی مان کی حالت کی نسبت یہ کلمات لکھے ہین - جب کسی لڑکے سے اُسکا باپ اور اہل خاندان ہمیشہ اولاد کے طور پر پیش آتے ہون تو یہ گمان ہوتا ہے کہ اُس لڑکے کی مان اُسکے باپ کی زوجہ تھی ۱۱ - ۱۲ منہ [2] کتاب فقہ یہود مولفہ ابن ضد جلد ۲ صفحہ ۱۴۳

خاندان[1] مین برتے جاتے ہین یا ایسا کردار اُسنے کیا ہے جس سے لوگون کو یقین ہوگیا ہے کہ شخص اُس لڑکے کو اپنی اولاد حلال سمجھتا ہے یا اُسنے لوگون کی مبارکباد قبول کی تو اس صورت مین اُسکا یہ حق کہ اُس لڑکے کی ولدیت کا انکار کرے زائل[2] ہو جائیگا الا اینکہ وہ یہ ثابت کردے کہ اُسوقت وہ اپنی زوجہ کی بے عصمتی سے ناواقف تھا۔

اگر شوہر اُس مقام خاص پہ موجود ہو اور اپنی زوجہ کے زچا ہونے سے واقف ہو تو مالکیہ کے نزدیک دو دن اور حنفیہ کے نزدیک ایک ہفتہ انکار ولدیت کی میعاد ہے حنفیہ[3] کے نزدیک ایک ہفتہ مین سب رسوم زچاخانے کے ادا ہوجاتی ہین پس اگر اس مدت مین انکار ولدیت نہ کیا ہو تو البتہ یہی گمان ہوگا کہ شوہر کوئی وجہ اِس لڑکے کے ولدالحلال ہونے مین شک کرنے کی نہین رکھتا ہے۔

اگر شوہر غیرحاضر ہو تو شرعاً اُسکو اتنی مہلت دیگئی ہے جتنی مدت مین مبارکباد ہو جائے اور یہ مہلت اُسوقت سے لیجائیگی جب اُسکو اپنی زوجہ کے یہان بچہ ہونے کی پہلے اطلاع ہوئی تھی۔ شیعون کے نزدیک وہ میعاد جسمین شوہر لڑکے کی ولدیت کا انکار کرسکتا ہے چالیس روز ہین (یعنی کل زمانہ نفاس) خواہ شوہر حاضر ہو خواہ غائب۔ اگر وہ زوجہ پاس سے غائب ہو تو یہ میعاد اُسوقت سے شروع ہوگی جب اُسکو لڑکے کے پیدا ہونے کی اطلاع ہوئی ہو۔

---

[1] جیسے عقیقہ کا رسم ہے ۱۲ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۰۳۔ اور شرایع الاسلام صفحہ ۲۴۳

[3] و اذا نفی الرجل ولد امرأته عقیب الولادة او فی الحال التی یقبل التھنیة و یبتاع آلة الولادة صح نفیه ولاعن به وان نفاه بعد ذلك لاعن و یثبت النسب ولو کان غائبا عن امرأته ولم یعلم بالولادة حتی قدم له النفی عند ابی حنیفة فی مقدار مایقبل التھنیة وقالا فی مقدار مدة النفاس بعد القدوم۔

یعنی جب کوئی شخص اپنی بی بی کی اولاد کا اُسکے پیدا ہونے بعد انکار کرے یا اُسوقت جبکہ وہ مبارکباد لیتا ہو یا اُسوقت جب اسباب ضروریہ ولادت خریدا جاتا ہو تو اُسکا انکار صحیح و جائز ہے اور اُس سے لعان لیا جائیگا لیکن

قانون انگلستان اور قانون ممالک متحدۂ امریکا اور سب ملکون کے قانون کے
موافق جنمین قانون انگلستان جاری ہے جو اولاد قبل ازدواج والدین پیدا ہوئی ہو
وہ اُنکی مناکحت کے بعد حلال زادی نہین قرار پاسکتی۔ مگر قانون اسکاٹ لینڈ کی
موافق اور اُن ملکون کے قوانین کے بموجب جنمین رومیون کا قانون اختیار کیا گیا ہے
یا اُسکا اثر ہوا ہے جیسا فرانسیس ہے ایسی اولاد والدین کے بعد ولادت نکاح
کر لینے سے حلالی ہو جاتی ہے۔ یعنی اِن سب قوانین کے رو سے یہ ہے کہ اگر
والدین بعد ولادت اولاد نکاح کر لین تو وہ اولاد حلالی ہوگی۔

اِس مسئلہ مین شرع محمدی قانون انگلستان سے مشابہت تامہ رکھتی ہے
یعنی قانون انگلستان کی طرح شرع محمدیؐ مین بھی وہ اولاد حلالی نہین ہے جسکے والدین کا
نکاح اُسکی ولادت کے بعد ہوا ہو۔ مگر شرع محمدیؐ نے اِس سے ترقی کر کے اُس اولاد
کو بھی حلالی نہین قرار دیا ہے جسکا حمل حالت نکاح مین نہ رہا ہو گو وہ اسی حالت
مین پیدا ہوئی ہو۔ قانون انگلستان کے بموجب جو لڑکا حالت نکاح صالح مین
پیدا ہوا ہو وہ حلالی ہے گو اُسکا حمل قبل نکاح رہچکا ہو۔ مگر شرع محمدی مین تاکید ہے
کہ وہ جماع جسکا ثمرہ وہ لڑکا ہے جب حالت نکاح صالح مین ہوا ہو تب وہ لڑکا ولد الحلال
ہوگا چنانچہ فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ
زنا کرے اور اُس عورت کو حمل رہجائے تب اُسکے ساتھ عقد کر لے اور نکاح سے
چھ مہینہ کے اندر اُسکو لڑکا پیدا ہو تو وہ لڑکا اُس شخص کا نہ سمجھا جائیگا تاوقتیکہ

اگر اُسنے اِسکے بعد ولدیت کا انکار کیا ہو تو بھی اُس سے لعان لیا جائیگا مگر اِس لڑکے کا نسب اُسمین قائم ہو جائیگا
لکن اگر وہ اپنی زوجہ سے غائب رہا ہو اور لڑکا پیدا ہونے کا حال نہ جانتا ہو تو ابو حنیفہ کے نزدیک اُسکو اتنی میعاد
انکار کی دیجائیگی جتنی مدت مین مبارکباد قبول ہوتی ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک کل زمانہ
نفاس کا جو یہ خبر ملنے کے بعد گذرے۔ ۱۲۔ فتاواے عالمگیری

اُسکی ولدیت کا مدعی نہو اور یہ نہ کہدے کہ یہ لڑکا ولدالزنا نہیں ہے لیکن اگر وہ کہے کہ یہ لڑکا میرا نطفہ ہے مگر ولدالزنا ہے تو بھی اُسکی ولدیت نہ ثابت ہوگی ۱۱ ۔ ہدایہ مین بھی یہی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور تاریخ نکاح سے چھ مہینہ کی مدت مین اُس عورت کو لڑکا ہو تو وہ لڑکا اُس شوہر کا نہ سمجھا جائیگا کیونکہ اِس صورت مین قبل وقوع نکاح حمل رہچکا تھا لہذا[1] وہ حمل اُس شخص کا نہوا ۔

کتب شیعہ مین سے شرایع الاسلام اور جامع الشتات مین لکھا ہے کہ دو اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ جماع کرے اور اُسکو حمل رہجائے تب وہ اُس سے نکاح کرلے تو وہ لڑکا اُس شخص کے نسب سے نہوگا ۱۱

ان فتاوے مین دو امر قابل لحاظ ہین ۔ ایک امر یہ ہے کہ نہ صرف سنی اور شیعہ مین اختلاف عظیم ہے بلکہ فتاوے عالمگیری اور ہدایہ مین خود اختلاف موجود ہے گو غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ اختلاف بادی النظر مین ہے نفس الامر مین نہین ہے ۔

شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر حمل قبل وقوع نکاح رہچکا ہو تو اولاد باپ کے نطفہ سے ہرگز نہوگی اور نہ اُسکی اولاد سمجھی جائیگی ۔ مگر فتاوے عالمگیری مین لکھا ہے کہ اگر حمل قبل نکاح رہچکا ہو اور لڑکا اُس سے چھ مہینہ کے اندر پیدا ہو تو وہ حلالی نہوگا ۔ اس قول سے ضمناً یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر اسکے بالعکس ہو یعنی اگر حمل قبل نکاح رہچکا ہو مگر لڑکا چھ مہینہ کے بعد پیدا ہوا ہو تو وہ حلالی ہوگا ۔ پس یہ تو لڑکے کے حق مین مفید ہوگا ۔ مگر ہدایہ مین اِس مسئلہ کی بنیاد اُوہی قرار دی ہے گو آخر کو فتاوے عالمگیری کے موافق نتیجہ نکلتا ہے ۔ ہدایہ کا قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اقل مدت حمل چھ مہینہ ہے لہذا اگر کوئی لڑکا اُس میعاد کے اندر پیدا ہو تو وہ شوہر کا نطفہ نہین تصور ہوسکتا اور اُسکی ولدیت کسی اور شخص کی طرف منسوب کرنی چاہیئے الّا اینکہ شوہر اُسکو اپنی اولاد بیان کرے

[1] فتاوے عالمگیری صفحہ ۲۰۷ اور فتاوے قاضی خان صفحہ ۴۲۱ ۔ ۱۲ منہ

پس بطور قاعدۂ کلیہ کے یہ کہہ سکتے ہین کہ شیعون کا قول سنیون کے قول سے سخت تر ہے اسواسطے کہ اہل سنت کے نزدیک تو یہ ہے کہ اگر اولاد نکاح کے چھ مہینہ کے بعد پیدا ہو تو وہ حلالی سمجھی جائیگی گو حمل اس سے پیشتر ہی رہچکا ہو مگر شیعون کے نزدیک ولد الحلال وہی ہے جسکا حمل حالت زوجیت شرعی مین رہا ہو۔

بمقدمہ احمد حسین خان بنام حیدر حسین خان دمور صاحب کے انڈین اپیل صفحہ ۹۴ جلد ۱۱ عدالت العالیہ پروی کونسل نے یہ اصول صریحاً مقرر کردیا ہے کہ شرع محمدی مین وہ ولد الحلال ہونے کا گمان زوجیت کے بعد ہوتا ہے زوجیت کے پیشتر نہین ہوتا اس اصول سے وہی بات ثابت ہوتی ہے جو سابق مین بیان کی گئی کہ شرع محمدی مین یہ مسئلہ معتبر نہین ہے کہ مابعد کے نکاح سے اولاد حلالی ہوجاتی ہے ۔ مگر اس رواج کو قیود مصرحۂ بالا سے مقید سمجھنا چاہیئے۔

نکاح مشکوک سے جو اولاد پیدا ہو وہ شرع محمدی مین حلالی سمجھی جاتی ہے۔

مجموعۂ قوانین نپولین کے بموجب یہ ہے کہ جب معاہدۂ نکاح نیک نیتی سے ہوا ہو تو ایسے نکاح سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ قانوناً حلالی ہوگی گو بعد ازآن وہ نکاح باطل اور ناجائز قرار دیا جائے۔

فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ وہ نکاح فاسد بعض اعتبارات سے نکاح صحیح[1] سے مشابہت رکھتا ہے اور منجملہ اُن اعتبارات کے ایک یہ ہے کہ دونون سے ولد یت ثابت ہوجاتی ہے ۱۲ ۔

شیعون کا قول اس باب مین زیادہ تر صریح و واضح ہے ۔ فقہاے شیعہ[2] کے نزدیک نسب نکاح صحیح اور نکاح مشکوک دونون سے قائم ہوجاتا ہے ۔ مشارٌ الیہ

---

[1] جامع الشتات ۔ مفاتیح ۔ ارشاد علامہ ۔ شرایع الاسلام ۔ ۱۲ ۔ منہ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۲۷ ۔ ۱۲ منہ

کوئی شخص نیک نیتی سے نکاح کرے اور وہ نکاح ناجائز ثابت ہو یا کوئی شخص کسی عورت کو اپنی زوجہ سمجھکر سہواً یا نیک نیتی سے اُسکے ساتھ مباشرت کرے تو جو اولاد ایسے نکاح یا ایسی مباشرت سے پیدا ہو وہ شرعاً حلالی ہوگی[1] — اسی طرح سے نسب ثابت ہو جائیگا گو نکاح فی الواقع باطل و ناجائز ہو — مثلاً اگر وہ شخص ایسی عورت سے عقد کرے جو شرعاً اُسپر حرام ہو یا جس سے نکاح کرنا حرام ہو خواہ اسوجہ سے کہ وہ عورت اُس مرد کے اقربا سے نسبی یا محرمات شرعیہ مین داخل ہو خواہ کوئی اتفاقی سبب سے جیسے رضاعت یا قرابت زوجیت ہے تو ایسے نکاح سے جو اولاد ہوگی وہ حلالی ہوگی بشرطیکہ نکاح سہواً ہوگیا ہو اور متناکحین اُسکی حرمت شرعیہ سے واقف نہون[2] — اگر کوئی شخص محرمات شرعیہ مین سے کسی عورت سے محض غلطی سے یا سہواً نکاح کرلے تو ایسا نکاح فی نفسہ باطل ہوگا مگر اُس سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ حلالی ہوگی — اس مسئلہ مین امام اعظم ابو حنیفہ علماے شیعہ سے متفق ہین گر صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد نے جنکے اقوال کو فقیہ جلیل ابو اللیث نے اختیار کرلیا ہے اور جنکے مقلد ہندوستان کے حنفی مذہب لوگ ہین اُنکے خلاف فتوے دیا ہے — اُنکا قول یہ ہے کہ جو نکاح فی نفسہ ناجائز ہو اُس سے جو اولاد بہم پہونچے وہ بھی حرامی ہوگی خواہ ایسا[3] نکاح سہواً ہوا ہو خواہ عمداً —

اگر کوئی عورت جسکا شوہر اول زندہ ہو نیک نیتی سے اور یہ یقین کرکے کہ شوہر اول مرگیا ہے دوسرا عقد کرلے اور جس شخص سے اُسنے دوسرا نکاح کیا ہے اُسکو بھی یہی یقین ہو تو ایسے نکاح سے جو اولاد ہوگی وہ شیعون کے نزدیک حلالی اور حنفیہ کے نزدیک حرامی ہوگی — لیکن اگر متناکحین یہ جانکر عقد کرلین کہ اس عورت کا شوہر اول زندہ ہے تو زنا واقع ہوگا اور فریقین کے نزدیک ایسے نکاح سے جو اولاد پیدا ہو وہ اپنے باپ سے نسب نہ رکھیگی —

---

[1] ارشاد علامہ و شرایع الاسلام صفحہ ۱۰۳ — ۱۲ منہ [2] جامع الشتات و شرایع الاسلام صفحہ ۷۵۴ — ۱۲ منہ

[3] فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۰ — ۱۲ منہ

شیعون کے نزدیک ولد الزنا اپنے ماں باپ سے نسب نہین رکھتا ہے — اسکی
ولدیت کالعدم سمجھی جاتی ہے — پس نہ وہ مرد جسنے حرام سے حمل رکھا اور نہ وہ عورت
جسنے زنا سے حمل رکھوایا ہے اور نہ انکا کوئی عزیز یا رشتہ دار ولد الزنا کی میراث پاسکتا ہے
اور نہ ولد الزنا اُنکا وارث ہو سکتا ہے —

حلت نسب کے اصول جو شیعون کے نزدیک معتبر ہین اُنمین بمقدمہ صاحبزادی بیگم
بنام مرزا ہمت بہادر ہائی کورٹ کلکتہ مین خوب بحث ہو چکی ہے — اِس مقدمہ[1] مین
ایک ہندو راجہ مدان نرائن سنگھ نامے نے ایک شیعہ عورت براتی بیگم سے تعلق کر لیا تھا —
اِس تعلق سے کئی اولادین پیدا ہوئین اور اُن سب نے دین اسلام اور مذہب شیعہ مین پرورش
پائی اُنہین سے ایک بیٹا مر گیا اور ایک بھائی اور ایک بہن اور ایک زوجہ مسمات
صاحبزادی بیگم چھوڑ گیا — پس بحث اِس بات پر ہوئی کہ آیا یہ ورثہ کوئی حق متوفی کی جائداد مین
رکھتے ہین — آخر کو یہ تجویز ہوا کہ چونکہ مذہب شیعہ کے بموجب یہ اشخاص کوئی نسب مالک
جائداد سے نہین رکھتے تھے لہذا کوئی حق وراثت اُسکی جائداد مین نہین رکھتے ہین —

پس شیعون کے مذہب مین ولد الزنا کوئی نسب ماں یا باپ سے نہین رکھتا ہے مگر
ولد الملاعنہ کے باب مین حکم شرع اَور ہے اور ولد الملاعنہ سے وہ لڑکا مراد ہے جسکی ولدیت
لعان کی کارروائی سے قطع ہو گئی ہو —

ولد الملاعنہ کا نسب مرد سے قطع ہو جاتا ہے عورت سے نہین قطع ہوتا
پس اُسکی ماں اور اقربائے مادری اُسکی جائداد مین حق وراثت رکھتے ہین اور وہ اُنکے
مال مین رکھتا ہے[2] — لیکن اگر باپ لعان کو منسوخ کر دے تو حلت نسب دوبارہ قائم ہو جائیگی
اور وہ لڑکا حق وراثت اپنے باپ کی جائداد مین رکھیگا مگر اِسکے بالعکس نہوگا یعنی لعان کو منسوخ

---

[1] سدرلینڈ صاحب کا ویکلی رپورٹر صفحہ ۱۵ — اور بنگال لا رپورٹ — جلد ۳ صفحہ ۱۰۳ — ۱۲ منہ [2] مسلمہ کا نکاح
غیر مسلم کے ساتھ شرعاً حرام ہے — ۱۲ [3] ارشاد علامہ — جامع الشتات — شرایع الاسلام صفحہ ۳۴۹ — ۱۲ منہ

کرنے سے باپ کا حق وراثت اُس لڑکے کی جائداد مین دوبارہ نہ قائم ہوگا ـــ
مگر اہل سنت کے نزدیک ولد الزنا اور ولد الملاعنہ مین نسب کے اعتبار سے کچھ فرق نہین ہے ـــ دونون کا نسب مان سے اور اقربائے مادری سے قائم رہتا ہے اور دونون مان اور اقربائے مادری سے میراث پاتے ہین اور وہ اُنکے وارث[لہ] ہوتے ہین ـــ مثلاً اگر مقدمہ صاحبزادی بیگم بنام مرزا ہمت بہادر مین فریقین شیعہ نہوتے بلکہ سُنی ہوتے تو بھائی اور بہن اپنے برادر متوفی کی جائداد مین یقیناً ترکہ پاتے ـــ

جب مرد اور عورت کا نکاح ہوگیا ہو اور نکاح مشہور ہوچُکا ہو اور بخوبی ثابت ہوسکتا ہو تو اولاد کے نسب مین جو نزاع پیدا ہو وہ صرف اسقدر باقی رہجاتی ہے کہ آیا یہ اولاد حالت زوجیت شرعیہ مین پیدا ہوئی تھی اور اسی حالت مین اسکا حمل رہا تھا یا نہین ـــ مگر بعض صورتون مین نکاح بآسانی نہین ثابت ہوسکتا ـــ ممکن ہے کہ نکاح کسی دور و دراز کے ملک مین ہوا ہو یا ایسے حالات مین ہوا ہو کہ شہادت تحریری یا شہادت زبانی وقوع نکاح کی نسبت نہ بہم پہونچ سکے ـــ ایسی صورتون مین دائمی یکجائی سے اور فریقین کے زن و شوہر مشہور ہوجانے سے شرعاً نکاح صحیح فرض کرلیا جائیگا بشرطیکہ ایسے فرض کا کوئی مانع قوی نہو اور بشرطیکہ زن و شوہر مین جو تعلق ہے وہ سرسری اور چند روزہ نہو بلکہ مستقل اور دائمی ہو جس سے یہ قیاس ہوسکے کہ انکا عقد بپابندی احکام شرع ہوا[سلہ] تھا ـــ مثلاً اگر کوئی عورت کسی مرد سے نکاح کرے اور اُسنے طلاق نہ دیا ہو پھر وہ عورت دوسرے شخص سے تعلق کرلے اور ہمیشہ اُسکے ساتھ رہا کرے تو ایسی دائمی یکجائی سے عقد شرعی کا گمان نہ کیا جائیگا درحالیکہ اِن دونون کے نکاح کا مانع شرعی موجود ہے ـــ یا اگر وہ عورت اُس مرد سے قرابت نسبی رکھتی ہو یا اُسکی محرمات شرعیہ مین داخل ہو تو اُنکے زن و شوہر کے طور پر یکجا رہنے

لہ کنز الدقائق اور فتاواے عالمگیری صفحہ ۶۲۹ ـــ ۱۲ منہ سلہ باقر حسین بنام شرف النساء بیگم مور صاحب کے انڈین اپیلس جلد ۷ صفحہ ۱۵۹ ـــ ۱۲ منہ

نکاح شرعی نہین غرض کیا جائیگا - لیکن اگر انکے نکاح کا کوئی مانع شرعی نہو اور انمین محض تعلق
سرسری و اتفاقی نہو بلکہ دائمی یکجائی سے شرعًا یہ قیاس کیا جائیگا کہ انکا نکاح صحیح ہے اور
اُنسے جو اولاد ہوگی وہ شرعًا حلالی سمجھی جائیگی - اگر تعلق دائمی سے نکاح کا قیاس کیا جائے
تو ایسے نکاح سے جو اولاد ہوگی وہ صرف باپ کے اقرار ولدیت سے حلالی قرار پاسکتی ہے
خواہ وہ اقرار صریحی ہو خواہ ضمنی - یہ کچھ ضرور نہین ہے کہ باپ اُسکی ولدیت کا اقرار صریحی
کرے - اگر اُسکے کردار اور اُسکے سلوک یا برتاو سے یہ ثابت ہو کہ اسکو اس لڑکے کی
ولدیت کا اقرار ہے تو شرعًا وہ ولد الحلال سمجھا جائیگا -

حاشیہ ۱ -

امام اعظم ابو حنیفہ کا قول ہے کہ جب نکاح موجود ہو تو بحالت نکاح مین جو حمل رہا ہو اور اولاد ہوئی ہو وہ حلالی
سمجھی جائیگی - اِس مسئلہ سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ اگر نکاح مین کوئی بڑا عیب موجود ہو وہ بھی
اولاد کی صحت نسب مین حارج نہوگا - مثلاً مرد اور عورت باہم ایسی قرابت رکھتے ہون کہ ایک
دوسرے پر شرعًا حرام ہو اور اُنکا نکاح باہم ہوجائے تو بھی ایسے نکاح سے جو اولاد ہوگی وہ حلالی ہوگی
بیلی صاحب فرماتے ہین کہ فتاوائے عالمگیری کے مولفین نے امام ابو یوسف اور امام محمد
کے اقوال سے چشم پوشی کرکے امام اعظم ابو حنیفہ کا قول جو اِن دونون صاحبون کے اقوال کے
خلاف ہے اختیار کرلیا ہے - میرے نزدیک بیلی صاحب کا یہ قول غلط ہے - مین جانتا ہون کہ
بیلی صاحب نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ ازدواج کے مضمون سے کچھ تعلق نہین رکھتا ہے -
اور علمائے حنفیہ کے اقوال مین مقابلہ کرنے سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کے
فقہائے حنفی بلاد المغرب کے علمائے اسلام سے اس مسئلہ مین اتفاق رکھتے ہین - فقط

---

۱ مور صاحب کے انڈین اپیل جلد ۱۱ - صفحہ ۹۴ - اور جلد ۸ صفحہ ۱۴۵
مقدمہ مسماۃ حسنو بنام مسماۃ وحید النساء فیصلات صدر عدالت دیوانی آگرہ ۱۸۶۳ع
صفحہ ۸۰ ۳ - ۱۲ سنہ مذ

چوتھا باب

تبنّی اور ولدیت اور اقرار ولدیت۔

تبنّی شرع محمدی مین اُس معنی سے معتبر نہین ہے جو معنی ہنود سمجھتے ہین یا جس معنی سے رومیون مین اسکا رواج تھا۔ جیسا کی زمانہ حال ہنود مین ہے ویساہی زمانہ سلف مین رومیون مین تبنّی مذہبی خیالات سے تعلق تام رکھتی تھی۔ یعنی مردون کی نجات اخروی اور گھر کے دیوتاؤن کا بقا اُسپر موقوف سمجھا جاتا تھا۔ مشرکین عرب[1] مین بھی یہ دستور جاری تھا اور ایسی ہی اصل رکھتا تھا۔

مشرکین عرب اُس شخص کو جو لاولد مرجاتا تھا الابتر یعنی دُم بریدہ کے لقب مکروہ سے یاد کرتے تھے اسی سے بخوبی ثابت ہے کہ تبنّی کا رسم انکی نظرون مین کیسی عظمت و وقعت رکھتا تھا

معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلعم نے زید ابن حارث کو اپنا متبنّی بنایا تھا اُسوقت آپ صلعم کے نزدیک یہ رسم معتبر تھا۔ لیکن بعدازآن جب آپ صلعم نے عرب کے بت پرست قبائل سے وہ رسوم قبیحہ ترک کرادیے جنکے وہ عادی تھے اور انکو بلند اور عمدہ خیالات قرابت خاندانی کی نسبت سکھائے تو صاف صاف اُسنے فرمادیا کہ جیسا دستور تبنّی کا ایام جاہلیت مین جاری تھا اُس سے متبنّی اور متبنّٰی یعنی پسر مجازی اور پدر مجازی مین ویسی قرابت نہین پیدا ہوتی جیسی نسب سے پیدا ہوتی ہے[2]۔

پس شریعت مین کسی قسم کی تبنّی معتبر نہین ہے جبکہ معلوم ہو کہ متبنّٰی اُس شخص کی اولاد نہین ہے جسنے اسکو متبنّٰی بنایا ہے بلکہ اور شخص کی اولاد ہے۔

[1] تاریخ کاسن ڈی پرسوال اور تاریخ عرب صفحہ ۳۴۴ — [2] مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَکُمُ اللَّائِیْ تُظَاہِرُوْنَ مِنْہُنَّ اُمَّہَاتِکُمْ وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَاءَکُمْ اَبْنَاءَکُمْ ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاہِکُمْ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَہُوَ یَہْدِی السَّبِیْلَ یعنی نہین رکھے خدا نے دو دل کسی شخص کے سینہ مین اور نہین کیا خدا نے تمہاری ان بیبیون کو جنکو تم ظہار دیا ہو تمہاری مائین اور نہین کیا اللہ نے ان لڑکون کو جنکو تم اپنا بیٹا کہتے ہو تمہارے بیٹے یہ بات تم اپنے

شرع شریف مین صرف ایک قسم کی تبنّی معتبر ہے یعنی وہ تبنی جو اقرار سے پیدا ہو —
فقط باپ کو ولدیت قائم کرنے کا حق حاصل ہے ماں اور دیگر اقربا اس سے بالکل خارج ہین —
ایسا اقرار[۱] صریحی ہوتا ہے یا ضمنی - یعنی اقرار ولدیت واضح الفاظ مین ہو سکتا ہے یا باپ کے
کردار اور دائمی سلوک سے جو وہ اپنی اولاد کے ساتھ کرتا ہے اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اسکو
اپنی اولاد جانتا ہے ثابت ہوتا ہے — مگر اقرار ولدیت شرعًا جائز اور مؤثر اسوقت ہوگا
جبکہ تین شرطین پائی جائین —

(۱) مقر اور مقرلہ دونون کی عمرین ایسی ہون کہ ایک باپ اور دوسرا اسکی اولاد عقلاً
ہو سکے — مثلاً کوئی شخص اپنے اور دوسرے مین باپ اور بیٹے کا رشتہ نہین قائم کرسکتا
تاوقتیکہ وہ ساڑھے بارہ برس اُس لڑکے سے بڑا ہو جسکی ولدیت کا اقرار کیا جاتا ہے
یا جسکو وہ اپنا بیٹا بنانا چاہتا ہے —

(۲) مقرلہ یعنی جس شخص کی ولدیت کا اقرار کیا ہے مجہول النسب ہو یعنی اُسکے باپ کا
حال نہ معلوم ہو — اگر اُسکی ولدیت یا نسب معلوم ہو تو مقر کی طرف اسکو نسبت نہ دیجائیگی

(۳) مقرلہ خود یقین رکھتا ہو کہ مین مقر کی اولاد ہون یا اقل مراتب یہ ہے کہ اس کو قبول کرے
تیسری شرط کے باب مین ہدایہ مین لکھا ہے کہ - "وہ یہ بھی شرط ہے کہ لڑکا اُسکے اقرار کی
تصدیق کرے اسواسطے کہ وہ فاعل مختار سمجھا جاتا ہے اور اپنی کیفیت خود بیان کرسکتا ہے
اگر لڑکا اپنا حال نہ بیان کرسکے تو اور ہی صورت ہوجائیگی "—

منہ سے کہتے ہو اور اللہ سچی بات کہتا ہے اور وہی سچی راہ بتلاتا ہے — ۱۲ قرآن مجید سورۃ الاحزاب آیت ۴
اور تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۹۰ — ۱۲ منہ [۱] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۰۷ - شرح وقایہ صفحہ ۴۳۹ - ہدایہ کتاب ۲۴
باب ۳ - شرائع الاسلام صفحہ ۳۲۷ - مور صاحب کے انڈین اپیلس جلد ۳ صفحہ ۴۳۵ سدر لینڈ صاحب کا
ویکلی رپورٹر جلد ۵ صفحہ ۱۳۲ - ۱۲ منہ [۲] اس مسئلہ مین شیعہ اور سنی مین کچھ اختلاف نہین ہے شرائع الاسلام صفحہ ۴۹۶
۱۲ منہ [۳] ہدایہ کتاب ۲۵ باب ۳ صفحہ ۱۶۹ و ۱۷۰ - یہ قاعدہ اولاد ذکور و اناث دونون پر صادق آتا ہے — ۱۲ منہ

جو لڑکا ایسا صغیر السّن ہو کہ باپ بیٹے کی قرابت کے معنی نہ سمجھ سکتا ہو یا اپنی کچھ کیفیت نہ بیان کرسکتا ہو اُسکو اقرار ولدیت قبول کر لینا شرعًا ضرور نہیں ہے نہ اُسکی رضامندی ایسے اقرار کے جواز کی شرط ہے جیسا کہ بالغ ورشید کی رضامندی شرط ہے —

کتاب جوہرۃ النّائرہ مین لکھا ہے کہ "وہ ولدیت کو قبول کر لینا صرف اُس لڑکے کو ضرور ہے جو صاحب تمیز اور ذی شعور ہو اور اپنی کیفیت بیان کرسکتا ہو صغیر السّن لڑکے کے واسطے یہ بھی ضرور نہیں ہے[1]"

جامع الشّتات مین لکھا ہے کہ - "وہ صغیر السّن لڑکے کی رضامندی کا کچھ لحاظ نہ کیا جائیگا" - اور شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ "اگر کسی صغیر السّن لڑکے کی ولدیت کا اقرار کر لیا گیا ہو اور بعد بلوغ وہ اُبوّت سے انکار کرے تو ایسا انکار شرعًا بیکار ہوگا[2]" — اقرار اُبوّت سے تمام نتائج شرعی ابوّت حقیقی کے پیدا ہوتے ہین اور اُس لڑکے کو مقر کی میراث پانے کا حق حاصل ہو جاتا ہے — پس اقرار ابوّت بعض نتائج شرعی کے اعتبار سے مسئلہ حلّت نسب بعد وقوع نکاح کے مشابہ ہو سکتا ہے -

مگر اِن دونون مسئلون مین فرق مبین یہ ہے کہ اقرار ولدیت سے تقدم نکاح سمجھا جاتا ہے لکن مسئلہ حلّتِ نسب بعد وقوع نکاح (یعنی نکاح کے پیشتر جو حمل رہا ہو اُسکی اولاد مبنی نکاح کرنے کے حلالی ہو) بالکل ایک مختلف بنا پر مبنی ہے — تاہم جہانتک حلّت نسب متعلق ہے اِن دونون مسئلون سے ایک ہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے یعنی حلالی بنا دینا اُس اولاد کا جو نا جائز نکاح سے پیدا ہوئی ہو یا ایسے نکاح سے پیدا ہوئی ہو جسکے جائز طور سے ہونے کا کوئی ثبوت نہو — اگر کوئی زن منکوحہ اقرار ولدیت کرے تو وہ شرعًا معتبر نہیں ہے کیونکہ اُسکا اقرار دوسرے شخص پر یعنی شوہر پر مؤثر ہوتا ہے

---

[1] شاما چرن سرکار کے لکچر شرع محمدی جلد ۱ صفحہ ۲۷۳ - ۱۲ منہ [2] شرائع الاسلام ۶۲۹ —

ارشاد علامہ — جامع الشّتات — ۱۲ — منہ

الا اسیکہ اُسکے اقرار کی تصدیق یا خود شوہر کے اقرار سے ہوجائے ۔ مثلاً اگر ہندہ زوجۂ زید کہے کہ عمرو جو ایک مجہول النسب شخص ہے میرا بیٹا ہے تو اسکا یہ کہنا شرعاً مؤثر نہوگا کیونکہ اگر ایسا ہو تو زوجہ کے اقرار کا ذمہ دار شوہر ٹھہریگا جس سے شاید اُسکی حق تلفی یا نقصان ہوگا تاہم اگر شوہر زوجہ کے اقرار کی تصدیق کردے تو وہ اقرار صالح ہوجائیگا اور وہ لڑکا ولد الحلال قرار پائیگا ۔

اِس قاعدہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ جھوٹی اولاد بنا کر کسی شخص کے سر نہ تھوپ دیجائے ۔ اور اِسی غرض سے یہ بھی حکم شرع ہے کہ امیت دایہ کی شہادت سے ثابت ہوسکتی ہے جب یہ دریافت کرنا ضرور ہو کہ وہ لڑکا جسکی نسبت کوئی دعوی کیا جائے وہی لڑکا ہے جسکو اِس دایہ نے جنایا تھا ۔

پس معلوم ہوا کہ وہ عورت جسکا نکاح ہوچکا ہو یا وہ عورت جو عدہ کی حالت مین ہو جس حالت مین وہ دوسرا نکاح نہین کرسکتی ہے کسی لڑکے کا اقرار ولدیت کرنے سے یا کسیکو متبنی بنانے سے شرعاً ممنوع ہے تاوقتیکہ اُسکے اقرار کی تصدیق اُسکا شوہر نہ کردے یا گواہان عدول کی شہادت سے ثابت نہو جائے کہ یہ لڑکا اُسی عورت کا ہے ۔ چنانچہ عنایہ[1] مین لکھا ہے کہ ۔ "ود بیٹے کے باب مین عورت کا اقرار ناجائز ہے کیونکہ اُسکا اقرار دوسرے شخص یعنی باپ پر مؤثر ہوتا ہے اِلّا اسیکہ اُسکے اقرار کی تصدیق اُسکا شوہر کردے (جسکا یہ حق ہے) یا اُس لڑکے کی ولادت دایہ کی شہادت سے ثابت ہوجائے"

مگر فرض کیجیے کہ شوہر مرگیا ہو اور اُسکے مرنے کے بعد لڑکا پیدا ہوا ہو تو ماں کا اقرار اُسکی ولدیت سے زمانۂ عدہ مین یا اکثر مدت شرعیۂ حمل مین اسوقت مؤثر ہوگا جب اور ورثہ متوفی کے کچھ مزاحمت نہ کرین ۔

---

[1] ہدایہ کتاب ۲۴ ۔ باب ۲۵ ۔ ۱۲ ۔ منہ ۔ عنایہ صفحہ ۲۱۵ ۔ شاماچرن سرکار کی لکچر شرع محمدی پہ صفحہ ۳۸۰ ۔ ۱۲ ۔ منہ ۔

اگر لڑکے کی ولادت مورد نزاع نہو اور اسکے صحت نسب مین کچھ کلام نہو اور اگر
مان کے اِس کہنے کو کیہ لڑکا جو مجھے پیدا ہوا ہے میرے شوہر متوفی کا ہے اُسکے ورثہ
صریحًا یا ضمنًا قبول کرلین تو اِس صورت مین وہ لڑکا اُسکے شوہر کے نطفہ سے سمجھا جائیگا
گو اُسکی ولادت کا شاہد کوئی نہو۔[۱]

البتہ ایسا لڑکا اپنے پدر متوفی کی میراث پائیگا۔ مگر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جب اُسکی
ولدیت اِسطرح ثابت ہوگئی ہو تو جن ورثہ نے اسکو متوفی کی اولاد قبول کرلیا ہے
آیا اُنکے سوا اور ورثہ کے حقوق پر بھی اُسکی ولدیت موثر ہوگی۔ پھر یہ سوال ہے کہ آیا
اُن ورثہ کے اقرار ولدیت سے اُس لڑکے کی حلال زادگی فی الواقع ناطق طور سے ثابت
ہو جائیگی اور اُسکا حق مطلقًا قائم ہو جائیگا۔ ج۔ اِس مسئلہ مین علما کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے
کہ اگر اقرار کرنے والے وارثون کے صادق القول اور معتبر ہونے مین کوئی شک نہو اور
اُنکے اقرار پر کسی قسم کا اعتراض نہو سکے تب جو ولدیت اُنکے اقرار سے ثابت ہو وہ دیگر ورثہ کے
حقوق پر بھی مانند خود اُنکے حقوق کے موثر ہوگی اور تمام دنیا کے مقابل مین ناطق ہوگی۔

شیعون کے مذہب مین بھی شوہر دار عورت اپنے اور دوسرے شخص کے درمیان
وہ قرابت پیدا کرسکتی ہے جو مان اور اُسکے اولاد مین ہوتی ہے بشرطیکہ تمام شرائط ضروری کی
تکمیل ہو جائے اور اُسکا شوہر اُسکے اقرار کی تصدیق کردے۔ شیعہ[۲] اور سنی دونون کا اتفاق

[۱] ہدایہ صفحہ ۳۹۱۔ ۱۲ منہ [۲] ہدایہ صفحہ ۳۸۱۔ ۱۲ منہ [۳] امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہین
کہ اگر کوئی عورت جو اپنے شوہر سے جدا ہوگئی ہو عدہ کے زمانہ مین لڑکا جنے تو اُسکی ولدیت شوہر مین
نہ قائم ہوگی تاوقتیکہ اُسکی ولدیت دو مرد گواہون یا ایک مرد اور دو عورت گواہون کی گواہی سے نہ ثابت
کیجائے۔ مگر مصنف ہدایہ نے اِس قول مین یہ تاویل کی ہے کہ یہ قاعدہ اُس صورت مین جاری
ہوگا جبکہ ظاہر الحمل نہو۔ مگر امر واقعی یہ ہے کہ یہ مسئلہ طے ہوگیا ہے کہ دایہ کی شہادت شرعًا
اثبات ولدیت کو کافی ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے قول کا مقابلہ شیعہ کے اقوال کے ساتھ
کیجئے۔ ۱۲ منہ

اُن شرائط کے باب مین ہے جو ولدیت کے اقرار صالح کو لازم ہین شیعون کے نزدیک بھی یہی ہے کہ اول تو جس لڑکے کی ولدیت کا اقرار ہوا ہے وہ مجہول النسب یا مجہول الابوّت ہونا چاہیئے اگر یہ عموماً مشہور ہو کہ مقر اور مقرلہ باہم وہ قرابت نہین رکھتے ہین جسکے وہ مدعی ہین یا اگر یہ معلوم ہو کہ وہ دونون مختلف خاندانون سے ہین یا یہ کہ اُس لڑکے کا باپ یا ماں مقر کے سوا اور کوئی شخص مشہور ہو تو ایسا اقرار صحیح نہوگا۔

ثانیاً مقر اور مقرلہ کے سن مین ایسا فرق ہونا چاہیئے کہ جس قرابت کا اقرار ہوا ہے وہ ممکن عقلاً ہو سکے۔ شیعون کے مذہب مین اُس عمر کی کوئی خاص حد نہین مقرر ہے بلکہ ایسی صورتون مین اس اصول کا اعتبار کیا ہے جو قانون طبیعی سے پیدا ہوا ہے۔ باپ کا اقرار ولدیت اُس حال مین بھی صحیح نہوگا جبکہ اس لڑکے کی عمر مین اُسکی رسائی اُسکی ماں تک ممکن نہوئی ہو۔

ثالثاً[۳] اُس لڑکے کی ابوّت مورد نزاع نہو یعنی اور کوئی شخص مدعی نہو کہ یہ میری اولاد ہے کا ایسی صورت مین اقرار ولدیت بلا ثبوت صحیح[۱] نہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ زن شوہر دار کا اقرار ولدیت شرعاً اسوقت صحیح ہوگا جبکہ اُسکا شوہر اُسکے اقرار کی تصدیق کر دے اور شرائط مصرحہ بالا کی تکمیل ہو جائے۔

لکن جب شوہر کے مرنے کے بعد زوجہ کے یہان لڑکا پیدا ہو تو یہ مسئلہ بہت مشکوک معلوم ہوتا ہے۔ اگر اُس لڑکے کی ولادت کی نسبت کچھ نزاع نہو تو اسکی ولدیت یقیناً اس عورت کے شوہر متوفی کی طرف منسوب کیجائیگی۔ مگر جب اُس لڑکے کی حلال زادگی مین نزاع ہو تو ایسی دقتین پیدا ہوتی ہین جو مسائل شیعہ کے لفظی معنی کہنے سے بآسانی رفع نہین ہو سکتین۔ اس صورت مین عدل و انصاف کا لحاظ کیا جائیگا اور متاخرین علماے ایران نے جو حکم شرع قرار دیا ہے اُسکی پابندی[۲] کیجائیگی۔

---

[۱] شرائع الاسلام صفحہ ۲۷۳ و ارشاد علامہ اور بنگال لا ریپورٹ۔ جلد ۹ صفحہ ۵۵۔ ۱۲ منہ

[۲] جامع الشتات ۲، ۔ منہ [۳] جامع الشتات مین جو مسائل لکھے ہین اُنکو ملاحظہ کیجیے ۔ ۱۲ ۔ منہ

مثلاً شیعون کے مذہب مین نسب نہین ثابت ہو سکتا مگر شاہدین عادلین[1] کی شہادت سے
اور یہ نسب دو فاسقون کے گواہی سے ثابت ہو سکتا ہے اگرچہ وہ ورثہ ہون اُنکو ہانتک
جہانتک خود وہ دونون فاسق متعلق ہین —— اِس قید کی مصلحت بہت ظاہر ہے —— یہ قید
اِسوجہ سے لگائی گئی ہے کہ بے ایمان ورثہ باہم سازش کرکے کوئی جعل یا فریب نہ کرسکین
یہ مسئلہ ذیل سے ثابت ہوتی ہے —

(مسئلہ) — اگر دو بھائی کہ دونون عادل ہون کسی شخص کے باب مین گواہی دین کہ یہ ہمارے
برادر متوفی کا بیٹا ہے تو اُس شخص کا نسب اور اُسکا حق وراثت متوفی کی جائداد مین ثابت ہوجائیگا
مگر ایسے حق سے متوفی کا حق اُس شخص کی جائداد مین[2] نہ قائم ہوجائیگا —— جس بیٹے کی ولدیت کا
اقرار اِسطرح کرلیا جائے وہ متوفی کی میراث پائیگا مگر نہ وہ متوفی کے بھائیون کی میراث پائیگا
نہ اُسکے بھائی اُسکی میراث پائینگے —— اگر دو بھائی کہ دونون فاسق ہون کسی لڑکے کے باب مین
اقرار کرین کہ یہ ہمارے برادر متوفی کی اولاد ہے تو ایسا لڑکا اُنپر ترجیح رکھکر متوفی کی میراث پائیگا

بس اس سے ظاہر ہے کہ جب اُس لڑکے کی حلال زادگی مین کلام ہو جو اپنے باپ کی
وفات کے بعد پیدا ہوا ہو تو مذہب شیعہ مین بہ نسبت مذہب حنفی کے فریب وسازش کے
مواقع زیادہ درکار ہین — جبتک یہ بات مدنظر رکھی جائیگی اور اُس لڑکے کا حمل اور ولادت
لائق اطمینان طور سے ثابت کردیجائیگی اُسوقت تک اگر اِن دقتون کا لحاظ نہ رکھا جائے جو اِس مسئلہ
مین شیعون کی ہین تو کچھ قباحت نہین ہے ——

مذہب شیعہ مین یہ ہے کہ اگر متوفی ایک زوجہ اور کئی بھائی چھوڑ جائے اور وہ زوجہ
کسی لڑکے کو کہے کہ یہ میرے شوہر متوفی کی اولاد ہے تو اُسکا حصہ متوفی کی جائداد مین
ایک ربع سے گھٹکر ایک ثمن ہوجائیگا اور جس لڑکے کی ولدیت کا اقرار اُس عورت نے

---

[1] عادل سے وہ شخص مراد ہے جو ایمان دار ہو اور جو کبھی گناہ کبیرہ سے متہم نہ ہوا ہو نہ اُسپر ایسا
گناہ ثابت ہوا ہو — ۱۲ منہ

[2] شرائع الاسلام صفحہ ۳۷۷ — ۱۲ منہ —

کیا ہے دوسرا شخص اُسکو دیا جائیگا گو اُسکے نسب مین متوفی کے بھائیون کو کلام ہو۔ لکن جب اُسکا نسب حاکم شرع کے سامنے ثابت کر دیا جائے یا اُسکے بھائی اُسکو قبول کر لین تو وہ لڑکا مابقی محل جائداد پائیگا۔

بے شوہر عورت صرف اقرار ولدیت کر کے اپنے اور دوسرے شخص کے درمیان مان اور بیٹے کے قرابت پیدا کر سکتی ہے بشرطیکہ اور شرائط بھی متحقق ہون۔

اقرار سے ولدیت کے سوا اور بعض قرابتین بھی ثابت ہو جاتی ہین — اور ایسی صورتون مین اُس اقرار مین جو مرد نے کیا ہو اور اُس اقرار مین جو عورت نے کیا ہو کچھ فرق نہین ہے۔ مثلاً ایک شخص دوسرے کی نسبت یہ اقرار کر سکتا ہے کہ یہ میرا باپ یا مان یا شوہر یا زوجہ یا بھائی یا پھوپھی یا خالہ ہے پس اگر ایسے اقرار کو مقر لہ مقر کی زندگی مین یا اُسکی وفات کے بعد قبول یا تصدیق کر لے تو جہانتک مقر اور مقر لہ خود متعلق ہین وہانتک نہ اقرار صالح قرابت کا سمجھا جائیگا۔ مگر ایسے اقرار سے قرابت صحیحہ جبھی پیدا ہوتی ہے کہ جب مقر لہ اُسکو صریحاً قبول کر لے — اور جب اُسکا قبول کرنا نہ ثابت ہو تو وہ اقرار باطل ہو جائیگا اور کوئی حق اُس سے طرفین کا نہ قائم ہوگا۔

ایسی صورتون مین بھی طرفین کو چاہیئے کہ مجہول النسب ہون تاکہ ایک دوسرے سے وہ قرابت رکھ سکے جسکا دعوے کیا گیا ہے اور بدیہیات کے خلاف نہ لازم آئے۔

شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ اولاد کے سوا کسی اور شخص کا نسب بغیر قبول یا تصدیق مقر لہ کے نہ ثابت ہوگا اور جو حق وراثت ایسے اقرار سے پیدا ہو وہ اُن اشخاص پر محدود رہیگا جنھون نے اقرار کیا ہے دیگر ورثہ پر حاوی نہوگا۔ مگر باپ اور اُسکی اولاد کے باب مین حکم شرع اور ہے — اگر کوئی شخص اقرار کرلے کہ دوسرے شخص کا باپ ہے اور یہ دوسرا شخص اگر اس سے ہو سکے تو اُس شخص کے اقرار بُنوّت کی تصدیق کرے یا اُسکو

لہ ہدایہ کتاب ۲۔ باب ۳ — ۱۲ منہ عہ شرایع الاسلام صفحہ ۶۶ جامع الشتات ۱۲ منہ عہ شرایع الاسلام صفحہ ۲۷۰ — ۱۲ م

قبول کرلے تو یہ دونون شرعًا نہ صرف ایک دوسرے کے وارث ہونگے بلکہ حق وراثت دونون کے ورثہ اور اولاد کو پہونچیگا — لیکن اگر ایک شخص دوسرے کو اپنا بھائی کہے اور یہ دوسرا شخص بھی اس قرابت کو قبول کرلے اور اسکے خلاف مشہور نہو تو اُن دونون مین باہم تو حق وراثت قائم ہو جائیگا مگر اُنکے بھائیون یا اور کسی رشتہ دار کو نہ پہونچیگا[۵۱] —

اگر مقر کوئی وارث مشہور رکھتا ہو تو اُسکے دوسرے شخص کی قرابت کا اقرار کرلینے سے اُسکا وارث شرعی محجوب الارث نہو جائیگا نہ مقرلہ کو کوئی حق حاصل ہو جائیگا[۵۲] —

شرائع الاسلام مین یہ قاعدہ کلیہ لکھدیا ہے کہ "ردکہ ایسی صورت مین اُس شخص کا اقرار نسب نہ قبول کیا جائیگا"[۵۳]

اقرار قرابت صرف اُسوقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ شخص جو اقرار کرے معاہدہ شرعی کرنے کی قابلیت رکھتا ہو — اُس شخص کو چاہیئے کہ بالغ و رشید اور صحیح العقل اور آزاد ہو نابالغ کا اقرار (نابالغ سے وہ شخص مراد ہے جو بلوغ شرعی کو نہ پہونچا ہو) یا اُس شخص کا اقرار جو نظربند یا قید ہو یا اُس شخص کا اقرار جو فاتر العقل ہو قطعًا ناجائز ہے — مگر دیوانہ مرد یا عورت کی ولدیت کا اقرار بغیر اُسکے قبول کے اُسی طرح ہو سکتا ہے جسطرح نابالغ کا اقرار ولدیت[۵۴] ہو سکتا ہے —

اِس امر کا لحاظ ہمیشہ رکھنا چاہیئے کہ جب کسی ایسی لڑکی یا مجنون کی ولدیت کا اقرار کیا جائے جو اس قرابت کو قبول نہین کرسکتا جو اس اقرار سے پیدا ہوئی ہے تو ایسی لڑکی یا مجنون کا کوئی نقصان یا حق تلفی کسی طرح ہونے نہ پائے —

شیعون کے مذہب مین یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مجہول النسب لاوارث مرجائے اور سوائے

---

[۵۱] حنفیہ کا بھی یہی قول ہے — ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۹ — بھائیون کا ایک دوسرے کی قرابت کو قبول کرلینا مالکیہ کے نزدیک بھی جائز ہے — سائیٹر صاحب کی کتاب ۳۳۹ — ۱۲ منہ [۵۲] ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۳ — فتاوائے قاضیخان صفحہ ۲۲۴ شرائع الاسلام صفحہ ۳۷۶ [۵۳] بنگال لا رپورٹ جلد ۱۳ صفحہ ۱۹۲ — ۱۲ منہ [۵۴] شرائع الاسلام صفحہ ۳۷۶ — ۱۲ — منہ

امام زمان کے کوئی وارث نہ چھوڑا ہو اور دوسرا شخص یہ بیان کرے کہ متوفی میری اولاد تھی تو اُس شخص کی میراث اُس مدعی کو ملیگی امام کو نہ ملیگی ۔

لاوارث لڑکون کا تکفل کرنا سب مسلمانون کو چاہیئے اور جو شخص اُنکی حراست کرے وہ شرعًا بمنزلہ اُنکے باپ کے سمجھا جائیگا اور اُنکی میراث پانے کا مستحق ہو گا فقط ۔

پانچوان باب

حق الجبر

مشرکین عرب اور اُن قبائل یہودمین جو عرب مین سکونت پذیر تھے باپ کا اختیار اپنی اولاد پر بلکہ تمام اہل خاندان پر ویسا ہی مطلق و قطعی تھا جیسا رومیون مین تھا ۔

اختیار پدری کی کوئی حد و پایان نہ تھی اور خود سر رئیسان خاندان کی تنک مزاجی اور تلون طبعی کی روکنے والی کوئی چیز نہ تھی ۔ شریعت اسلامیہ نے اِس اختیار مطلق کو معقول حدود کے اندر محدود کر دیا ۔

مسلمانون مین باپ کو بہ پابندی چند شرائط معینہ کے اختیار ہے کہ اپنی اولاد کی شادی جبرًا کر دے یا ایک عمر معین تک اُنکو اپنے گھر مین جبرًا رکھے یا عند الضرورت اُنکو تنبیہ و تادیب کرے ۔

اکثر احکام متعلقہ اختیار پدری شرع محمدی سے مخصوص نہین ہین ۔ فقہ اسلام اور اقسام فقہ جدید مین فرق یہین یہ ہے کہ شرع شریف مین باپ اپنی نابالغ اولاد کی شادی جبرًا کرسکتا ہے ۔ اِسکو اصطلاح فقہا مین حق الجبر کہتے ہین اور مسلمانون کے سب فرقون نے اسکو چند اختلافات کے ساتھ تسلیم کرلیا ہے ۔

حق الجبر اُس اختیار پدری پر مبنی ہے جو قدیم الایام سے قبائل عرب مین موجود تھا عرب مین دستور تھا کہ باپ کو اپنے بیٹون کی شادی جبرًا کر دینے کا اختیار اُسوقت تک رہتا تھا جبتک وہ ہتھیار باندھنے کے قابل ہوتے تھے اور بیٹیون کی شادی جبرًا کر دینے کا اختیار

اسوقت تک رہتا تھا جبتک وہ شادی ہو جانے کی وجہ سے یا اور کسی سبب سے اُسکے اختیار سے نکل جاتی تھین[1]۔

یہود مین باپ کو اختیار تھا کہ دختر نابالغ کی شادی بغیر اُسکی رضامندی کے جسکے ساتھ چاہے کردے اور دختر نابالغ وہ تھی جسکی عمر بارہ سال سے کم ہو۔

تمام فرق اسلام کا اتفاق ہے کہ باپ کا یہ اختیار کہ بلا رضامندی اولاد کے جسکے ساتھ چاہے اُسکے ساتھ شادی کردے صرف بیٹون کی نسبت اسوقت تک عمل مین آسکتا ہے جبتک وہ حدّ بلوغ کو نہ پہونچین اور بعد بلوغ وہ باپ کی قید اختیار سے آزاد ہو جاتے ہین جہانتک اُنکے حقوق شخصی متعلق ہین اور اُنکو اپنی شادی خود کر لینے کا اختیار ہو جاتا ہے۔ البتہ اولاد اناث کے باب مین فقہاے اسلام مین اختلاف عظیم ہے

جو لوگ بالغ و رشید نہون وہ شرع محمدیؐ مین بھی اُسی طرح معذور و مجبور ہین جسطرح اور شرایع مین ہین۔ وہ کوئی معاہدہ یا شرعی معاملہ بلا رضامندی اپنے اولیاے شرعی کے نہین کرسکتے۔ عدم قابلیت جو عدم بلوغ کا نتیجہ ہے اصول عقلی پر اور اِس مصلحت پر مبنی ہے کہ جو لوگ معاملات روزمرہ مین عقل سلیم سے کام لینے کے قابل نہون وہ اپنے افعال کے نتایج سے محفوظ رہین۔

لہذا پسر یا دختر نابالغ بلا رضامندی اپنے ولی شرعی کے شرعاً نکاح نہین کرسکتے۔ مگر جو نکاح ایسے نابالغ نے کر لیا ہو جو رشید ہو یعنی عقل رکھتا ہو وہ بالکل ناجائز نہین ہے بلکہ اُسکا جواز بھی مانند اور کسی فعل یا کسی معاہدہ کے جو نابالغ نے کیا ہو ولی کی تصدیق پر یا اُس شخص کی تصدیق پر جو بجاے ولی کے ہو موقوف ہے[2]۔

شرع محمدی مین جو اختیار باپ کو دیا گیا ہے کہ اپنے نابالغ اولاد کی شادی جبراً کر دے وہ

---

[1] پرن صاحب کی تاریخ نسوان عرب صفحہ ۔ ۱۹۱ ۔ ۲۲۶ ۔ ۱۲ منہ [2] کتاب فقہ یہود ابن خدیر جلد ۱ صفحہ ۔ ۳ ۔ ۱۲ ۔ منہ [3] فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۔ ۳ ۔ کنز الدقائق ۔ جامع الشتات ۔ ۱۲ ۔ منہ

اختیار باعتبار اصول کے مطلق اور غیر محدود ہے مگر اس اختیار مین اتنے شرائط اور قیود لگا دیے ہین کہ جو ضرر اس سے پیدا ہو سکتا تھا وہ عملاً بہت کم پیدا ہوتا ہے۔ حق الجبر کی جو قسم بہت سخت ہے وہ عملدرآمد مین بلوغ پر ختم ہو جاتی ہے۔

اکثر فرق اسلام مین بلوغ کا قیاس[1] پندرھوان سال تمام ہونے پر کیا جاتا ہے تاوقتیکہ شہادت اسکے خلاف نہو — قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص پندرہ برس کا ہو چکا ہو خواہ مرد ہو خواہ عورت وہ بالغ اور رشید اور تصرفات شرعیہ کے قابل سمجھا جائیگا۔

جب پندرہ برس کی عمر ہو جائے تو ہر ایک نکاح جو مرد یا عورت کی طرف سے کیا جاوے اُنکی صریح رضامندی پر موقوف ہوگا اور حنفیہ اور شیعہ[2] کے نزدیک لڑکا اور لڑکی دونون بعد بلوغ شرعی اپنا نکاح بلا رضامندی اپنے اولیاے شرعی کے کر سکتے ہین —

یہ مسئلہ بھی سب فرقون کا متفق علیہ ہے کہ بیٹا جب پورا پندرہ برس کا ہو چکے تو اپنا نکاح خود کر سکتا ہے مگر بیٹی کے اختیار نکاح مین اختلاف عظیم[3] ہے —

حنفیہ اور شیعہ کا اتفاق ہے کہ حق الجبر اولاد ذکور و اُناث دونون کی نسبت اُنکے بلوغ[4] تک باقی رہتا ہے —

ہدایہ مین لکھا ہے کہ "ولی کو شرعاً جائز نہین ہے کہ باکرۂ بالغہ رشیدہ کا نکاح جبراً کر دے" — کوئی شخص حتی کہ باپ اور بادشاہ وقت بھی یہ اختیار نہین رکھتا کہ بالغہ رشیدہ وصحیح العقل کا نکاح بغیر اُسکی اجازت کے کر دے خواہ وہ باکرہ ہو خواہ ثیبہ[5]

---

[1] ہدایہ جلد ۱ — صفحہ ۲۸۴ — ۳۸۴ — جامع الشتات — مگر اس قیاس کی تردید ہوسکتی ہے — ۱۲ — منہ
[2] فصول عمادیہ — جامع الشتات — ارشاد علامہ — المحرر (شافعیہ) — ۱۲ — منہ — [3] الوافی اختلافات الائمہ — ۱۲ — منہ — [4] ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۶ — فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۹۹ — کنز الدقائق شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۳ — جامع الشتات — ۱۲ — منہ — [5] فتاواے عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۴۰۵ — ۱۲ — منہ —

علی ہذا القیاس شیعون کے مذہب مین بھی یہی ہے کہ وہ باپ یا دادا کچھ اختیار باکرہ رشیدہ وصحیح العقل پر نہین رکھتا بلکہ وہ خود اپنا نکاح کر لینے کا اختیار رکھتی ہے ۔ یہی حکم شرع نیچیہ کے باب مین بھی ہے[ل]۔

مگر برخلاف اسکے شافعیہ اور مالکیہ کا قول ہے کہ اولاد اناث کی نسبت باپ کا حق الجبر اسوقت تک باقی رہتا ہے جبتک کہ انکی شادی ہو جائے اور وہ باپ کے اختیار سے نکل جائین اور انکے نزدیک یہ بھی ہے[ل] کہ حق الجبر اسصورت مین بھی نہین زائل ہوا جبکہ لڑکی سفیہہ یعنی بے عقل ہو یا نابالغی کی حالت مین اسکا نکاح ہوا ہو اور قبل بلوغ اسکو طلاق دیدیا گیا ہو۔

اگرچہ حق الجبر عقلاً ایک حق مطلق ہے مگر عملاً اسمین بہت سی شرطین لگا دیگئی ہین ۔ فقہا مین اس مسئلہ مین کچھ اختلاف نہین ہے کہ باپ کو شرعاً ممانعت ہے کہ اپنی بیٹی کا نکاح مریض اور غلام اور فاترالعقل اور نالائق آدمی سے کرے ۔ مگر امام اعظم ابوحنیفہ اور انکے دونون شاگردون نے اس مسئلہ مین اختلاف کیا ہے کہ جو نکاح باپ نے اپنی بیٹی کا مہر غیر مکتفی پر کردیا ہے وہ شرعاً کہانتک جائز ہے ۔ امام اعظم کے نزدیک مہر کا غیر کافی ہونا عدم جواز نکاح کی دلیل نہین ہو سکتی ۔ مگر امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے کہ جب مہر شوہر کی جائداد سے کچھ نسبت ہی نہ رکھتا ہو تو نکاح ناجائز ہوگا ۔ اور اس مسئلہ مین سب فقہا کا اتفاق معلوم ہوتا ہے کہ جب باپ نے شرارت یا بے احتیاطی کی ہو تو نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے پسر نابالغ کی طرف سے اتنا مہر قبول کر لے جسکا ادا کرنا اس لڑکے کے مقدور سے باہر ہو اور یہ یقین کرنے کی وجہ موجود ہو کہ اسنے بدنیتی سے ایسا کیا ہے تو ایسا نکاح لائق فسخ ہوگا۔

فی الواقع شرع مین لڑکے کے خاص فوائد کا لحاظ رکھا گیا ہے اور یہ خوب سمجھ لیا گیا ہے

[ل] شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۰ ۔ ۱۲ منہ [ل] کتاب الانوار لعمل الابرار کتاب النکاح ۱۲ منہ [ل] کتاب الانوار لعمل الابرار المحررہ ۱۲ منہ [ل] فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۱۲ ۔ کتاب الانوار ۔ جامع الشتات ۱۲ ۔ منہ ۔

کہ حق الجبر صغیر السن لڑکے کے ضرر یا نقصان کے لیے کبھی عمل مین نہ لایا جاسکے اور باپ کا ہر فعل جس سے نابالغ کی حق تلفی یا نقصان کا گمان ہونا جائز سمجھا جائیگا اور قاضی اسمین دست اندازی کرنے کا شرعًا مجاز ہوگا تاکہ ایسے فعل کی تکمیل نہ ہونے پاوے اور اگر تکمیل ہو چکی ہو تو منسوخ کیا جاوے اور باپ اپنے اختیار کو اسطرح بھی بیجا عمل مین نہین لاسکتا کہ اولاد کی شادی کی کسی طرح اجازت ہی نہ دے ایسی صورتین خواہ مخواہ شاذونادر وقوع مین آتی ہین اسواسطے کہ اسلام مین تجرد اور رہبانیت ممنوع ہے۔ مگر جب طمع زر باپ کو ایسی دامنگیر ہو کہ متواتر خواستگارون کو رد کردے اور کسی کے ساتھ اپنی بیٹی کا عقد نہ کرے تو قاضی یا حاکم شرع دست اندازی کرنے کا مجاز ہے بشرطیکہ تحقیقات کرنے سے اسکو کوئی سبب کافی اور وجہ وجیہ دست اندازی کرنے کی معلوم ہو۔ ہندوستان مین یہ کام عدالت دیوانی کا ہے اسوقت کریگی جب باپ کے بعد جو ولی ہو وہ درخواست کرے۔ مثلًا ایسا مقدمہ پیش ہو جسمین ماں بالکل راضی ہو کہ میری بیٹی کی شادی ایک لائق خواستگار کے ساتھ ہو جاوے مگر باپ بغیر کسی وجہ وجیہ کے اور محض تلون مزاجی کی راہ سے راضی نہو۔ اس صورت مین عدالت دیوانی از روے شرع محمدی اسکی مجاز ہے کہ باپ کو نکاح مین ایسی دست اندازی سے مانع ہو اور حکم عدالت بمنزلہ باپ کی رضامندی کے ہوگا۔

یہ امر کہ سبب[1] معقول اور وجہ وجیہ حاکم عدالت کی مداخلت کرنے کی کیا ہے ہر خاص مقدمہ کے حالات مخصوصہ پر موقوف ہوگا۔

حنفیہ اور شیعہ کے نزدیک اولاد بعد بلوغ باپ کے اختیار سے نکل جاتی ہے۔ ان دونون فرقون کا قول یہ ہے کہ جب اولاد بالغ ورشید ہو تو باپ کے اختیار کا بیجا عمل مین آنا غیر ممکن ہے۔ اگر کوئی باپ اپنی دختر بالغہ کے نکاح سے کسی طرح راضی ہوتا ہو تو وہ لڑکی باپ کی

---

[1] سائیرا۔ بخاری۔ جامع الشتات۔ فصول عمادیہ۔ ۱۲۔ منہ ۱۲ دکھی مسٹر ولی صاحب کی فقہ اسلام در صوبۂ الجیرس صفحہ ۲۵۔ ۱۲۔ منہ

مرضی کے خلاف اور بغیر اُسکی اجازت کے اپنا نکاح شرعًا خود کر سکتی ہے۔ چنانچہ جامع الشتات
مین لکھا ہے کہ "وہ اگر باکرۂ بالغۂ رشیدہ کا نکاح اُسکے کفو کے ساتھ کرنے پر اُسکے اولیا راضی
نہون مگر خود وہ لڑکی اُسکے ساتھ اپنا عقد کرنا چاہتے ہو تو اسمین کچھ شک نہین ہے کہ اُنکی مرضی کے
خلاف وہ اپنا نکاح کر سکتی ہے" پھر اُسی کتاب مین یہ سوال لکھا ہے کہ "وہ آیا اذن پدر
باکرۂ بالغۂ رشیدہ کے عقد کے لیے ضرور ہے" اِسکا جواب یہ لکھا ہے کہ "وہ ایسا اذن ضرور
نہین ہے بلکہ جو ذاتی اُسکی رضامندی جواز نکاح کو شرعًا کافی ہے"۔

اگر اُسنے غیر کفو سے عقد کر لیا ہو یعنے اُس شخص سے جو اُس سے پست مرتبہ یا کم حیثیت ہو
تو باپ کو اعتراض کرنے کا حق حاصل ہوگا مگر وہ اعتراض قاضی کے سامنے بیان کیا جائیگا۔
چونکہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک لڑکی اپنے باپ کے اختیار سے اُسوقت تک نہین نکلتی جبتک
اُسکی شادی ہو جاوے لہذا ان دونون فرقون مین اختیار پدری غالبًا اکثر بیجا عمل مین لایا
جاتا ہے شافعیہ اور مالکیہ کے مسائل سے جو دقتین پیدا ہوئی ہین وہ اسطرح رفع ہو جاتی
ہین کہ اہل سنت کے چارون فرقون کو اختیار ہے کہ ائمہ اربعہ مین سے جس امام سے
حسن ظن رکھتے ہون اُسکی تقلید کرین۔ مثلًا امام مالک کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کسی لڑکی کی
شادی اٹھارہ برس کی عمر تک نہو تو وہ باپ کے اختیار مین رہیگی۔ مگر اُسکو اختیار ہے کہ جسوقت
چاہے امام اعظم ابوحنیفہ کی تقلید کر کے باپ کے اختیار سے اپنے تئین نکال لے۔

اس باب مین مقدمہ محمد ابراہیم ابن سید محمد برکت بنام غلام محمد ابن سید محمد رو گی[1]
وغیرہ خوب بحث ہو چکی ہے۔ اس مقدمہ مین ایک لڑکی خدیجہ نامی نے جو ایک شافعی خاندان
سے تھی بعد بلوغ ممبئی کے قاضی کے سامنے آکر کہدیا کہ مین نے امام شافعی کی تقلید ترک کر کے
امام ابوحنیفہ کی تقلید اختیار کی ہے۔ اُسکے تھوڑے سے عرصہ کے بعد اُسکا عقد مدعی کے ساتھ
غالبًا خود اُسکی رضامندی سے اور حنفی رسوم کے موافق ہوا۔ مگر اُسکا باپ مدعی کے ساتھ
اُسکا نکاح کرنے سے کبھی نہ راضی ہوا تھا۔ پس جب مدعی نے اُسکے باپ پر اپنی زوجہ کے خلاف

[1] بمبئی لا ریورٹ جلد ۱ صفحہ ۲۳۶ – ۱۲ منہ

مرضی کے خلاف اور بغیر اُنکی اجازت کے اپنا نکاح شرعًا خود کر سکتی ہے۔ چنانچہ جامع الشتات مین لکھا ہے کہ وہ اگر باکرہ بالغہ ورشیدہ کا نکاح اُسکے کفو کے ساتھ کرنے پر اُسکے اولیا راضی نہون مگر خود وہ لڑکی اُسکے ساتھ اپنا عقد کرنا چاہتے ہو تو اسمین کچھ شک نہین ہے کہ اُنکی مرضی کے خلاف وہ اپنا نکاح کر سکتی ہے۔" پھر اُسی کتاب مین یہ سوال لکھا ہے کہ وہ آیا اذن پدر باکرہ بالغہ رشیدہ کے عقد کے لیے ضرور ہے"۔ اِسکا جواب یہ لکھا ہے کہ وہ ایسا اذن ضرور نہین ہے بلکہ خود اُسکی رضامندی جواز نکاح کو شرعًا کافی ہے"۔

اگر اُسنے غیر کفو سے عقد کر لیا ہو یعنے اُس شخص سے جو اُس سے پست مرتبہ یا کم حیثیت ہو تو باپ کو اعتراض کرنے کا حق حاصل ہوگا مگر وہ اعتراض قاضی کے سامنے بیان کیا جائیگا۔ چونکہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک لڑکی اپنے باپ کے اختیار سے اُسوقت تک نہین نکلتی جبتک اُسکی شادی ہو جاوے لہذا اِن دونون فرقون مین اختیار پدری غالبًا اکثر بیجا عمل مین لایا جاتا ہے شافعیہ اور مالکیہ کے مسائل سے جو دقتین پیدا ہوئی ہین وہ اسطرح رفع ہو جاتی ہین کہ اہل سنت کے چارون فرقون کو اختیار ہے کہ ائمہ اربعہ مین سے جس امام سے حسن ظن رکھتے ہون اُسکی تقلید کرین۔ مثلًا امام مالک کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کسی لڑکی کی شادی اٹھارہ برس کی عمر تک نہو تو وہ باپ کے اختیار مین رہیگی۔ مگر اُسکو اختیار ہے کہ جسوقت چاہے امام اعظم ابو حنیفہ کی تقلید کر کے باپ کے اختیار سے اپنے تئین نکال لے۔

اس باب مین مقدمہ محمد ابراہیم ابن سید محمد برکت بنام غلام محمد ابن سید محمد روگی[1] وغیرہ خوب بحث ہو چکی ہے۔ اس مقدمہ مین ایک لڑکی خدیجہ نامی نے جو ایک شافعی خاندان سے تھی بعد بلوغ بمبئی کے قاضی کے سامنے آکر کہدیا کہ مین نے امام شافعی کی تقلید ترک کر کے امام ابو حنیفہ کی تقلید اختیار کی ہے۔ اُسکے تھوڑے سے عرصہ کے بعد اُسکا عقد مدعی کے ساتھ غالبًا خود اُسکی رضامندی سے اور حنفی رسوم کے موافق ہوا۔ مگر اُسکا باپ مدعی کے ساتھ اُسکا نکاح کرنے سے کبھی نہ راضی ہوا تھا۔ پس جب مدعی نے اُسکے باپ پر اپنی زوجہ کے خلاف

[1] بمبئی لا ریورٹ جلد ۱ صفحہ ۲۳۶ - ۱۲ منہ

بعد ولی شرعی ہو حق الجبر عمل مین لانا جائز ہو جاتا ہے — ہدایہ مین لکھا ہے۔ کہ وو اگر باپ یا پہلا ولی شرعی کسی نابالغ لڑکے کا اسقدر فاصلہ پر ہو جسکو غیبت منقطع کہتے ہین تو ایسی صورت مین شرعًا جائز ہے کہ دوسرے درجہ کا ولی نابالغ کا نکاح کردے ۱۱ اور غیبت المنقطع کے معنی ہدایہ مین یہ لکھے ہین کہ۔ وو جب ولی ایسے شہر مین چلا گیا ہو جو کارواں کے راستہ سے علیحدہ ہو یا جہان کوئی کاروان سال بھر مین ایک دفعہ بھی نہ جاتا ہو — مگر بعض علمانے غیبت منقطع کی تعریف یہ لکھی ہے کہ وہ فاصلہ جو تین دن کی راہ کے برابر ہو[1] ۱۱ —

فصول عمادیہ کے موافق غیبت المنقطع سے وہ فاصلہ یا وہ غیبت مراد ہے جسمین باپ کی منظوری اُس نکاح کی نسبت جو ولی شرعی نے کسی نابالغ کا کر دیا ہو حاصل کرنا بغیر دقت عظیم کے غیر ممکن ہو۔ فتاوائے عالمگیری و فتاوائے قاضیخان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے — ان کتابون سے یہ نتیجہ عمومًا نکلتا ہے کہ ایسے ہر مقدمہ کا فیصلہ اُسکی خاص روداد پر کیا جائیگا —

ہائی کورٹ کلکتہ نے یہ فیصلہ[2] کیا ہے کہ جب باپ قیدخانہ مین ہو تو جو نکاح دختر نابالغ کا اُسکی مان یا دادی نے باپ کی اجازت سے کر دیا ہو وہ جائز ہے اور اُسکی پابندی لازم ہے — مگر اس مقدمہ کا جو رپورٹ ہوا ہے اُس سے یہ نہین معلوم ہوتا کہ آیا فریقین شافعی یا حنفی یا شیعہ تھے ان مذاہب کے بموجب نتیجہ ایک ہی ہوگا اگر باپ اسطرح سے قید ہو کہ اُسکی منظوری نکاح کی نسبت حاصل کرنا غیر ممکن ہو۔ اگر اُسکی رضامندی بلا دقت حاصل ہو سکتی تو اِس فیصلہ کی صحت مین شک ہو جاتا۔

دوسرے مقدمہ مین جو ہائی کورٹ کلکتہ نے بصیغۂ ابتدائی فیصلہ کیا تھا باپ کے مرتد ہو جانے سے اُسکا حق الجبر زائل ہو گیا تھا — اس مقدمہ مین ایک مسلمان عورت نے ایک یہودی سے عقد کر لیا تھا جو اب مسلمان ہو گیا تھا اور اُس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی جسنے مذہب شیعہ مین

---

[1] فتاوائے عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۴۰۱ — فتاوائے قاضیخان صفحہ ۴۰۶ — شافعیہ کے نزدیک باپ کی غیبت مین حق الجبر سلطان یا قاضی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ فتاوائے قاضیخان صفحہ ۴۰۶ — ۱۲ مسنہ

[2] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۰۱ — فتاوائے قاضیخان صفحہ ۴۰۶ — ۱۲ مسنہ — [3] سدر لینڈ صاحب کا ویکلی رپورٹر جلد ۱۲ صفحہ ۱۰ — ۱۲ مسنہ

جو اسکی ماں کا مذہب تھا تربیت پائی تھی مگر اسکے پیدا ہونے کے تھوڑی مدت کے بعد اسکا باپ مرتد ہو کر یہودی ہوگیا تھا۔ بعد ازآں ماں نے اُس لڑکی کا عقد ایک شیعہ مسلمان کے ساتھ کردیا۔ باپ نے اِس مضمون کی ایک درخواست گذرانی کہ چونکہ بغیر میری رضامندی کے اِس لڑکی کی ماں نے اسکا نکاح کردیا ہے لہذا نکاح ناجائز ہے اور یہ لڑکی مجھے دلا دی جاوے۔ اِس درخواست کا فیصلہ جسٹس میکفرسن صاحب نے یہ کیا کہ شرع محمدی کے بموجب مرتد اسکا مستحق نہیں ہے کہ اُس اولاد کے نکاح سے رضامندی ظاہر کرنے کا حق عمل میں لائے جسکا نکاح اسکے بعد جو ولی شرعی ہو اُسنے کردیا ہو۔ لہذا سائل کی بیٹی کا عقد جو بغیر اُسکی رضامندی کے ہوا صحیح و جائز تھا[۱]

جامع الشتات میں بھی ایک ایسا ہی مقدمہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے مجتہد سے پوچھا کہ آیا وہ نکاح جو ماں نے اپنی بیٹی کا بلا اجازت اسکے باپ کے جو نصرانی ہوگیا ہے کردیا ہو شرعًا جائز ہے یا نہیں۔ مجتہد نے جواب دیا کہ جائز ہے۔

شافعیہ اور شیعہ کے نزدیک باپ کی عدم موجودگی میں دادا کو حق الجبر حاصل ہو جاتا ہے مگر مالکیہ کے نزدیک حق الجبر حق شخصی مختص ہے اور خاص باپ سے باین حیثیت کہ وہ باپ ہے متعلق ہے اور جب باپ موجود نہو تو اِس فرقہ کے نزدیک حق الجبر اُسکے وصی یا قاضی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک حق الجبر نہ صرف ولی حقیقی کو حاصل ہے بلکہ سب اولیاء شرعی کو حاصل ہے چنانچہ شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ۔ وو اولیاء نکاح ذوی الفروض یا عصبات اسی ترتیب سے ہوتے ہیں جس ترتیب سے وہ میراث پاتے ہیں یا محجوب الارث ہو جاتے ہیں عصبات سے مراد عصبات بنفسہ ہیں یعنے اقرباء ذکور جو بلا وساطت اناث متوفی سے قرابت رکھتے ہوں۔ یعنی پہلے ماں پھر دور کے رشتہ دار باعتبار قرب و بُعد قرابت۔ اُسکے بعد مولے الموالات

---

[۱] بمقدمہ مہین بی بی لا رپورٹ بنگالہ جلد ۱۳ صفحہ ۱۶۰ – ۱۲ – منہ – ۲ البحر – کتاب الانوار – مفاتیح – شرایع الاسلام – اختلافات الائمہ – فتاوائے قاضیخان صفحہ ۴۰۵ – ۴۰۷ – ۱۲ – منہ

جو از روے معاہدہ وارث ہو۔ بعد اُسکے قاضی[1]،، اور فتاواے عالمگیری[2] مین لکھا ہے

کہ وہ ولی نکاح اولاً عصبہ بلحاظ ترتیب میراث ہوگا یعنی قریب بعید کا حاجب ہوگا،،۔

اولیاء نکاح اقرباء ذکور پدری بہ ترتیب ذیل ہین۔

(۱)۔ اولاد ذکور۔ (۲)۔ اجداد ذکور۔ (۳)۔ اقرباء ذکور بہ ترتیب وراثت۔ جو اقرباء باپ اور مان دونون کی جانب سے قرابت رکھتے ہون وہ اُنپر ترجیح رکھتے ہین جو صرف باپ کی طرف سے قرابت دار ہون۔

فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ وہ یہ سب اولیا حق الجبر لڑکے اور لڑکی پر اُسکی نابالغی کے زمانہ مین رکھتے ہین،،

شیعون کے نزدیک حق الجبر باپ اور دادا کو حاصل ہے اور کسی عزیز کو حاصل نہین ہے۔

اور اس مسئلہ مین شافعی اُنسے متفق ہین۔ چنانچہ شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ وصی کو کوئی حق نکاح مین حاصل نہین ہے گو موصی نے اُسکو یہ حق صریحًا دیدیا ہو۔ اور نہ حاکم شرع اُس شخص پر کچھ اختیار رکھتا ہے جو بالغ و رشید نہو[4]،،

مسلوب العقل کے باب مین ولی وصیتی اور حاکم شرع دونون کو ایک مقید اختیار حاصل ہے۔

حنفیہ کے نزدیک درصورت نہونے اقرباء ذکور پدری کے حق الجبر ذوی الارحام کو موافق ترتیب[5] وراثت ملیگا اور جب وہ بھی نہون تو مولے الموالات کو اور جب وہ بھی نہو تو بادشاہ وقت اور قاضی[6] کو۔

مگر جب[7] مان ازروے وصیت ولیہ ہو یا اپنے شوہر متوفی کے وصیہ ہو تو اُسکو اورون پر ترجیح ہے۔

---

[1] شرح وقایہ جلد ۱ صفحہ ۳۲۹ -۱۲ ۱ منہ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۹۹ -۱۲ منہ [3] فتاواے قاضیخان صفحہ ۳۰۵ -۱۲ منہ [4] شرایع الاسلام صفحہ ۲۶۳ - مفتاح - ارشاد علامہ ۱۲ منہ [5] ان کا درجہ عصبہ نسبیہ او عصبہ سببیہ کے بعد ہے [6] فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۰۰ -۱۲ منہ [7] اس مقام پر یہ لکھنا ضرور ہے کہ فتاواے عالمگیری کی عبارت اس باب مین

شیعون کے مذہب مین مان کچھ اختیار اپنی اولاد کا نکاح کرنے کا نہین رکھتی ہے حتیٰ کہ اگر وہ اُنکے باپ کی وصیۃ ہو تو بھی کچھ اختیار نہین رکھتی ہے —

عام قاعدہ یہ ہے کہ جب ولی الجبر[۵۲] موجود ہو اور حق الجبر کو عمل مین لانے کی قابلیت رکھتا ہے یا جو نکاح نابالغ اولاد کی طرف سے کرلیا گیا ہو اُسکا اذن دے سکتا ہو تو مان کو یہ اختیار نہین ہے کہ ایسی اولاد کا عقد ولی مرجح کی مرضی کے خلاف کردے — مگر سب مذاہب کا اتفاق اسمین معلوم ہوتا ہے کہ جب ولی الجبر اولاد نابالغ کی نقصان رسانی یا حق تلفی کے لیے حق الجبر عمل مین لائے تو مان دست اندازی کرنے کا حق رکھتی ہے — سیدی خلیل[۵۳] فرماتے ہین کہ "جب باپ اپنے غریب لڑکی کی شادی کسی ایسے ہی غریب آدمی کے ساتھ کرنا چاہے تو مان دست اندازی کا حق رکھتی ہے"

اسی مضمون کی عبارتین کتب شیعہ مین سے جامع الشتات مین اور کتب حنفیہ مین سے فصول عمادیہ اور فتاواے قاضی خان مین موجود ہین — اِس باب مین مختلف مذاہب اسلام کے علماء کے اقوال دیکھنے سے کچھ شک و شبہ باقی نہین رہتا کہ مان کا حق مداخلت ہر خاص صورت کی ضرورتون کے موافق قرار دیا جائیگا —

حاشیۂ ۱

اِس کتاب کے ہندوستانی ناظرین شاید یہ بات سنکر تعجب کرینگے کہ فرانسیس کے قانون کے بموجب کوئی مرد اٹھارہ برس کے سن تک شادی نہین کرسکتا اور کوئی عورت پندرہ برس کی عمر تک شادی نہین کرسکتی — اور اگر بیٹے کا سن پچیس برس سے کم ہو اور بیٹی کی عمر اکیس[۲۱]

مشکوک ہے — اسمین لکھا ہے کہ — الوصی لا ولایۃ لہ فی انکاح الصغیر و الصغیرۃ سواء اوصی الیہ الاب اولم یوص[۱۲] الا اذا کان الوصی ولیھما فیملک الانکاح بحکم الولایۃ لا بحکم الوصایۃ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وصی یہ اختیار نہین رکھتا ہے کہ نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کردے الا اینکہ وصی ولی شرعی ہو تب اسکو بحق ولایت نہ بحق وصیت اسکا عقد کردینے کا اختیار ہوگا — مگر مان بھی اکیلی ولی شرعی ہے — کتاب فتح الجبیر مطبوعہ ۱۲۶۳ع ملاحظہ ہو — ۱۲ منہ ۵۲ یعنی وہ ولی جسکو شرعاً حق الجبر حاصل ہو — ۱۲ منہ ۵۳ شاید علماء مالکیہ مین سے کوئی عالم ہین — ۱۲ — مترجم

برس سے کم ہو تو نکاح والدین کے اذن سے مشروط ہے ۔ اگر والدین مین اختلاف ہو تو باپ کی اجازت کافی ہوتی ہے ۔ اگر والدین زندہ نہون تو جواز نکاح دادا اور دادی کی جانب پر موقوف ہے اور جب وہ بھی نہون تو سارے خاندانی کونسل کی رضامندی حاصل کرنی ضرور ہے

جب مرد کا سن ۲۵ برس کا اور عورت کا ۲۱ برس کا ہو تب بھی ان دونون پر فرض ہے کہ ایک باضابطہ اشتہار کے ذریعہ سے والدین کا اذن حاصل کرین اور جبتک مرد کا سن ۳۰ سال کا اور عورت کا ۲۵ سال کا ہو جاوے اسوقت تک یہ فعل ایک ایک مہینہ کے فاصلہ سے تین مرتبہ کرنا چاہیے اور تیسری درخواست کے ایک مہینہ کے بعد طرفین کو جائز ہے کہ باجازت یا بلا اجازت والدین شادی کرلین ۔ جب مرد کا سن بیس برس کا ہو جاوے تو پہلے دو رجسٹرارون یا ایک رجسٹرار اور دو گواہون کے ذریعہ سے والدین پر باضابطہ اطلاعنامہ جاری کرے اسکے مہینہ بھر کے بعد اُس مرد یا عورت کو بلا اذن والدین شادی کرلینا جائز ہے

قانون انگلستان کے بموجب مرد اور عورت دونون بیس برس کے سن تک بلا رضامندی والدین شادی نہین کرسکتے ۔ مگر مین نے سنا ہے کہ ضلع لنکا شائر کے ہزارہا مزدور اور کسان وغیرہ بلا اجازت والدین شادی کر لیتے ہین ۔

چھٹا باب

حق الحضانت یعنی ماں کا حق حراست اولاد کا

فتاواے عالمگیری مین لکھا[۱] ہے کہ حالت زوجیت مین اور قطع زوجیت کے بعد بھی ماں سب سے زیادہ حق اولاد نابالغ کی حراست کا رکھتی ہے ۔

یہ حق ماں کا من حیث الامیت ہے اور کسی بات سے یہ حق زائل نہین ہوتا ہے سواے خود ماں کی بد اعمالی کے ۔

---

[۱] مجموعۂ قوانین نپولین مضمون ۱۴۸ - ۱۵۲ - منہ ۔ [۲] احق الناس بحضانة الصغیر حال قیام النکاح وبعد الفرقة الام فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۰۷ ۔ منہ ۔

اختیار رہے ری جسپر پانچوین باب مین بحث کی گئی نابالغ اولاد کی جان و مال پر عمل مین لایا جاتا ہے
اور غالباً اُنکے فائدہ کے لیے عمل مین لایا جاتا ہے ۔ مگر جب اولاد کے صغیر السن یا ناقص العقل
ہونے کی وجہ سے مان کی حراست کی ضرورت ہوتی ہے تو اس حالت مین شرع محمدی اُس حق
کی تائید کرتی ہے جو مان کو حراست اولاد کا بالطبع حاصل ہے اور ایک مدتِ معینہ تک اُسکے حق کو
باپ کے حق پر مقدم و مرجح رکھتی ہے ۔

جب اولاد کو مان کی حراست کی ضرورت نہ باقی رہے اُسوقت باپ انکی تعلیم و تربیت
اور نگرانی کا حق رکھتا ہے اور اُنکی جان کی حفاظت کا مان سے زیادہ مستحق ہے ۔

حنفیہ کے نزدیک مان اپنے بیٹیون کی حراست کا اختیار اُنکے بلوغ تک رکھتی ہے اور
مالکیہ اور شافعیہ اور حنبلیہ کے نزدیک مان کی حراست اُنپر اُنکی شادی کے زمانہ تک باقی رہتی ہے

صوبہ الجیرس مین اکثر یادگار فیصلے ایسے ہوے ہین جنسے ثابت ہوتا ہے کہ حنفی قاضیون نے
اِس مسئلہ مین امام مالک کی تقلید کی ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ مان اپنی بچی کی حراست کا اختیار اُسکے
نکاح کے زمانہ تک رکھتی ہے ۔

بلاد ایشیا کے حنفی مذہب مسلمانون کی مستند کتابون مین جو فتاوے لکھے ہین اُنکے تحقیق
کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ کا اختلاف اِس مسئلہ مین کہ کتنی مدت تک مان کی
حراست باقی رہتی ہے ایسا اختلاف عظیم اور بین نہین ہے جیسا بادی النظر مین معلوم ہوتا ہے
فتاوے عالمگیری جسمین چند فقہا کے اقوال لکھے ہین یہ فتوی دیتی ہے کہ حق حضانت اُسوقت
ختم ہوجاتا ہے جب لڑکی بیاہنے کے قابل ہوجاتی ہے ۔[1]

مگر مالکیہ کا قول یہ ہے کہ یہ حق اُسوقت تک باقی رہتا ہے جبتک لڑکی کی شادی فی الواقع ہوجائے
چونکہ مشرقی ملکون مین دستور ہے کہ لڑکی کی شادی اُسکے جوان ہوتے کے ساتھ کردیجاتی ہے
بلکہ کبھی کبھی قبل بلوغ ہی کردیجاتی ہے لہذا ظاہر ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ مین اِس مسئلہ مین عملاً کچھ اختلاف

---

[1] فتاوے عالمگیری صفحہ ۳۰۷ ۔ اور فتاوے قاضیخان صفحہ ۸۴۴ ۔ ۱۲ ۔ منہ

نہین ہے - مگر یہ گذارش کیا جاتا ہے کہ مالکیہ کے مسائل زیادہ تر موافق خلفائے سلیمین اور ایک محدود معیار اُن لوگون کی ہدایت کے لیے مہیا کردیتے ہین جنسے احکام شرع کا نافذ کرانا متوقع ہے غالبًا اِس مسئلہ مین جو بحثین پیدا ہونگی اُنکا تصفیہ ہندوستان کی انگریزی عدالتین الجیریس کی عدالتون کے فیصلجات کے موافق کرینگی جنہون نے امام مالک کا مذہب ایسے تمام مقدمات مین اختیار کرلیا ہے -

مان کی حراستِ اولاد ذکور کے باب مین مختلف فرق اہل سنت مین اسسے بھی زیادہ اختلاف ہے مالکیہ کا قول یہ ہے کہ حق الحضانت اولاد ذکور کی نسبت اُنکے بلوغ کے زمانہ تک باقی رہتا ہے چنانچہ ساٹیر صاحب اپنی کتاب مین لکھتے ہین[۱] - کہ "وہی معیار سیدی خلیل (عالم مالکی) کا ہمیشہ فقہ مین کام آتا ہے" -

شافعیہ اور حنبلیہ کے نزدیک سات برسکے سن مین لڑکے کو اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ چاہے باپ کے ساتھ رہے چاہے مان کے ساتھ - اگر وہ مان کے ساتھ رہنا پسند کرے تو زمانہ بلوغ تک اُسکے ساتھ رہ سکتا ہے بعد بلوغ اُسکو کچھ اختیار نہین رہتا اور اُسکی ولایت باپ سے متعلق ہو جاتی ہے - مگر جو حق حراست باپ لڑکے کی ذات پر رکھتا ہے وہ بمجرد اُسکے بالغ ہونے کے عملاً تمام ہو جاتا ہے کیونکہ اُسوقت اُسکی ذات پر باپ کا کچھ اختیار نہین باقی رہتا -

فقہائے حنفی کے نزدیک مان کا حق الحضانت نسبت بہ اولاد ذکور اُسوقت تمام ہو جاتا ہے جب لڑکے کا سن سات برس کا ہو جائے - چنانچہ فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے کہ "مان اور نانی لڑکے کی حراست کی مستحق اُسوقت تک ہین جبتک اُسکو اُنکی ضرورت باقی رہے یعنی سات برس کے سن تک" مگر اِسکے بعد پھر اسی کتاب مین لکھا ہے کہ "قدوری فرماتے ہین کہ مان کا حق الحضانت اُسوقت تک باقی رہتا ہے جبتک لڑکا کھانے پینے اور

---

[۱] ساٹیر صاحب کی کتاب صفحہ ۳۴۳ - ۱۲ منہ [۲] کتاب الانوار - ۱۲ منہ

طہارت ضروری کرنے کے قابل ہو جائے۔ ابو بکر رازی نے نو برس کا سن قرار دیا ہے۔
مگر فتویٰ پہلے قول کے موافق ہے[۵۱]۔

شیعون کے نزدیک مان اولاد ذکور و اناث دونون کی حراست کا حق اُسوقت تک رکھتی ہے جبتک اُنکا دودھ چھوٹے[۵۲]۔ یہ مدت دو برس پر محدود ہے اور اس عرصہ مین اولاد کسی حال مین مان کی حراست سے بغیر اُسکی مرضی کے نہین نکل سکتی[۵۳]۔ دودھ چھوٹنے کے بعد اگر لڑکا ہے تو اُسکی حراست باپ سے اور اگر لڑکی ہے تو اُسکی حضانت مان سے متعلق ہو جاتی ہے۔ مان کی حضانت بیٹی پر سات برس کے سن تک رہتی ہے مگر باپ کو اختیار ہے کہ مان کی حراست کو اولاد ذکور و اُناث دونون پہ مدت شرعیہ منقضی ہو جانے کے بعد قائم رکھے[۵۴]۔

پس معلوم ہوا کہ اگرچہ مدت حضانت مختلف فرقون مین مختلف ہے مگر عالم اصول جو اس مدت سے متعلق ہے وہ خاص کر اولاد کے حفظ حقوق پر مبنی ہے۔ چنانچہ مسٹی اومہن صاحب فرماتے ہین کہ[۵۵] نو برس کے سن[۵۶] مین لڑکا اور یا اُناث کی حراست سے نکلکر اپنے باپ کے اختیار مین آجاتا ہے تاکہ باپ اُسکی تعلیم و تربیت ایسی کرے جو اُسکے مرتبہ اور حالت اور دولت کے مناسب حال ہو۔ جب باپ اور مان دونون کا مذہب ایک ہو تو مدت حضانت بآسانی معین ہو سکتی ہے لکن اگر اُنکے مذہب مین اختلاف ہو تو جس اصول کے موافق مدت حضانت مقرر ہونی چاہیے وہ دقت سے خالی نہین ہے۔ مگر عموماً یہ کہہ سکتے ہین کہ چونکہ حق الحضانت کا مقصود دوماً خاص کر نابالغ اولاد کی نفع رسانی ہے لہذا امر متدمہ کا فیصلہ اُس فرقہ کے مذہب کے موافق کرنا چاہیے

---

[۵۱] الام والجدۃ احق بالغلام حتی یستغنی وقدر بسبع سنین وقال القدوری یاکل وحدہ و یشرب وحدہ ویستنجی وحدہ وقدرہ ابوبکر الرازی بتسع سنین والفتوی علی الاول

[۵۲] جامع الشتات ـ جامع عباسی ـ شرائع الاسلام ـ ۱۲ منہ [۵۳] جامع الشتات ـ ۱۲ منہ

[۵۴] سلطنت عثمانیہ مین ترکون نے مدت حضانت کو نو برس تک بڑھا دیا ہے ـ ۱۲ منہ [۵۵] مسٹی اومہن صاحب فرماتے ہین کہ[۵۶] مان کا حق حراست اولاد ذکور پر سات یا آٹھ یا نو برس تک رہتا ہے اور اولاد اُناث پر اُنکے بلوغ یا نکاح کے زمانہ تک ـ مسٹی اومہن صاحب کی کتاب صفحہ ۱۰۴ ـ ۱۲ منہ ـ

جسکی نسبت گمان ہو کہ یہ لڑکا اس فرقہ سے ہے یا اگر یہ تحقیق نہو سکے تو ایسے مقدمہ کے فیصلہ مین یہ ضرور خیال رکھا جاے کہ کیا بات اِس لڑکے کے حق مین بہ این حیثیت کہ وہ ایک طفل مسلم ہے سب سے زیادہ مفید ہوگی — یہی قاعدہ صوبہ الجیرس کی عدالتون نے اختیار کیا ہے اور خاص خاص صورتون مین یہ قاعدہ جاری کرنے مین کوئی دقت نہین واقع ہوئی ہے —

الجیرس کی عدالت نے ایک فیصلہ ۱۵ اپریل ۱۸۶۲ع کو صادر کیا اسمین ایسے کلمات لکھے ہین کہ اِس مسئلہ مین کوئی شک وشبہ کی گنجایش نہین باقی رہی ہے — ایک مقدمہ اُس عدالت مین ایسا پیش ہوا جسمین ایک شخص لحل ابن محمد نامی نے ایک لڑکی عایشہ بنت مصطفیٰ کے ساتھ عقد کر لیا اور اُس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام محمد تھا بعد اسکے لحل اور عایشہ مین جدائی ہو گئی — جب اُس لڑکے کا سِن سات برس کا ہوا تو لحل نے حنفی قاضی سے استدعا کی کہ میرا لڑکا مجھے دلایا جائے — اُس قاضی نے لحل کو ڈگری دیدی مگر جب اُسکا اپیل یا مرافعہ الجیرس کی عدالت اپیل مین ہوا تو وہ فیصلہ منسوخ ہو گیا اور وہ لڑکا مذہب مالکی کے موافق اپنی مان پاس رکھا گیا —

یہ پابندی اُن قیود کے جو مدت حضانت کے باب مین سابق مین بیان کیے گئے حراست اطفال صغیر کی اولاً اقرباے اُناث سے متعلق ہوتی ہے اور جب عورتون مین سے کوئی عزیز نہو تب یہ حق اقرباے ذکور کو پہونچتا ہے —

مالکیہ اور حنفیہ مین اُس ترتیب کی باب مین کچھ اختلاف ہے جس ترتیب سے حق حراست مختلف اقربا کو حاصل ہے — مثلاً مالکیہ کا قول یہ ہے کہ جب لڑکے کی مان نہو تو اسکے حضانت (۱) نانی سے (۲) پرنانی سے (۳) خالہ اور اُسکی خالہ سے (۴) خواہر عینی سے (۵) خواہر اخیافی سے (۶) خواہر علاتی سے (۷) پھوپھی سے متعلق ہوگی — جب اِن طبقون کا کوئی عزیز نہو یا کوئی حق الحضانت کے بجالانے کی قابلیت یا مرضی نہ رکھتا ہو تو یہ حق باپ کو ملتا ہے اور جب وہ بھی نہو تو اُسکے وصی کو اور اُسکے بیٹے اور بھتیجے اور چچازاد بھائی کو

حنفیہ کے نزدیک حق الحضانت اِس ترتیب سے ملتا ہے (۱) ماں (۲) نانی (۳) خواہر عینی (۴) خواہر اخیافی (۵) خواہر علاتی (۶) خواہر عینی کی دختر (۷) خواہر اخیافی کی دختر (۸) خواہر علاتی کی دختر (۹) خالہ (۱۰) پھوپھی — وہ اصول جسپر ان اقربا کا حق الحضانت مبنی ہے حنفیہ اور مالکیہ دونوں کے نزدیک ایک ہے یعنی یہ اصول کہ وہ صغیر السن لڑکے کی حراست کا حق اُسکی ماں کے رشتہ داروں سے متعلق ہے اور جو لوگ ماں کے ذریعہ سے قرابت رکھتے ہوں (یعنی اقربا مادری) وہ اُن اشخاص پر ترجیح رکھتے ہیں جو صرف باپ کے واسطہ سے قرابت رکھتے ہوں (یعنی اقرباء پدری) —

حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر اقربا اُناث نہ ہوں یا اُنمیں سے کوئی حق الحضانت عمل میں لانے کا شرعاً مجاز نہو تو وہ حق (۱) باپ کو (۲) اگر وہ نہو تو دادا کو (۳) اسکے بعد تیسرے درجہ یا اُس سے بھی اوپر کے جد اعلیٰ کو (۴) برادر عینی (۵) برادر علاتی کو (۶) برادر عینی کے بیٹے کو (۷) برادر علاتی کے بیٹے کو (۸) عینی چچا کو (۹) علاتی چچا کو (۱۰) چچا کے بیٹے کو اسی ترتیب سے ملتا ہے — اِن اقرباء میں بھی قریب ہمیشہ بعید کا حاجب ہوتا ہے —

کوئی مرد کسی لڑکی کی حراست کا حق نہیں رکھتا ہے تا وقتیکہ اُسکا محرم شرعی نہو یعنی اُن محارم شرعیہ میں سے نہو جنکا نکاح اُس لڑکی سے حرام مطلق ہے — اگر یہ لڑکا چچازاد بھائی کے سپرد ہو سکتا ہے مگر لڑکی اُسکے سپرد نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اُسکا محرم شرعی نہیں ہے — اور عصبہ فاسق بھی لڑکی کی حضانت کا مستحق نہیں ہے —

جب متعدد رشتہ دار ہوں اور سب ایک ہی طبقہ یا درجہ کے ہوں اور سب لڑکے کی حراست کے قابل اور طالب برابر ہوں تو اُسکی حراست اُس شخص کے متعلق کیجائیگی جو سب سے زیادہ اُسپر شفقت کرتا ہو جب اولیاء شرعی نہوں یا اُنمیں سے کوئی نابالغ کی حراست کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو اُسکی حراست

۱؎ فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۲۸ — ۴۲۹ — ۱۲ منہ ۲؎ فتاواے عالمگیری و کتاب الانوار — ۱۲ منہ ۳؎ فصول عمادیہ — فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۲۹ — ۱۲ منہ ۴؎ ہدایہ صفحہ ۳۸۵ — ۳۸۶ — ۳۸۹ — ۱۲ منہ

قاضی سے متعلق ہو جائیگی جو اسکو کسی معتبر مرد یا عورت کے سپرد کریگا یعنی اگر لڑکا ہو تو مرد کے اور اگر لڑکی ہو تو عورت کے سپرد کریگا[1]۔۔۔

حق الحضانت مادر مسلمہ اور مادر غیر مسلمہ دونوں سے برابر متعلق ہے پس جب کوئی مسلم کسی غیر مسلمہ سے شادی کرلے اور اس سے اولاد ہو تو وہ ماں اس اولاد کی حضانت کی مستحق اسی طرح ہوگی جس طرح مادر مسلمہ ہے۔۔۔ معروف الکرخی نے اسکی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ حق الحضانت ماں سے بحیثیت مادری متعلق ہوتا ہے لہذا غیر مسلمہ ہونے کی وجہ سے اسکا یہ حق نہیں زائل ہو جاتا۔ چونکہ ماں کا مرتد یا بد وضع ہو جانا اولاد کے حق میں مضر سمجھا گیا ہے لہذا ماں کا ارتداد یا بد اعمالی مانع حضانت قرار دی گئی ہے۔۔

اصولِ عامۂ حضانت کے باب میں سنّی اور شیعہ میں اتفاق ہے۔۔۔ مگر شیعوں کے نزدیک یہ ہے کہ جب ماں نہ ہو تو یہ حق باپ پائیگا اور جب وہ بھی نہ ہو تو دادا دادی اور دیگر اجداد کو ملیگا اور جب اجداد میں سے کوئی نہ ہو تو حق الحضانت اُن اقربا کو ملیگا جو لڑکی کے محارم شرعیہ میں سے ہوں اور قریب بعید کا حاجب ہوگا۔

حق الحضانت کو عمل میں لانے کے لیے یہ اوصاف لازم ہیں (۱) حضنیہ (یعنی وہ عورت جسکے سپرد لڑکا یا لڑکی کیجائے) صحیح العقل ہو۔ (۲) وہ اتنی مسن ہو کہ اس لڑکے کی حراست کماحقہ یا بقدر ضرورت کرسکے۔ (۳) اُسکا چال چلن اچھا ہو۔ (۴) وہ ایسے مقام رہتی ہو جہاں لڑکے کو کوئی جسمانی یا اخلاقی ضرر پہونچنے کا خوف نہ ہو۔

سب فرقوں میں حق الحضانت ان وجوہ سے زائل ہو جاتا ہے (۱) حضنیہ کے دوسرا عقد کر لینے سے (۲) اسکے بدوضعی سے (۳) اُسکے مقام سکونت بدل دینے سے جس سے باپ یا معلم لڑکے پر نگرانی ضروری نہ کرسکے۔

ا۔ جب کوئی عورت کسی غیر شخص کے ساتھ نکاح کرلے تو اُسکا حق حراست اولاد کی نسبت

[1] فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۔۔۔ فصول عمادیہ ۔۔۔ ۱۲ ۔۔۔ منہ

زائل ہو جائیگا کیونکہ شرعًا یہ قیاس کیا گیا ہے کہ جب عورت ایک نئے خاندان مین چلی گئی تو وہ ایسی شفقت اور نگرانی لڑکے کی نہین کر سکتی جیسی پیشتر کرتی تھی۔ لیکن اگر عورت اُس لڑکے کے اقربا مین سے کسی ایسے شخص سے عقد کر لے جو اُسکے محارم شرعیہ مین داخل ہو تو اُسکا حق الحضانت نہین زائل ہوگا۔ مثلاً اگر مان لڑکے کے چچا سے نکاح کرلے تو چونکہ ایسا نکاح شرعًا جائز ہے لہذا اُسکا حق حراست نسبت اُس لڑکے کے نہ زائل ہوگا۔

صوبۂ الجیرس کی عدالتون نے بعض فیصلے ایسے کیے ہین جو کل فرق اسلامیہ کے اعتقاد کے موافق ہین اور جنسے چند اصول ایسے بہم پہونچے ہین جنکے باعث سے قاعدۂ مذکورۂ بالا خوب صاف و واضح ہوگیا ہے۔

الجیرس کی عدالت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب کوئی عورت ایک شوہر سے طلاق لیکر دوسرا شوہر اس غرض سے کرے کہ اُسکی اولاد کو بہتر اور کافی تر معاش حاصل ہو تو اُسکا حق الحضانت زائل نہین ہو جاتا۔

اگر لڑکے کا مان کے زیر حراست رہنا لڑکے کے حق مین مفید ہو تو عدالت اُسکو اُسی کی حراست مین رہنے دیگی۔

الجیرس کے ایک مفتی کے فتوے کے موافق یہ بھی فیصلہ ہوا ہے کہ جب حاضنہ دوسرا نکاح کرلے اور اُس نکاح کی تاریخ سے یا اُس تاریخ سے جس تاریخ اُس لڑکے کے باپ کو اُسکا علم ہوا ہو برس روز کے اندر باپ اُسکا دعوے نہ کرے تو اُسکی نسبت یہ قیاس کیا جائیگا کہ اپنے لڑکے کی حراست سے دست بردار ہوگیا ہے اور اُسوقت سے وہ لڑکا اپنی مان ہی کی حراست مین رہیگا۔

جب مان یا اور کسی رشتہ دار عورت کا حق الحضانت اُسکے عقد کر لینے کی وجہ سے زائل ہو جائے تو فسخ نکاح یا طلاق کے بعد وہ حق عود کریگا۔

۱؎ مو گر یہالے صفحہ ... عدالت الجیرس بتاریخ ۱۵ اکتوبر ۱۸۶۲ء و ۲۹ جون ۱۸۶۸ء و ۹ دسمبر ۱۸۶۸ء - ۱۲ منہ

۲؎ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲... فصول عمادیہ - فتاوائے قاضیخان صفحہ ... - ان امور مین سنی اور شیعہ مین کچھ اختلاف نہین ہے - ۱۲ منہ

۲- حق الحضانت حضینہ کی بدکرداری سے بھی زائل ہوجاتا ہے - اگر یہ معلوم ہوجائے کہ یہ عورت فاحشہ ہے یا فاحشہ عورتون کی صحبت مین اکثر جاتی ہے یا اُسپر سرقہ کا جرم ثابت ہوا ہو تو اُسکا حق حراست صغیر السن لڑکے کی نسبت جاتا رہیگا -

سابق مین عرض کیا گیا کہ فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ ماں سبسے زیادہ اولیٰ ولی حراست کی مستحق ہے مگر اِسمین یہ قید لگادی ہے کہ "الا انیکہ وہ (یعنی ماں) مرتدہ یا فاسقہ ہو یا قابل اعتبار نہو"[1] پھر اسی کتاب مین یہ بھی لکھا ہے کہ اگر وہ عورت اکثر اپنے گھر سے نکل جاتی ہو اور اپنی اولاد سے غفلت کرتی ہو اور انکی فاقہ کشی کو گوارا کرتی ہو تو وہ اس قابل نہین ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے اُسکے سپرد کیے جائین - کتاب الفائق مین لکھا ہے کہ اگر عورت چور یا زنا کار ہو یا حالم صحبت مین گاتی ناچتی ہو یا ماتم پرسے کا پیشہ کرتی ہو تو وہ کسی لڑکے کی حراست کی مستحق نہین ہے گانے بجانے والی اور ماتم پرسا دینے والی عورتین ممالک ایشیا مین اسوجہ سے بدنام ہوگئی ہین کہ فسق و فجور عموماً انکے پیشہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے -

جو فتوے فتاواے عالمگیری مین سے لکھے ہین اُنسے وہ عام اصول نکل آتا ہے جسکی پابندی ایسے مقدمات مین کرنی چاہیئے - اسمین لکھا ہے کہ وہ بدوضعی جو ماں یا اور کسی رشتہ دار عورت کے حق الحضانت کو زائل کردیتی ہے "اُس قسم کی بدکرداری ہے جو لڑکے کے حق مین مضر ہو"[2]

پس معلوم ہوا کہ بدوضع عورت حق الحضانت کا دعوے نہین کرسکتی - علیٰ ہذا القیاس اگر حق الحضانت حاصل کرنے اور لڑکے کو اپنے زیر حراست کر لینے کے بعد کوئی عورت آوارہ ہوجائے تو اُسکی حضانت جاتی رہیگی اور باپ یا اور کوئی شخص جو اُسکا قائم مقام ہو اُس لڑکے کی نگرانی اختیار کریگا -

بمقدمہ عباسی بنام ڈن ہائی کورٹ الہ آباد نے اسی آخر الذکر اصول کے موافق[3] فیصلہ کیا

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۲۸ - [2] منہ ۱۲ - [3] انڈین لارپورٹ جلد ۱ - سلسلہ الہ آباد صفحہ ۵۹ - ۱۲ منہ

یعنی یہ تجویز کیا کہ زن بازاری اپنے نابالغ بہن کی حراست شرعاً نہین کرسکتی ہے ـــ اسمین شک نہین ہے کہ یہ فیصلہ شرع شریف کے موافق ہوا ـ مگر اس فیصلہ مین مدعیہ کے اس بیان پر کچھ توجہ نہین کی گئی کہ جن لوگون کے سپرد مجسٹریٹ نے اُسکی بہن کو کیا تھا وہ اُسکو عیسائی مذہب کے اعتقادات تعلیم کررہے تھے ــ بجز اُس صورت کے جسمین ماں غیر مسلمہ ہو مسلمان لڑکے کی حراست شرعاً کسی سے نہین متعلق ہوسکتی سواے مسلم یا مسلمہ کے ـــ لہذا جو حکم مجسٹریٹ نے بمقدمہ عباسی بنام ڈنج صادر کیا تھا اور جسکے بموجب وہ لڑکی ایک عیسائی یتیم خانہ مین بھیجدی گئی تھی اور عیسائی مذہب مین پرورش پائی تھی وہ حکم خلاف شرع تھا اور ہائی کورٹ کو اُس سے کچھ تعرض کرنا چاہیئے تھا ـ

ارتداد بھی مانع حق الحضانت ہے ـ پس جو عورت یہ حق حاصل ہونے سے قبل یا بعد دین اسلام سے مرتد ہو جائے وہ مسلمان لڑکے کی نسبت حق الحضانت نہ عمل مین لاسکتی ہے نہ اُسکا دعوے کرسکتی ہے ـ

ایکٹ ۲۱ سنہ ۱۸۵۰ء سے شرع محمدی کے اصول حضانت مین کچھ تغیر نہین ہوا ـ بلکہ اُس ایکٹ کا اثر مسائل میراث پر محدود رہا ـ لہذا جو عورت مسلمہ عیسائی مذہب اختیار کرلے اُسکا حق وراثت تو اس ایکٹ کے روسے نہ زائل ہوجائیگا مگر اپنے نابالغ رشتہ دارون کی حراست کا حق زائل ہوجائیگا ـ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد دو بیٹیان چھوڑ جائے اور اُنمین سے ایک بیٹی نابالغ ہو تو اُسکی بڑی بہن درصورت نہونے دیگر اقرباء اُناث کے اُسکی حراست کی مستحق ہوگی ـ لیکن اگر یہ معلوم ہوجائے کہ بڑی بیٹی اپنے باپ کی وفات کے پیشتر مرتد ہوگئی تھی تو وہ اپنی بہن کی حق حضانت کا دعوے شرعاً نہ کریگی گو اُسکا حق وراثت بموجب ایکٹ ۲۱ سنہ ۱۸۵۰ء باقی رہیگا ـ

نا ستر ہونا مین عورت کا عفیفہ نہونا مانع ارث ہے ـ لیکن اگر اُسکو کوئی جائداد وابستا

له الکرخی ـــ ۱۲ منہ

مل چکی ہو اور اُسکے بعد وہ غیر عفیفہ ہو جائے تو وہ جائداد اُس سے نہ لی جائیگی — مگر شرع محمدی مین عدم عفت عورت کو مانع ارث نہین ہے گو اخلاف عامہ کے لحاظ سے عدم عفت عورت کو مانع حق حضانت قرار دیگئی ہے —

۳ — حق الحضانت اُسوقت بھی زائل ہو جاتا ہے جب حضنیہ لڑکے کو بلا اجازت اُسکے باپ یا ولی شرعی کے اتنے فاصلے پر اُٹھا لیجائے کہ باپ یا ولی کو اُنکی نگرانی بقدر ضرورت کرنا محال ہو جائے — مثلاً جو عورت نوکری پیشہ ہو اُسکو اپنے مالک کے ساتھ جسکی وہ نوکر ہے ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانا پڑتا ہے اور اپنے لڑکے اُنکے ہمراہ لیجانا پڑتا ہے پس اگر کوئی عورت چاہے کہ اپنی اولاد کو معمولی جائے سکونت سے کہین اور اُٹھا لیجائے اور اُسکا شوہر قاضی یا حاکم سے استدعا کرے کہ میرے لڑکے مجھکو دلا دیے جائین کیونکہ انکی مان انکو اور جگہ لیجانا چاہتی ہے تو قاضی پر فرض ہے کہ اس مقدمہ کے واقعات کو تحقیق کرے اور جب اُسکو اطمینان ہو جائے کہ نقل مکان چند روزہ ہے اور لڑکے کے حق مین مفید ہوگا تو اُسکو مان کی حراست مین رہنے دے —

جبتک نکاح باقی رہے اُسوقت تک جہان زن و شوہر سکونت دائمی رکھتے ہون وہی مکان حضانت ہے — پس جس گھر مین زن و شوہر اکثر یکجا رہتے ہون اُسی گھر مین لڑکے کی پرورش و پرداخت ہونی چاہیے — اسی وجہ سے اگر باپ اُس شہر سے باہر جاتا ہے جہان اُسکی بود و باش ہو تو اولاد کو مان کی حراست سے نکالکر اپنے ہمراہ نہین لیجا سکتا —

اگر شوہر و زوجہ مین تفرقہ پڑ جائے تو مان اس بات کی مستحق ہے کہ اپنی نابالغ اولاد کو لیکر اپنے وطن مین چلی جائے (بشرطیکہ نکاح وہین ہوا ہو) گو اُسکا وطن اُسکے شوہر کی جائے سکونت سے کتنا ہی دور ہو — پھر فتاوے عالمگیری لکھا ہے کہ "اگر زوجہ کا نکاح اُسکے وطن مین ہوا ہو

سلہ فتاوے عالمگیری صفحہ ۱۳۷ — جامع الشتات — فصول عمادیہ — ۱۲ منہ سلہ فتاوے عالمگیری صفحہ ۱۲۰ کتاب الانوار — ۱۲ منہ سلہ اذا وقعت الفرقة بين الرجل وامرأته فارادت ان تخرج بالولد عن المصر فلها

تو وہ ایسا نہین کرسکتی الّا اینکہ اُسکا وطن شوہر کے مسکن سے اسقدر قریب ہو کہ اگر وہ وہانسے صبح کو اپنی اولاد کو دیکھنے کے لیے چلے تو قبل از شب اپنے مکان کو واپس آسکے ۔ نہ مان اولاد کو اور کسی شہر مین کسی شرط سے لیجا سکتی ہے ۔

عبارت ذیل ہدایہ سے نقل کیجاتی ہے جس سے اس اصول کی توضیح بخوبی ہوگئی ہے ۔

"عورت کے اپنی اولاد کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر لیجانے کو دو باتین شرعًا لازم ہین ایک یہ کہ عورت اُس مقام کی باشندہ ہو جہان وہ جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ اُسکا نکاح وہین ہوا ہو[1] ۔ دیگر یہ اُسی صورت مین ہوگا جبکہ ان دونون مقامات مین فاصلہ ہو لکن اگر وہ مقامات ایسے قریب ہون کہ باپ صبح کو اپنی اولاد کو دیکھنے جائے اور قبل از شب پھر آسکے تو اسمین کچھ قباحت نہین ہے کہ زوجہ اولاد کو اپنے ساتھ لیجا کر قیام کرے ۔ اور یہ ہمیشہ جائز ہے چاہے ان مقامات کی وسعت اور درجہ کیسا ہی ہو یعنی شہر ہون خواہ دیہات"

ہدایہ ترجمہ انگریزی صفحہ ۳۹ ۔ پھر اُسکے بعد جو عبارت ہے وہ بھی لائق غور ہے "اور اسمین بھی کچھ قباحت نہین ہے کہ مان اپنی اولاد کو لیکر گاؤن سے ضلع کے کسی شہر یا قصبہ مین چلی جائے کیونکہ اس سے باپ کا کچھ نقصان نہین متصور ہے اور اولاد کا فائدہ ہے ۔ مگر اسکے بالعکس یعنی مان کا کسی شہر یا قصبہ سے اپنی اولاد کو کسی گاؤن مین لیجانا اولاد کے حق مین مضر ہوگا کیونکہ اولاد دیہاتیون کی کمینے عادات اور رذیل خیالات سیکھ لیگی ۔ لہذا عورت شرعًا اسکی مجاز نہین ہے کہ اپنی اولاد کو شہر سے گاؤن مین لیجائے الّا اینکہ وہ گاؤن اُسکا وطن ہو اور اُسکا نکاح وہین ہوا ہو"[2]

فقہاے مالکیہ کے نزدیک چھ برید[3] کا بعد ایسا فاصلہ ہے کہ باپ کو اپنی اولاد کی نگرانی کرنے سے مانع ہے باوجودیکہ مالکیہ اور حنفیہ نے ایسا سخت قاعدہ مقرر کیا ہے تاہم ہر ایک

---

[1] الى مصرها فان كان النكاح وقع فى مصرها فلها ذلك وان كان وقع النكاح فى غير مصرها فليس لها ذلك الا ان يكون بين موضع الفرقة وبين مصرها قرب بحيث لو خرج الاب لمطالعة الولد يمكنه الرجوع الى منزله قبل الليل — ۱۲ منه

[3] برید ایک برید چار فرسخ کے برابر ہے اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اور ایک میل ۴۰۰۰ گز — ۱۲

مقدمہ کا فیصلہ اُسکے رودادکے موافق کیا جاتا ہے ۔

اگر باپ نقل مکان کرے یا اُس مقام سے چلا جائے جہان حضینہ رہتی ہو اور حق الحضانت کو عمل مین لاتی ہو تو بعض حالات مین باپ کو اختیار ہوگا کہ لڑکے کو حضینہ کی حراست سے نکال لے یہ اختیار بھی لڑکے کے فوائد کے تابع کردیا گیا ہے ۔ اگر لڑکا ماں کی نگرانی کا محتاج نہو یا اگر اسمین شک ہو کہ جب اسکی ماں اُسکے باپ کی نگرانی سے آزاد ہوجائیگی تو ویسی ہی شفقت اور خبر گیری لڑکے کی کریگی جیسی پہلے کرتی تھی تو قاضی کو اختیار ہے کہ باپ اگر لڑکے کو لیجانے کی استدعا کرے تو اُسکو منظور کرلے ۔

الجیرس کی عدالت سنے جو ۱۱ - فروری ۱۸۶۶ء کو ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا ہے اُس سے خوب ظاہر ہے کہ مقدمات حضانت کا فیصلہ کس اصول کے موافق کرنا چاہیئے ۔

یہ حق ابتداءً لڑکے کے فائدہ کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور چاہیئے کہ وہ اقربا اسکو عمل مین لائین جنکی نسبت ظن غالب ہو کہ لڑکے کی خبر گیری اور اُسپر شفقت سب سے زیادہ کرینگے ۔

حق الحضانت ایک حق شخصی ہے جسکو فریقین ایک جوڈیشل یعنی عدالتی کارروائی کے ذریعہ سے نافذ کرسکتے ہین ۔ دفعہ ۱ - ایکٹ ۹ سنہ ۱۸۶۱ء مین لکھا ہے کہ وہ نابالغ کا کوئی عزیز یا ولی جو ایسے نابالغ کی حراست یا ولایت کا دعویٰ کرنا چاہے اصالتاً یا مختار مجاز کے ذریعہ سے ضلع کی سب سے بڑی ابتدائی عدالت دیوانی مین بذریعہ عرضی درخواست کرسکتا ہے "۔ اور دفعہ ۳ - مین لکھا ہے کہ وہ اُس عدالت کو اختیار ہے کہ فریقین کے بیانات کو سُنکر اور شہادت لیکر جیسا حکم مناسب سمجھے صادر کرے "۔

اِس ایکٹ کے بموجب وہ اختیارات جو شرع محمدی مین قاضی کو دیے گئے ہین ضلع کی سب سے بڑی ابتدائی عدالت دیوانی کو عطا کیے گئے ہین پس اُس عدالت پر فرض ہے کہ تمام مقدمات مین جو مسلمان لڑکون کی حضانت سے متعلق ہون احکام شرع متعلقہ حضانت جاری کرین ۔

ایکٹ ۵۰ سنہ ۱۸۵۸ع مین لکھا ہے کہ عدالت دیوانی جس شخص کو نابالغ کی حراست کے لائق سمجھے اور وہ شخص راضی بھی ہو اُسکو اُسکا ولی مقرر کرسکتی ہے۔ مگر اس ایکٹ مین قانونی تعریف لفظ وو لائق،، کی نہین لکھی ہے۔ پس اسمین کچھ شک نہین ہے کہ قابلیت ولایت کا تصفیہ شرع محمدی کے موافق کیا جائیگا۔ مگر چونکہ اس ایکٹ کی دفعہ ۲۷ مین لکھا ہے کہ نابالغ لڑکی کی ذات خاص کا ولی سواے عورت کے کوئی شخص مقرر کیا جائیگا،، لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سنیون کے مذہب مین جو عصبات ذکور کو لڑکی کی حضانت کا حق حاصل ہے ایکٹ ۵۰ سنہ ۱۸۵۸ع کے احکام سے اُسمین تغیر عظیم واقع ہوگا۔

اولاد غیر حلال کی حراست خاص کر مان اور اُسکے رشتہ دارون سے متعلق ہے۔ اگر لڑکے کو اُسکے مان باپ نے چھوڑ دیا ہو تو اُسکی حراست اُس شخص سے متعلق ہوگی جسنے اُسکو کہین پالیا ہو یا سرکار سے متعلق ہوگی۔[1]

مان کو اختیار ہے کہ اپنی اولاد کو لیکر اپنے وطن مین چلی جاے مگر اور کسی حضینہ کو شرعاً یہ اختیار نہین ہے فقط۔

ساتوان باب

نکاح کی حالت۔ اُسکی قابلیت۔ اُسکا طرز۔ اُسکے موانع شرعی

شرع محمدی مین نکاح ایک معاہدہ ہے۔ اُسکا جواز متناکحین کے ایجاب و قبول پر موقوف ہے۔ اُسکے جواز کو کسی رسم شرعی کا ادا کرنا لازم نہین ہے نہ گواہون کے موجود ہونے پر اُسکی حلت موقوف ہے۔ فی الواقع معاہدہ نکاح مثل دیگر معاہدات کے ہے اور نتیجہ کے اعتبار سے ایک معمولی قسم کی مشارکت کے مشابہ ہے۔ طرفین کے حقوق شخصی ایک دوسرے کے مقابل اور غیرون کے مقابل بھی بدستور قائم رہتے ہین اور طرفین کو فسخ نکاح کا اختیار ہے اگر حالات اسی کے مقتضی ہون۔

[1] سائیر صاحب کی کتاب موسوم بہ دولت عثمانیہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۱ اسے ۱۰۳ ۱۲ منہ [2] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۴۱ ۱۲ منہ

بیلی صاحب فرماتے ہین کہ ور اور معاہدات کی طرح نکاح بھی ایجاب وقبول کا نام ہے مگر نکاح سے کوئی حق شوہر و زوجہ کو ایک دوسرے کی جائداد پر نہین حاصل ہوجاتا ۔ اور زوجہ کی حیثیت شرعی شوہر کے ساتھ خلط نہین کردی گئی ہے بلکہ زوجہ کو ایسے اختیارات حاصل رہتے ہین کہ گویا اُسکا نکاح ابتک نہین ہوا ہے یعنی جسطرح چاہے اپنے مال کو صرف کرے جو چاہے اُسکو کرے اور تمام معاہدات اُسکی نسبت کرسکتی ہے اور بلا اجازت شوہر دوسرے پر نالش کرسکتی ہے اور وہ اُسپر نالش کرسکتا ہے ۔ بلکہ وہ اپنے شوہر پر بھی بلا وساطت کسی امین یا ولی کے نالش کرسکتی ہے اور شوہر کسی طرح سے اُسکا ولی شرعی نہین ہے ۔

شرع کی اصطلاح مین اور عرف مین بھی اس معاہدہ کے باقاعدہ انجام دینے کو عقد کہتے ہین اور عقد سے وہی معنی پیدا ہوتے ہین جو رومیون کے قانون مین لفظ "ورفرض" سے پیدا ہوتے ہین ۔ فی الواقع عقد تکمیل نکاح کا نام ہے جسکی ابتدا ایجاب سے ہوتی ہے اور خاتمہ قبول پر ہوتا ہے ۔

قابلیتِ نکاح

جوازِ نکاح شرعاً دو شرطون پر موقوف ہے ۔ اوّلاً طرفین کی قابلیت ازدواج پر ۔ ثانیاً اس بات پر کہ نکاح اُس طرز یا اُس صورت سے کیا جائے جو اُس مقام پر رائج ہو جہان نکاح ہوا ہے یا جو مسلمانون کے رسم ورواج کے موافق مشروع ومباح سمجھا جائے ۔

یہ ایک اصول مسلّمہ قانونی ہے کہ طرفین کی قابلیت ازدواج ہر ایک کے وطن یا ملک کے قانون کے موافق قیاس کرنی چاہیئے ۔ اگر مرد اور عورت خواہ ایک ہی ملک کے رہنے والے ہون خواہ مختلف ملکون کے باشندے ہون اپنے اپنے ملک کے قانون کے موافق ایک دوسرے سے نکاح کرسکتے ہون تو اُنکو قابلیت ازدواج بموجب اُس قاعدہ کے حاصل ہے جسکی تحقیق ہو رہی ہے ۔ خلاصہ یہ کہ اور معاہدات کی طرح نکاح مین قابلیت شخصی مناکحت کی مسکن دائمی کے قانون پر موقوف ہے[1]

---

[1] ڈائسی صاحب کی تقریر مسکن دائمی پر ۔ ۱۲ منہ ۔

جس مسلمان نے انگلستان مین بود و باش اختیار کر لی ہو اُسکی قابلیت ازدواج قانون انگلستان کے موافق قرار دیجائیگی۔ مگر جو مسلمان بلاد الاسلام مین سکونت دائمی رکھتا ہو اُسکی قابلیت تزویج شرع محمدی کے موافق سمجھی جائیگی۔ پس یہ تحقیق کرنا ضرور ہے کہ وہ شرائط ضروریہ کیا ہین جنسے آدمی ایک مشروع و مباح نکاح کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ شرع شریف مین نکاح شرعی کرنے کی قابلیت اُسی بنا پر مبنی ہے جس بنا پر اور معاہدات کرنے کی قابلیت موقوف ہے۔ فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ[۱] منجملہ اُن شرائط کے جو جواز نکاح کو لازم ہین متناکحین کا عاقل و بالغ اور آزاد ہونا ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ درحالیکہ پہلی شرط یعنی عاقل ہونا جواز نکاح کی شرط ضروری ہے کیونکہ مجنون یا بے عقل لڑکا نکاح نہین کر سکتا اور دو شرطین یعنی بلوغ شرعی اور آزادی صرف نفاذ نکاح کے لیے لازم ہین کیونکہ نابالغ مگر عاقل لڑکا جو نکاح کرے اُسکا نفاذ اُسکے ولی کی رضامندی پر موقوف ہے۔[۲] پس معلوم ہوا کہ بلوغ و رُشد شرائط ضروریہ جواز نکاح کی ہین۔ جو لڑکا شرعاً نابالغ ہو وہ کسی قسم کے تصرفات شرعیہ نہین کر سکتا ہے لہذا نکاح کرنے کے قابل بھی نہین ہے۔ مگر قانون انگلستان کی طرح شرع محمدی مین بھی صغیر و سر یعنی اُس لڑکے مین جو نابالغ اور بے شعور ہو اور اُس لڑکے مین جو صرف نابالغ ہو فرق کیا گیا ہے۔ جب صغیر یعنی ایسا لڑکا نکاح کرے جو سن تمیز کو نہ پہونچا ہو یا عقل و شعور نہ رکھتا ہو یا اپنے اس فعل کے نتائج کو نہ سمجھ سکتا ہو تو وہ نکاح کالعدم ہوگا۔

شرع محمدی مین رُشد یعنی سن تمیز کی کوئی خاص مدت نہین مقرر ہے۔ مگر قانون انگلستان کی رو سے سات برس کا سن لڑکے کی بے شعوری اور اُسکی اس قابلیت مین کہ وہ اپنے افعال کے نتائج قانونی کو سمجھ سکے فارق قرار دیا گیا ہے۔ اور تعزیرات ہند مین بھی سات برس کے سن سے

---

[۱] اما شروطه فمنها العقل والبلوغ والحرية في العاقد الا ان الاول شرط الانعقاد فلا ينعقد نكاح المجنون والصبي الذي لا يعقل والاخيرين شرطا النفاذ فان نكاح الصبي العاقل يتوقف نفاذه على اجازة وليه۔ فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۷۷۔ فتاواے قاضیخان صفحہ ۳۸۰ — ۱۲ منہ

لڑکا ارتکاب جرائم کا مواخذہ دار قرار دیا گیا ہے۔ پس یہ فرض کرلینا شاید خلاف عقل نہیں ہے کہ شرع محمدی کے رو سے بھی یہی اصول مقدمات مین جاری کرنا چاہیے یعنی جب سات برس سے کم عمر کا لڑکا نکاح کرے تو وہ کالعدم سمجھا جائیگا[۱]۔

مگر جو نکاح سرپرست نے کرلیا ہو اُسکا دوسرا حکم ہے۔ اُسکی نسبت فتاوے عالمگیری مین لکھا ہے کہ وہ ایسا نکاح شرعًا جائز ہے گو اُسکا جواز ولی کی اجازت پر موقوف ہے[۲]،،

جو نکاح مجنون نے کرلیا ہو وہ باطل و ناجائز ہے الا اینکہ اُس زمانہ مین کیا ہو جب اُسکے ہوش و حواس درست ہون۔

لونڈی اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح نہین کرسکتے۔ اسی وجہ سے علماے اسلام نے حریت کو ایک شرط قابلیت ازدواج کی گردانا ہے۔

حنفیہ اور شیعہ دونون کے نزدیک لڑکے اور لڑکی دونون کا بلوغ شرعی پندرھوان سال تمام ہونے پہ فرض کرلیا جائیگا الا اینکہ شہادت سے یہ ثابت کردیا جائے کہ بلوغ اس سے پیشتر ہوچکا تھا۔

صدر کورٹ کلکتہ نے بمقدمہ شمس النساء بنام اشرف النساء وغیرہ یہ تجویز کیا تھا کہ جب لڑکی نے اپنے بلوغ[۳] کا خود اقرار کرلیا ہو اور اُسکی صورت سے کوئی بات ایسی نہ پائی جائے کہ اسکے خلاف گمان ہو تو اسکے اقرار سے اُسکا بلوغ ثابت ہوجائیگا[۴]

علاوہ بلوغ اور رشد کے قابلیت تزویج کو یہ بھی لازم ہے کہ طرفین کی مناکحت کا کوئی مانع شرعی نہو یا یہ کہیے کہ وہ ایک دوسرے کے محارم شرعیہ مین سے نہون[۵] باہم ایسی نسبت نہ رکھتے ہون کہ انکی مناکحت شرعًا حرام ہو۔

اسباب التحریم یعنی مناکحت کے موانع شرعی

شرع محمدی مین موانع نکاح دیگر شرایع اور قوانین کی بہ نسبت زیادہ ہین۔ مگر در اصل وہ موانع بھی

---

[۱] بیلی صاحب کی کتاب نکاح و طلاق صفحہ ۱۹۴ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ [۲] فتاوے عالمگیری صفحہ ۲۰۷۔ فتاوے مین ایسے لڑکے کو بھی العاقل لکھا ہے۔ ۱۲ منہ [۳] مولوی صاحب کی نظایر جلد ۱ صفحہ ۳۰۳ ۱۲ منہ [۴] فتاوے عالمگیری صفحہ ۳۸۰۔ ارشاد علامہ جامع الشتات ۱۲ منہ

اسی قسم کے ہین جیسے قانون انگلستان اور قانون فرانسیس مین بعض اقربا سے شادی کرنا ممنوع ہے۔

اسباب تحریم یا موانع نکاح چار قسم کے ہین۔ ۱- سبب مطلق۔ ۲- سبب بالنسبۃ۔ ۳- سبب محرم۔ ۴- سبب محکم۔

یہ اسباب اولاً تحلیل یا تحریم نسب سے پیدا ہوتے ہین۔ ثانیاً مصاہرت یعنی قرابت نسبتی سے۔ ثالثاً رضاع یعنی دودھ پلانے سے۔ رابعاً تکمیل عدد شرعی ازواج سے۔

کاسن ڈی پرسول صاحب نے اپنی تاریخ عرب صفحہ ۱۵۳ مین لکھا ہے کہ اگلے زمانہ میں عرب سوتیلی مان اور ساس کا نکاح سوتیلے بیٹے اور داماد کے ساتھ جائز جانتے تھے۔ قرآن مجید مین اس رسم قبیح کی ممانعت قطعی کردی ہے اور فرمایا ہے کہ۔ وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا۔ یعنی نکاح کرو ان عورتون سے جنسے تمھارے باپ نے نکاح کیا ہو مگر وہ بات جو زمانہ سابق مین ہوئی تھی تحقیق کہ وہ بیحیائی اور برائی اور بدکرداری تھی۔ (قران مجید سورۂ آل عمران آیت ۲۶)۔ اسکے بعد محرمات شرعیہ کی تشریح کردی ہے حُرِّمَتْ[1] عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (سورۂ آل عمران آیت ۲۷)۔

۱؎ یعنی حرام کی گئیں تم پر تمھاری مائین اور تمھاری بیٹیان اور تمھاری بہنین اور تمھاری پھوپھیان اور تمھاری خالائین اور تمھاری بھتیجیان اور تمھاری بھانجیان اور تمھاری دودھ مائین اور تمھاری دودھ بہنین اور تمھاری ساسین اور تمھاری پالک لڑکیان جو تمھاری اُن بیبیون کی گود مین ہون جو تمھاری مدخولہ ہون لیکن اگر تم نے انکے دخل نہ کیا ہو تو کچھ قباحت تمھارے واسطے نہیں ہے اور منکوحہ بیبیان تمھاری اُن بیٹون کی جو تمھارے صلب سے ہون اور یہ کہ تم دو بہنون سے ایکہی وقت مین نکاح کرو

تحریم النسب یعنی وہ موانع نکاح جو قرابت نسبی سے متعلق ہین سنّی اور شیعہ دونون کے متفق علیہ ہین۔ نکاح اِن اشخاص سے کرنا حرام ہے۔ (۱) اجداد سے (۲) اولاد سے (۳) دوسرے طبقہ کے رشتہ دارون سے جیسے بھائی بہنین اور اُنکی اولاد۔ (۴) چچا اور ماموان اور پھوپھی اور خالہ سے حرامی اولاد اور اُسکی اولاد سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔

شیعون کے نزدیک رضاعت بھی ایک ویسا ہی سبب اسباب تحریم نکاح مین سے جیسا نسب ہے مگر سنیون کے نزدیک رضاعت اِن صورتون مین مانع شرعی نکاح کا نہین ہے۔ (۱) لڑکے کا باپ اُسکی انّا کی مان کے ساتھ عقد کرسکتا ہے۔ (۲) اُسکی بہن کے ساتھ بھی کرسکتا ہے۔ (۳) انّا اُس لڑکے کے بھائی سے نکاح کرسکتی ہے جسکو اُسنے دودھ پلایا ہے۔ (۴) چچا اور چچی کی انّا سے نکاح کرنا جائز ہے۔

شیعون کے نزدیک رضاعت سے قرابت اُسوقت پیدا ہوتی ہے جبکہ لڑکے نے انّا کے دودھ سے فی الواقع پرورش پائی ہو۔

مصاہرت یعنی قرابت نسبتی یا دامادی سے جو موانع نکاح پیدا ہوتے ہین اُنکے باب مین بھی شیعہ اور سنّی مین کچھ اختلاف نہین ہے۔

شیعون کے مذہب مین وہ عورت جسکو اُسکے شوہر نے بعلت زنا لعان دیا ہو اور لعان باعث اُسکی طلاق کا ہوا ہو کسی حال مین اُس سے دوبارہ نکاح نہین کرسکتی۔ شافعیہ اور مالکیہ اس مسئلہ مین شیعہ سے متفق ہین۔ مگر حنفیہ اُس عورت سے نکاح کرنا جائز جانتے ہین جسکو بذریعہ لعان طلاق دیا گیا ہو۔

مگر وہ بات جو سابق مین گذر چکی ہے تحقیق کہ خدا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے اور شوہر دار عورتین مگر جسپر قبضہ لے داہنے ہاتھ قابض ہون یعنی لونڈیان۔ ۱۲ منہ۔ سلہ شیعون کے نزدیک ضرور ہے کہ لڑکے نے کم سے کم پندرہ مرتبہ یا اقل مراتب ایک دن اور ایک رات دودھ پیا ہو۔ مگر حنفیہ کے نزدیک ایک دفعہ کا دودھ پلانا بھی کافی ہے۔ اور شافعیہ کے نزدیک اقل مراتب چار مرتبہ دودھ پلانا شرط ہے۔ ۱۲ منہ۔ سلہ بعض علماے شیعہ کا قول ہے کہ زوجہ کی بھانجی یا بھتیجی سے زوجہ کی اجازت سے نکاح کرنا جائز ہے۔ مگر اکثر علماے شیعہ اور اہل سنت کے نزدیک ایسا نکاح ناجائز ہے۔ ۱۲ منہ۔ سلہ فتاوا۔ عالمگیری صفحہ ۳۴۰ ۔ ۵ ۔ ۱۲ منہ

شیعہ اور مالکیہ اور شافعیہ اور حنبلیہ ان سب کے نزدیک اُس عورت سے نکاح کرنا حرام مطلق ہے جسکو اور شخص کا حمل موجود ہو۔ مگر ہدایہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور اُنکے شاگرد امام ابو محمد کے نزدیک ایسا نکاح جائز ہے۔ ہندوستان کے حنفیون مین اسکا عمل درآمد مختلف ہے۔ مگر عموماً ایسے نکاح نہایت معیوب سمجھے جاتے ہین۔

شافعیہ اور مالکیہ اور حنبلیہ کے نزدیک نکاح کرنا احرام کی حالت مین ممنوع ہے پس جب مرد و عورت دونون مین سے ایک بھی ان تینون فرقون مین سے کسی فرقہ سے ہو اور عالم حج مین نکاح کرلے تو وہ نکاح حرام ہوگا۔ مگر حنفیہؒ کے نزدیک ایسا نکاح درست ہے۔

شیعہ کے نزدیک یہ ہے کہ احرام کی حالت مین نکاح کرنا بہر حال ناجائز ہے مگر وہ عورت ہمیشہ کے لیے اُس مرد پر حرام نہین ہوجاتی الا اینکہ وہ مرد ایسے نکاح کے ناجائز ہونے سے واقف ہو

سب فرقون کے نزدیک ایک ہی زمانہ مین دو ایسی عورتون سے نکاح کرنا حرام ہے جو باہم ایسی قرابت رکھتی ہون کہ فرض کیجیے کہ اگر اُنمین سے ایک مرد ہوتا تو اُن دونون مین مناکحت شرعاً حرام ہوتی

شیعہ اور حنفیہؒ کے نزدیک جب مرد اور عورت مین زنا واقع ہو تو وہ مرد اس عورت کی ماں یا بہن سے نکاح نہین کرسکتا۔

جس شخص نے ان دو بڑے اسلامی فرقون (سُنّی اور شیعہ) کی شرع کو نظر تعمق سے دیکھا ہے اُس سے یہ بات مخفی نہین ہے کہ بیرونی لوگون یعنی غیر مسلمین کے ساتھ اُنکے برتاؤ مین کیا فرق رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جن قومون نے مذہب شیعہ قبول کرلیا اُنکو یورپ کی عیسائی قومون سے بہت سابقہ نہین پڑا مگر ایشیا کی قوم مجوس سے اُنکو ہمیشہ تعلق تام و دائمی رہا مگر برخلاف اسکے سنیون پر یورپ کی قومون کی تاثیر ہمیشہ کم و بیش ہوا کی۔ چونکہ شیعہ اور سُنّی کا

---

[۱] ہدایہ صفحہ ۹۰۔ امام ابو یوسف نے ان دونون صاحبون سے اختلاف کرکے فرمایا ہے کہ ایسا نکاح ناجائز ہے۔ اور ہدایہ مین یہ بھی لکھا ہے کہ ایسا نکاح اُس صورت مین باتفاق علما حرام ہے جبکہ جنین یعنی پیٹ کے لڑکے کا نسب معلوم یا ثابت ہوجائے [۲] ۹۰ [۳] ہدایہ کتاب ۳ باب ۳ جامع الشتات ۲ [۴] ۳ [۵] شافعیہ کو حنفیہ سے اس مسئلہ مین اختلاف ہے [۶]

برتاؤ غیر مسلمین کے ساتھ بالکل جداگانہ رہا ہے لہذا ان دونوں فرقوں کے مذہب میں مسلم اور غیر مسلم کی مناکحت کے باب میں اختلاف عظیم ہے۔ سابق میں بیان کیا گیا کہ بعض مصالح ملکی سے مسلمین کو قرآن مجید میں منع کردیا گیا ہے کہ کسی قسم کی موالفت و اتحاد مشرکین سے نہ رکھیں۔ چنانچہ کلام اللہ میں لکھا ہے کہ لا تنکحوا المشرکات حتی یومن یعنی نہ شادی کرو مشرک عورتون سے تاوقتیکہ وہ اسلام نہ قبول کرلین۔ مگر قرآن مجید میں یہ بھی فرمایا ہے کہ والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب الی آخر قولہ تعالی یعنی وہ عورتین اہل کتاب کی یعنی یہود و نصاری کی جو عفیفہ ہون مسلمانون پر حلال ہین۔

ان آیات سے اور بعض اور آیات سے بھی فریقین کے علما نے کسی قدر مختلف نتائج کا استخراج کیا ہے۔ سنیون کے نزدیک[1] مسلم کو یہودیہ یا نصرانیہ سے عقد کرنا جائز ہے۔ مگر انکے نزدیک بھی مسلمان مرد کو زن مجوسیہ یا ہندو عورت کے ساتھ عقد کرنا حرام ہے۔ اس مسئلہ مین اخباری شیعون اور معتزلے نے حنفیہ سے اتفاق کیا ہے۔ مگر اصولی شیعون کے نزدیک نکاح دائمی مسلم کا غیر مسلمہ کے ساتھ جائز نہین ہے۔ گو انکے نزدیک بھی یہودیہ اور نصرانیہ اور مجوسیہ سے متعہ یعنی نکاح منقطع کرنا جائز ہے فریقین کے نزدیک مسلم کو بت پرست یا ستارہ پرست یا کسی قسم کی صنم پرست عورت سے عقد کرنا جائز نہین ہے۔

یہ موانع نکاح فی نفسہ اور باعتبار نتیجہ کے اضافی ہین۔ یعنی نکاح کو بالکل کالعدم نہین کر دیتے ہین مثلاً اگر کوئی مسلم کسی ہندو عورت سے ایسے مقام پر نکاح کرلے جہان احکام شرع جاری ہون تو ایسا نکاح صرف شرعاً ناجائز ہوگا مگر اولاد کی حلت نسب مین فرق نہ آیگا۔

---

[1] ہدایہ صفحہ ۸۵۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۹۰۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک مسلم صابیہ یعنی ستارہ پرست عورت کے ساتھ عقد کرسکتا ہے۔ مگر امام ابویوسف اور امام محمد اور دیگر علمائے اہل سنت کے نزدیک ایسا عقد کرنا ناجائز ہے۔ البتہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ مسلمہ کسی حال مین غیر مسلم سے عقد نہین کرسکتی۔ [2] امنہ [3] مفاتیح۔ شرائع الاسلام صفحہ ۲۸۴۔ شیعون کے نزدیک مجوس کا دین بھی ایک دین الہامی ہے۔ [4] دہلی کے سلاطین مغلیہ نے اکثر عورات ہنود سے شادی کرلی جو شادی کے بعد بھی اپنے مذہب پر قائم رہین۔ اُنسے جو اولاد ہوئی وہ حلالی سمجھی جاتی تھی اور تخت بھی اسے ازدواج مسلمہ بادشاہ کیجاتی تھی۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۹۳ جو مسلمان انگلستان مین بودو باش اختیار کرلے وہ بت پرست عورت سے بھی عقد کرسکتا ہے

طرز یا صورت نکاح

کتب فقہ مین اور چند شرائط نکاح بھی لکھے ہین لکن اگر غور کیجیے تو یہ سب شرائط تکلفات ظاہری معلوم ہوتے ہین — مثلاً یہ ضرور ہے کہ (۱) متناکحین ایک دوسرے کے کلام کو سنین یعنی شرائط نکاح کو طرفین سمجھ جائین — (۲) اگر بالغ و عاقل ہون تو واقعی رضامندی نکاح سے ظاہر کرین (۳) شوہر اور زوجہ کی تصریح بخوبی کر دیجائے تاکہ اُنکی شناخت مین کچھ شک نہ واقع ہو — انشرائط ظاہری کے باب مین سُنّی اور شیعہ مین اتفاق ہے — مگر سنیون کے نزدیک ایجاب و قبول ایک ہی جلسہ مین ہونا چاہیئے اور ایجاب و قبول مین اختلاف نہونا چاہیئے — شیعون کے نزدیک ایجاب و قبول مین توافق لفظی ہونا کچھ ضرور نہین ہے —

سنیون کے مذہب مین تصدیق نکاح کے لیے گواہون کا ہونا بھی ضرور ہے — مگر شیعون کے نزدیک حضوری گواہون کی کسی اُمر متعلقہ نکاح مین ضرور نہین ہے — پس اگر مرد اور عورت خود یا اُنکے اولیا رشرعی پوشیدہ طور سے نکاح پڑھ لین تو شرعاً جائز ہے — بلکہ اگر پوشیدہ نکاح پڑھنے کا حکم ہو تو بھی نکاح نہ باطل ہوگا —

کوئی خاص رسم شادی رچانے کا شرعاً معین نہین ہے — اور چونکہ فریقین کے نزدیک نکاح عبادات مین داخل نہین ہے بلکہ معاملات مین داخل ہے لہذا جواز نکاح کسی قسم کے رسوم مذہبی بجالانے پر بھی موقوف نہین ہے —

مختص المقام صورتین نکاح کی

ہندوستان مین اور دیگر ممالک اسلامیہ مین بھی بہت سے رسوم مختص المقام نکاح کے ساتھ شریک کیے گئے ہین — مگر نکاح کا جواز یا عدم جواز اُن رسوم کے فعل یا ترک پر کسی طرح موقوف نہین ہے

---

(۱) فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۷۷ و ۳۷۸ و ۳۸۱ — شرایع الاسلام صفحہ ۲۶۳ — ۱۲ منہ (۲) جامع الشتات مفاتیح — شرایع الاسلام صفحہ ۲۶۲ — ۱۲ منہ (۳) شرایع الاسلام صفحہ ۲۶۲ — شاماچرن سرکار کے لکچر شرع محمدی چوتھا صفحہ ۳۴۸ — ۱۲ منہ

جو اور قوموں کے قرب و اتصال کی وجہ سے اہل اسلام کے رسوم و عادات میں شامل ہوگئے ہیں
جب دو شخص کہ شرعاً مناکحت کی قابلیت رکھتے ہوں باہم نکاح کرلیں تو وہ نکاح شرعاً جائز اور
واجب العمل ہوگا بشرطیکہ طرفین کی رضامندی سے دو گواہوں کے سامنے ہوا ہو۔
شیعوں کے نزدیک حضوری شاہدین بھی نکاح میں شرط نہیں ہے۔
شرایع الاسلام میں لکھا ہے کہ ؎ جب کوئی مرد کہدے کہ میں فلان عورت کا شوہر ہوں
اور وہ عورت کہدے کہ ہاں یہ سچ کہتا ہے یا جب کوئی عورت کہدے کہ فلان مرد کی زوجہ ہوں اور وہ مرد
کہدے کہ ہاں یہ میری زوجہ ہے تو یہ تجویز کیا جائیگا کہ ظاہرا ان دونوں کا نکاح باہم ہوگیا ہے ؎
قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں جواز نکاح کسی خاص رسم مذہبی یا غیر مذہبی کے ادا کرنے پر
شرعاً موقوف نہیں ہے بلکہ اگر طرفین خود آپس میں اپنا نکاح پڑھ لیں تو وہ بھی شرعاً جائز اور
واجب العمل ہوگا۔
مگر چونکہ ہندوستان میں کچھ رسوم بھی ادا کیے جاتے ہیں لہذا اس ملک میں دو مختلف صورتیں
نکاح کی عموماً پائی جاتی ہیں۔ یعنی نکاح عرفی جسکو عرفاً شادی بیاہ کہتے ہیں۔ اور نکاح شرعی جسمیں
صرف احکام شرعی کی پابندی کیجاتی ہے۔ نکاح عرفی شیعہ اور سنی دونوں میں پرتکلف رسوم کے ساتھ
اُسی طرح کیا جاتا ہے جسطرح ٹرکی یعنی دولت عثمانیہ میں ہوتا ہے۔ ترکوں میں جن رسوم کے ساتھ
نکاح ہوتا ہے انکو ڈی اوسن صاحب مورخ فرانسیسی نے خوب پوست کندہ بیان کیا ہے۔
نکاح شرعی میں کسی رسم کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس قسم کے نکاح میں فقط شرع کی پابندی کیجاتی ہے۔
چونکہ لفظ عرفی اور لفظ شرعی اکثر اُن مقدمات میں پیش آتا ہے جنمیں کسی لڑکے کا حلالی ہونا یا اُسکی
ماں کے نکاح کا وقوع و عدم وقوع مورد نزاع ہوتا ہے لہذا ان دونوں قسموں کے نکاح میں فرق
بادر کھنا ضرور ہے۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا لازم ہے کہ جہانتک نکاح کے نتائج شرعی متعلق ہیں وہانتک
نکاح کی پابندی بدرجۂ مساوی واجب ہے خواہ بصورت عرفی ہوا ہو خواہ بصورت شرعی۔

؎ جامع الشتات میں مسائل نکاح ملاحظہ ہوں — ۱۲ منہ —

البتہ عرفی نکاح مین جبکہ اعلان کے ساتھ رسوم ادا کیے جاتے ہین اُس سے یہ ظن غالب پیدا ہوتا ہے
کہ جب کبھی وقوع نکاح پر کوئی تنازع ہوگا تو لائق اطمینان شہادت اُسکی نسبت بہم پہونچ جائیگی
مگر نکاح شرعی مین چونکہ صرف احکام شرع کی تعمیل کیجاتی ہے اور اعلان بہت کم ہوتا ہے لہذا
جب ایسے مقدمات مین لائق اعتبار شہادت پیش کرنیکی ضرورت ہوتی ہے تو اُسکا پیش کرنا ایسا
آسان نہین ہوتا جیسا نکاح عرفی مین ہوتا ہے الا ہینکہ اُس نکاح کی رجسٹری[1] ہوگئی ہو۔

پہلا نکاح غربا مین بھی بصورت عرفی[2] ہوتا ہے ۔

ہندوستان کے سنی اور شیعہ کے رسوم نکاح مین کچھ ایسا فرق نہین ہے ۔ سب شادیون کی ابتدا
منگنی سے ہوتی ہے جو کئی سال یا کئی مہینہ یا کئی ہفتہ رہتی ہے ۔ اور نکاح نا بالغون مین بھی اور بالغون
مین بھی باہم کر دیا جاتا ہے ۔

عموماً نکاح دولھن کے باپ یا ولی کے گھر مین بموجودگی وکلا طرفین (اگر کوئی ہو) اور مہمانون کے
ہوتا ہے اور بعض مہمانون کی گواہی نکاح نامہ پر لکھدی جاتی ہے ۔ اِس دستاویز مین وہ تمام شرائط
جنکی پابندی کا اقرار ناکح نے کیا ہے اور تعداد مہر اور اُسکی ادائی کی صورت اور امور متعلقہ حراست
اولاد اور اَور ایسے ہی امور درج کیے جاتے ہین ۔ اور اُسپر دولھا اور دولھن کے اولیاء شرعی اور
وکلا (اگر کوئی ہو) کی شہادت لکھی جاتی ہے ۔ معزز خاندانون مین بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ایسی ایک
دستاویز جسمین شرائط نکاح درج ہون نہ تحریر کرالیجائے علی الخصوص پہلی شادی مین اور جب طرفین
کفو یا ہم حشیم ہون تو ضرور نکاح نامہ لکھوالیا جاتا ہے ۔ اُسکو کابین نامہ بھی کہتے ہین ۔

---

[1] بعض اضلاع بنگالہ مین جو ایکٹ ازدواج اہل اسلام جاری ہے اُسکے بموجب طرفین یا اُنکے ولیون کو نکاح کی رجسٹری
کرانے نہ کرانے کا اختیار ہے ۔ جب یہ بل قانون ہونیکو تھا اُسوقت اِس کتاب کے مولف نے حکام کونسل سے باصرار
عرض کیا تھا کہ نکاح کی رجسٹری کرانے کو جبری کر دینا مناسب ہے مگر اور صاحبون کی رائے غالب آئی ۔ اُسوقت سے یہ
تسلیم کر لیا گیا ہے کہ رجسٹری نکاح کرانے یا نہ کرانے کا اختیار طرفین کو دیدینے سے انتظام عدالت مین بڑی بڑی دقتین
واقع ہوتی ہین ۔ صوبہ الجیرس مین نکاح کو رجسٹری کرانا جبری ہے ۔ ۱۲ منہ

[2] مگر یہ یاد رہے کہ نکاح عرفی بتدریج موقوف
ہوتا جاتا ہے کیونکہ اُسمین فضول خرچی اور اسراف بہت ہوتا ہے ۔ ۱۲ منہ

سنی اور شیعہ کے رسوم نکاح مین عملاً کچھ فرق نہین ہے جیسا سابق مین بیان کیا گیا۔ مگر تفاوتاً ان دونون فرقون کے رسوم ازدواج مین فرق ہے جسکا لحاظ صورت نکاح کا تصفیہ کرنے مین ضرور رکھنا چاہیئے سنیون کے نزدیک نکاح پڑھنے کے پیشتر خطبہ پڑھنا اور اسکے بعد سورۃ الفاتحہ پڑھنا صرف مستحب ہے مگر شیعون کے نزدیک یہ دونون باتین واجب ہین۔ اور انکے نزدیک یہ بھی ہے کہ ابتدا اور انتہا دونون مین دعا پڑھنی چاہیئے اور جو شخص نکاح مین قاضی یا مجتہد کا کام کرتا ہے وہ صیغہ نکاح[1] پڑھنے کے بعد خطبہ اور سورۃ الفاتحہ پڑھتا ہے تاکہ خداوند عالم اس مواصلت مین برکت عنایت فرمائے۔

ہدایہ مین لکھا ہے کہ "نکاح بذریعہ ایجاب وقبول ہوتا ہے اور یہ دونون بصیغہ ماضی بیان کیے جاتے ہین"۔ مگر شیعون کے نزدیک کچھ ضرور نہین ہے کہ طرفین بصیغہ ماضی صیغہ نکاح پڑھین بلکہ جبتک قبول نتیجہ ضروری ایجاب کا ہو اور ناکح کے اذن یا رضامندی کا اظہار کافی طور سے کرے اُسوقت تک وہ شرعاً صحیح وجائز ہے۔

شرع کی اصطلاح[2] مین ایجاب سے یہ مراد ہے کہ متناکحین مین سے ایک کہے کہ مین نکاح کرتا ہون

---

[1] سنی اور شیعہ دونون مین صیغہ نکاح پڑھا جاتا ہے۔ صیغہ اقرار زبانی معاہدہ نکاح کا نام ہے اور ایجاب وقبول کے بعد چند مقدس ومتبرک کلمات مین پڑھا جاتا ہے تاکہ نکاح کامل ہو جائے اور قابل تنسیخ نہ باقی رہے۔ ۱۲ منہ [2] شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۲۔ جامع الشتات ۱۲۔ منہ [3] شیعون مین نکاح کی ترکیب یہ ہے کہ پہلے مقدار مہر باہم طے کر لیجاتی ہے اسکے بعد عورت کا وکیل گھر کے اندر جاکر عورت سے پوچھتا ہے کہ فلان شخص کے ساتھ تمہارا عقد اتنے مہر پر کیا جاتا ہے تم راضی ہو۔ جب وہ اقرار کر لیتی ہے تو مرد سے اسکا وکیل پوچھتا ہے کہ فلان عورت کے ساتھ تمہارا عقد اتنے مہر پر کیا جاتا ہے تم نے قبول کیا۔ جب وہ قبول کر لیتا ہے تو مرد کا وکیل یہ خطبہ پڑھتا ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا وصہرا وکان ربک قدیرا۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ الطاہرین۔ وبعد فقد قال اللہ تبارک وتعالی وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ واللہ واسع علیم۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم النکاح سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی وقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تناکحوا

اور قبول سے یہ مراد ہے کہ دوسرا کہے کہ مین نے نکاح کو قبول کیا۔

سنیون کے نزدیک عقد لفظ نکاح یا تزویج (انکحت، زوجت) کے استعمال سے ہوسکتا ہے کہ ان الفاظ کے معنے صریح و واضح ہین۔ یا لفظ ہبہ (وہبت) یا تملیک (ملکت) یا بیع (بعت) کے استعمال سے بھی ہوسکتا ہے کہ یہ الفاظ ضمنا تزویج پر دلالت کرتی ہے۔

مگر شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ نکاح صحیح جبھی ہوتا ہے کہ جب لفظ نکاح یا تزویج استعمال کیا جائے (کہ یہ الفاظ ہی نکاح پر دلالت کرتے ہین) اور انکے نزدیک جو نکاح اور الفاظ سے پڑھا جائے وہ باطل ہے۔ مگر جب نکاح ایسے الفاظ سے پڑھا گیا ہو جو شیعون کے مذہب مین جائز نہین ہے مگر

تناسلوا تکثروا فانی اباھی بکم الامم یوم القیامۃ ولو بالسقط اسکے بعد صیغہ پڑھے جاتے ہین تین صیغے ایجاب کہ عورت کا وکیل پڑہتا ہے اور تین صیغے قبول کے اسکے جواب مین مرد کا وکیل پڑہتا ہے۔ (عورت کا وکیل) انکحت موکلتی موکلک علی المھر المعلوم (مرد کا وکیل) قبلت النکاح علی المھر المعلوم (عورت کا وکیل) انکحت و زوجت موکلتی موکلک علی الصداق المعلوم (مرد کا وکیل) قبلت النکاح و التزویج علی الصداق المعلوم (عورت کا وکیل) انکحت موکلتی موکلک علی المھر المعین المعلوم (مرد کا وکیل) قبلت النکاح علی المھر المعین المعلوم۔ پس تیسرے صیغہ کے جواب پر نکاح کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اہل سنت مین نکاح کے خطبے متعدد ہین لکھو کے حنفیہ مین یہ خطبہ متعارف ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ المحمود بنعمتہ المعبود بقدرتہ المطاع بسلطانہ المرھوب من عذابہ وسطوتہ النافذ امرہ فی سمائہ وارضہ الذی خلق الخلق بقدرتہ وامرھم باحکامہ واعزھم بدینہ واکرمھم بنبیہ محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وازواجہ واصحابہ وسلم ان اللہ تبارک اسمہ وتعالت عظمتہ جعل المصاھرۃ سببا لاحقا وامرا مفترضا اوشج بہ الارحام والزم الانام فقال عز من قائل وھو الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا وصھرا وکان ربک قدیرا فامر اللہ تعالی یجری الی قضائہ وقضاؤہ یجری الی قدرہ فلکل قضاء قدر ولکل قدر اجل ولکل اجل کتاب یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب۔ اسکے بعد ایجاب و قبول طرفین سے باواز بلند کرایا جاتا ہے اگر عربی زبان سمجھتے ہون تو عربی مین ایجاب و قبول کرانا مستحب ہے ورنہ ایک بار عربی زبان مین اور دو بار طرفین کی زبان مین اور انکے وکلا ایجاب و قبول کرتے ہین بعد اسکے ناکح کی طرف متوجہ ہوکر کہا جاتا ہے بارک اللہ لک وبارک اللہ علیک وجمع بینکما فی الخیر سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔ اسکے بعد

اوسکی تکمیل یعنی زفاف ہوگیا ہو تو ایسے نکاح سے تمام اوصاف اور تکالیف نکاح شروع کے شرعاً متعلق کیے جائینگے[1]۔

سنی اور شیعہ دونوں کا اتفاق اس مسئلہ میں ہے کہ لفظ اجارہ یا لفظ عاریت[2] استعمال کرنے سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ نکاح المتعہ (اہل سنت کے نزدیک) قطعاً باطل اور حرام ہے۔

سنیوں[3] کے مذہب میں ایجاب کو قبول پر مقدم ہونا چاہیے تاکہ متناکحین کا ارادہ بخوبی ظاہر ہوجائے۔ مگر شیعوں[4] کے نزدیک یہ ضرور نہیں ہے کہ ایجاب قبول پر مقدم رکھا جائے نکاح زبان سے پڑھا جاتا ہے۔ لیکن اگر مرد یا عورت[5] کونگی ہو تو ایسے اشارات سے بھی نکاح ہوسکتا ہے جنسے دونوں کا منشا خوب سمجھ میں آجائے۔

سب فرقوں[6] کے نزدیک دولھا دولھن کو قبل وقوع عقد دیکھ سکتا ہے۔ گرشرقی رسوم اکثر اس حق کو عمل میں لانے سے مانع ہوتے ہیں اور دولھا دولھن کو عموماً پہلے پہل اسوقت دیکھتا ہے جب اُسکو شادی کے حجرے میں لیجاتا ہے۔ اُن عیوب کو دفع کرنے کے لیے جو اُن قیود سے خواہ مخواہ پیدا ہوتے ہیں جو شرقی رسوم و دستورات کے موافق مرد اور عورت کے باہمی ملاقات وراہ و رسم پر لگادیے گئے ہیں مشاطوں کا دستور نکالا گیا ہے جو شادی کروادیتی ہیں اور دولھا دولھن کے خاندانوں میں قبل شادی کے موافقت پیدا کرتی ہیں۔ مشاطہ کا یہ کام ہے کہ دونوں خاندان کے لوگوں میں ملاقات کرا کے شادی کے شرائط اور جہیز وغیرہ طے کرادیتی ہے اور طرفین کے معاش اور تمول دریافت کرلیتی ہے اور عموماً کارندہ گری اُن لوگوں کی کرتی ہے جنکو اُس شادی سے کچھ تعلق ہوتا ہے۔

[1] صفحہ ۲۶۷۔ النکاح ینعقد بلفظ النکاح والتزویج کان علی وجہ الخبار عن الماضی نحو ان تقول المرءۃ زوجت نفسی منک بکذا بمحضر من الشہود فیقول الرجل قبلت ۔۱۲ منہ [2] شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۳۔ مفاتیح ۱۲ منہ [3] زمانہ جاہلیت میں یعنی قبل شیوع اسلام ایسا نکاح جائز سمجھا جاتا تھا مگر شریع نے اسمیں حرام کردیا رومیوں میں بھی نکاح العاریت کا رواج تھا۔ ۱۲ منہ [4] فتاوی عالمگیری صفحہ ۳۰۹ ۔۱۲ [5] جامع الشتات شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۲ ۔ ۱۲ منہ [6] جامع الشتات ۔ ۱۲ منہ [7] درالمختار صفحہ ۱۹۶ ۔ فرزان صاحب کی کتاب بعنوان العرب صفحہ ۲۰۵ ۔

رضامندی

کوئی معاہدہ کامل نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ طرفین اسکی حقیقت کو سمجھکر اپنی رضامندی نہ ظاہر کرین - پس معاہدہ نکاح سے بھی رضامندی طرفین سمجھی جاتی ہے - اور جب طرفین ایک دوسرے کو دیکھ سکین اور برضا و رغبت خود نکاح کا اقرار کرلین اور ایسا اقرار کرنے کے قابل بھی ہون تو ایسے نکاح کے جواز مین کچھ شک و شبہ نہیں ہوسکتا - مگر چونکہ مشرقی عورتین عموماً پردہ مین رہتی ہین اور اپنی شادی کے امور مین اپنی خاص مرضی کو عمل مین لانے مین بڑی بڑی دقتین انکو پیش آتی ہین لہذا شرع محمدی مین وہ اصول تفصیلاً لکھدیے گئے ہین جنسے عورتین نہ صرف اپنے اولیا کی حرص و طمع سے اپنے تئین بچا سکتے ہین بلکہ کچھ اختیار اپنے شوہرون کو پسند کرلینے کا بھی رکھتے ہین -

مثلاً جب مرد بالغ یا زن بالغہ کی طرف سے نکاح پڑھا جاوے تو ایسے نکاح کے جواز کے لیے ضرور ہے کہ وہ شخص اپنی رضامندی ظاہر ہے - یا یون کہیے کہ جو نکاح بغیر اجازت یا بلا رضامندی ناکح یا منکوحہ کیا گیا ہو وہ باطل ہے چاہے کسی شخص نے وہ نکاح کردیا ہو -

حنفیہ اور شیعہ کے نزدیک بالغ و رشیدہ اور صحیح العقل عورت اپنا نکاح کرلینے کی قابلیت مطلق رکھتی ہے - شیعون کے احکام اس باب مین بہت صریح و واضح ہین - انکے یہان یہ حکم ہے کہ بالغہ رشیدہ کے نکاح مین کسی ولی کی ضرورت نہین ہے - ہدایہ مین بھی یہی قول لکھا ہے کہ بالغ اور صحیح العقل عورت کا نکاح خود اسکی رضامندی سے ہوسکتا ہے گو اسکے اولیا نے اسکا نکاح نہ کردیا ہو یا نہ منظور کیا ہو اور خواہ وہ عورت باکرہ ہو خواہ ثیبہ[1][2] -

شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک بھی باکرہ رشیدہ کی رضامندی اسکے جواز نکاح کو لازم ہے بلکہ لازم ہے جسطرح حنفیہ اور شیعہ کے نزدیک ہے مگر وہ اپنا نکاح بلا وساطت ولی نہین کرسکتی -

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۰۵ فتاوائے قاضیخان صفحہ ۱۰۴ - شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۲ - ۲۶۳ - ۱۲ منہ

[2] ہدایہ کا ترجمہ انگریزی صفحہ ۹۵ - ۱۲ منہ

شافعیہ کے نزدیک عورت خود اپنے نکاح کی اجازت نہین دے سکتی - بلکہ اُسکے ولی شرعی کا ہونا جواز نکاح کو لازم ہے - شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک ولی کی وساطت اِسلیے درکار ہے کہ یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ عورت نکاح کی حقیقت سمجھنے کے قابل نہین ہے یعنی شرائط نکاح اور دیگر امور متعلقہ تزویج نہین سمجھ سکتی مبادا کوئی - بے ایمان آدمی اسکو فریب دیکر خراب کرے یا وہ ایسے شخص سے نکاح کرلے جو اخلاق یا خاندان کے لحاظ سے اُسکا شوہر ہونے کے قابل نہو -

چونکہ شرع مین ولی سے اہم اور مختلف فرائض متعلق کیے گئے ہین لہذا علماے اہل سنت نے خاص اِس مسئلہ کی تحقیق کی ہے کہ حق ولایت کس ترتیب سے اُن اشخاص کو حاصل ہے جو اِس حق کے مستحق ہین -

ترتیب ولایت کے باب مین اہل سنت کے فرقے متفق نہین ہین - حنفیہ کے نزدیک حق ولایت سب سے پہلے عصبات کو بترتیب وراثت حاصل ہے بعد اُسکے مان اور بہن اور اقربا مادری کو اور سب کے بعد قاضی کو -

شافعیہ کے نزد ترتیب ولایت یہ ہے - باپ - دادا - بیٹا - (پہلے شوہر سے) - برادر عینی - برادر علاتی - بھتیجا - چچا - چچازاد بھائی - معلم - اور سب کے بعد قاضی - پس اُنکے نزدیک اقربا مادری بالکل ولایت سے خارج ہین -

مالکیہ نے اِس بات مین شافعیہ سے اتفاق کیا ہے کہ خدمت ولایت مردون کے سپرد کی ہے مگر ترتیب ولایت کسی قدر مختلف اُنھون نے اختیار کی ہے - یعنی اُنھون نے پہلا درجہ اُس عورت کے بیٹون کو (جو پہلے شوہر سے ہون) بخشا ہے اور دوسرا درجہ اُسکے باپ کو

لہ بمبئی کے بوہرے اور میمن اکثر شافعی ہین اور خوجے جو آغا خان کے مرید ہین اسمٰعیلیہ ہین اور اُنکے رسوم علحدہ ہین جو شرع محمدی کے احکام سے اختلاف عظیم رکھتے ہین اور ہنود کی خانستر اور رسوم سے مشابہ ہین -
ہائی کورٹ بمبئی کے فیصلجات بمقدمہ دشیری حسن بنام دتو ماجی خوجہ اور ہیرابائی بنام گوربائی لا رپورٹ جلد ۱۲ سلسلہ بمبئی صفحہ ۲۸۱ و ۲۹۴ - ۱۲ منہ -

بعد اُسکے برادر عینی اور بھتیجے اور دادا اور چچا اور چچا زاد بھائی در عاقل کو علی الترتیب اور ان سب کے بعد قاضی کو
شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک چونکہ ولی کا ہونا ہمیشہ صحت نکاح کے لیے ضرور ہے لہذا اس
مسئلہ مین دو قول پیدا ہو گئے ہین - ایک قول یہ ہے کہ ولی کو بالکل شرع سے اختیارات حاصل
ہوئے ہین لہذا نہ صرف ولی کا نکاح مین موجود ہونا ضرور ہے بلکہ اجازت نکاح مین بھی اُسکا شریک
ہونا واجب ہے - پس اِس قول کے موافق جو نکاح ولی بعید کے ذریعہ سے ہوا ہو درحالیکہ اُس سے
قریب کوئی ولی موجود ہو وہ صرف ناجائز ہی نہین ہے بلکہ ولی قریب بعد وقوع نکاح اجازت دیکر
اُس نکاح کو جائز نہین کرسکتا جو پیشتر بغیر اُسکی رضامندی کے کرلیا گیا ہو -

مگر یہ سخت مسئلہ کسی گروہ مین جو شافعی یا مالکی طریق رکھتا ہے جاری نہین ہے
دوسرا قول پہلے قول کی نقیض ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ شیخ زیادہ نے اس قول کو امام
مالک کا قول کہدیا تھا -

اِس قول کے موافق یہ ہے کہ حق ولایت تو بیشک شرع نے ولی کو بخشا ہے مگر وہ حق اُس
اختیار کے بموجب عمل مین لایا جاتا ہے جو عورت نے ولی کو عطا کیا ہے اِسواسطیکہ جب عورت
اپنے باپ کے اختیار سے نکل گئی ہو تو پھر وہ اپنے افعال کی خود مالک اور مواخذہ دار ہے پس
امور تزویج مین صرف اُس سے مشورہ ہی نہ لینا چاہیئے بلکہ اُسکو اختیار ہے کہ جس شخص کو چاہے
اپنا ولی اور اپنے حقوق شرعیہ کا حافظ مقرر کرے - اگر وہ ولی قریب کو اپنا دشمن یا بدخواہ سمجھتی
ہے تو کسی عزیز بعید کو ولی مقرر کرسکتی ہے کہ اُسکے نکاح مین اُسکی طرف سے کارروائی کرے -
اِس قول کے موافق ولی اُس عورت کے وکیل کے طور پر کام کرتا ہے اور سب اختیارات ولایت
اُس سے حاصل کرتا ہے اور اسی کے فائدہ کے لیے کام کرتا ہے -

سلہ محمد عاصم کی کتاب النکاح - کتاب الانوار - ہدایہ کتاب ۳ - باب ۲ مین لکھا ہے کہ امام مالک اور امام شافعی کا
قول ہے کہ عورت کسی حال مین اپنا نکاح خود نہین کرسکتی نہ باجازت ولی نہ بلا اجازت ولی نہ وہ اپنی بیٹی یا لونڈی غلام کا
نکاح کرسکتی ہے اور کسی کی وکیل نکاح بن سکتی ہے - ۱۲ منہ

یہ قول الکرخی اور ابن القاسم اور ابن سلیمان نے اختیار کر لیا ہے اور صدر الجہبر نے فاضیون نے چند متواتر فیصلون مین اسکی تائید لکھی ہے ۔

جب وہ ولی جسکو بترجیح دیگر اشخاص حق ولایت حاصل ہو غیر حاضر ہو اور یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کہان ہے یا جب وہ قید ہو یا غلام بنا ڈالا گیا ہو یا جب وہ اُس مقام سے جہان وہ عورت رہتی ہو دس روز کی راہ پر ہو یا مجنون یا نابالغ ہو تب ولایت اُس شخص کو ملیگی جو اُسکے بعد مستحق ولایت ہو۔

حنفیہ کے نزدیک عورت ہمیشہ اسکی مستحق ہے کہ بلا واسطت ولی اپنے نکاح کی اجازت دے اور جب ولی مقرر ہو کر اُسکی طرف سے نکاح مین کارروائی کرتا ہے تو اُسکی نسبت ہمیشہ یہی گمان کیا جاتا ہے کہ اُسکو اختیارات ولایت صرف اُسی عورت سے حاصل ہوے ہین پس وہ کسی امر مین اُس اجازت یا ہدایت کے خلاف کوئی کارروائی نہین کر سکتا جو اُس عورت سے اُسکو حاصل ہوئی ہے۔

جب عورت اپنے ولی کو اجازت دیدے کہ کسی خاص شخص کے ساتھ اُسکا نکاح کر دے یا کسی خاص شخص کے ساتھ اپنا نکاح کرنے سے رضامندی ظاہر کر چکی ہو تو ولی کو یہ اختیار نہین ہے کہ اُسکا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ کر دے۔

شیعون کے نزدیک بالغہ رشیدہ خود اپنا نکاح کر سکتی ہے اور کسی وکیل یا درمیانی آدمی کی ضرورت نہین رکھتی ہے جسکے ذریعہ سے وہ اپنی رضامندی ظاہر کرے۔ چنانچہ شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ ووہ اگر کسی عورت کے اولیا اُسکی خواہش کے موافق اُسکے کفو یا ہم چشم سے اُسکا نکاح نہ کرین تو اسمین کچھ شک نہین ہے کہ وہ اُنکی مرضی کے خلاف خود اپنا نکاح کر لینے کی مستحق ہے۔

شیعہ اور حنفیہ اس مسئلہ مین متفق ہین کہ معاہدہ نکاح مین عورتین اورون کی وکالت یا قائم مقامی کر سکتی ہین۔ چنانچہ شرائع الاسلام (صفحہ ۲۶۶) مین لکھا ہے کہ ووہ کہ معاہدہ نکاح مین زن بالغہ و صحیح العقل کے کلام کا لحاظ رکھنا ضرور ہے۔ لیکن وہ صرف اپنا ہی نکاح کر لینے کی

---

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۰ ۔ ۱۲ منہ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۰ و ۴۲ ۔ ۱۲ منہ [3] شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۳

[4] یعنی باپ اور دادا کہ شیعون کے نزدیک یہی دو ولی الجبر ہین ۔ ۱۲ منہ

مجاز نہین ہے بلکہ دوسرے شخص کی طرف سے بھی وکالتاً ایجاب وقبول کرسکتی ہے ،، ما
مفاتیح اور جامع الشتات مین بھی لکھا ہے کہ ''یہ ضرور نہین ہے کہ وکلا ے متناکحین مرد
ہون کیون کہ ہم شیعون کے نزدیک عورتون کی وکالت یعنی اُنکے ذریعہ سے نکاح ہونا بھی جائز ہے
اختلافات مصرحہ بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک زن بالغہ کا نکاح صحیح نہین ہے
تاوقتیکہ اُسکی رضامندی نہ حاصل کیجائے اور یہ رضامندی کسی ولی مجاز کے ذریعہ سے حاصل کرنی چاہیے
جو اُسکی طرف سے وکالتاً اُسکا نکاح کردے۔ مگر شیعہ[1] اور حنفیہ کے نزدیک عورت اپنے نکاح سے
خود رضامندی ظاہر کرسکتی ہے خواہ بوساطت خواہ بلا وساطت ولی۔

رضامندی صریحی یا ضمنی

رضامندی الفاظ صریح سے یا ضمناً دونون طرح ظاہر ہوسکتی ہے۔ جس عورت کا نکاح
ایک مرتبہ ہوچکا ہو یا جو نکاح کی حقیقت سے واقف ہو اُسکی رضامندی صریحی حاصل کرنی چاہیے
لیکن جب یہ صورت نہو یعنی عورت باکرہ ہو تو سب فرقون کے فقہا کا اجماع ہے کہ مسکرا دینا یا
ہنس دینا یا خاموش رہنا رضامندی ضمنی سمجھی[2] جائیگی۔

فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ ''جب باپ اپنی بیٹی سے اُسکے نکاح کے پیشتر استصواب کرے
اور کہے کہ مین تیرا نکاح کرنے والا ہون مگر مہر یا شوہر کا نام نہ بیان کرے اور لڑکی خاموش رہے
تو اِس صورت مین خاموشی رضامندی ہوگی اور لڑکی کو اختیار ہوگا کہ بعد ازآن اُس
نکاح کو منسوخ کردے،،

---

[1] جب عورت بالغہ و رشیدہ ہو تو کوئی اُسکا ولی ہونے کا حق نہین رکھتا ہے مگر عورت کو مناسب اور زیبا بھی ہے
کہ اپنے باپ یا دادا کو اجازت دے کہ شرائط نکاح طے کرلین ۔ اگر اُسکا باپ یا دادا نہ ہو تو بہتر ہے کہ اپنے بھائی کو
اپنی طرف سے کارروائی کرنے کے لیے مقرر کردے،، جامع الشتات ۔ ۱۲ [2] باکرہ کے نکاح مین اُسکی رضامندی
اُسکی خاموشی سے سمجھ لیجائیگی مگر جو عورت باکرہ نہ ہو اُسکو یہ تکلیف ضرور دینی چاہیے کہ اپنی رضامندی کلام سے
ظاہر کرے ۔ شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۵ ۔ جب وہ ولی جسکو نکاح کردینے کا اختیار دیا گیا ہے باکرہ بالغہ سے
اُسکے نکاح کی اجازت طلب کرے پس اگر وہ مسکرا دے یا خاموش رہے تو یہی اُسکی رضامندی ہے ۔ اسو سے الکہ

رضامندی اُسوقت جائز نہین ہے جب کوئی عورت کسی ہفت بیماری مین مبتلا ہو جسمین اُسکی جان کا اندیشہ ہو۔ اِس امر کو الجیرس کی عدالت العالیہ نے ۹ - نومبر ۱۸۶۳ع کو طے کر دیا تھا اُس مقدمہ مین معلوم ہوا کہ ایک شخص طیب نامی نے ایک عورت زہرہ نامی کے ساتھ اس عالم مین عقد کیا تھا جب اُسکو دق کا آخری درجہ شروع ہو چکا تھا۔ نکاح کے چار ہی مہینہ کے بعد وہ عورت مر گئی۔ جب طیب نے زہرہ کی جائداد پر حقوق شوہری کا دعوی کیا تو الجیرس کے قاضی نے اُسکو ڈگری دی۔ مگر اپیل مین قاضی کا حکم منسوخ ہو گیا اور وہ نکاح ناجائز قرار دیا گیا۔

ایم پورڈلنس لاسیلس صاحب (عالم فرانسیسی) کے نزدیک یہ امر مشکوک ہے کہ آیا نکاح شرعی ایجاب و قبول بموجودگی گواہان کا نام ہے یا ایسے ایجاب و قبول کو صرف منگنی کے طور پر سمجھا چاہیئے۔ مگر اسمین کچھ شک نہین ہے کہ تمام فقہاے اسلام کے نزدیک نکاح اُسوقت کامل ہے جبکہ ایجاب کے جواب مین قبول کیا جائے۔

منگنی کا رسم گو ہندوستان مین ہے مگر شرعًا واجب نہین ہے۔ جب معاہدہ نکاح کی تکمیل عقد سے نہوئی ہو اور صیغہ نہ پڑھا گیا ہو تو ایسا نکاح نافذ نہین ہو سکتا۔

پس شرع محمدی کے رو سے اقرار نکاح کے خلاف ورزی کی نالش نہین ہو سکتی۔ بلکہ جب عقد ہو چکے اور تکمیل معاہدہ فی الواقع ہو چکی ہو تب ہی شوہر یا زوجہ حقوق زوجیت دلا پانے کی نالش کر سکتی ہے۔

شہادت

شیعون کے مذہب مین جواز نکاح حضوری گواہان پر موقوف نہین ہے مگر حنفیہ[1] کے نزدیک

۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ باکرہ سے استصواب ہر بات مین کرنا چاہیئے جو اس سے متعلق ہو اور اگر وہ خاموش رہے تو رضامندی سمجھی جائیگی اور اُسکی رضامندی فرض کر لینی چاہیئے کہ وہ شرم کے مارے زبان سے نہین کہہ سکتی اور خاموشی سے بھی زیادہ ہنسنا دلیل رضامندی کی ہے برخلاف رو دینے کے جو نا رضامندی کی دلیل ہے۔ بعض علما کا قول ہے کہ اگر ہنسی مضحکہ یا توہین کی راہ سے ہو تو وہ رضامندی نہین ہے۔ ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۹۷ — فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۰۰ — ۱۲ منہ [1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۷۹ — ۱۲ منہ —

گواہوں کا ہونا جواز نکاح کی شرط ہے - اور یہ ضرور ہے کہ نکاح کے وقت گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے
بلکہ یہ بھی لازم ہے کہ وہ شرائط نکاح سے واقف ہوں - اور یہ بھی ضرور ہے کہ گواہ اُن اشخاص کی
شناخت کر سکیں جنھوں نے ایجاب و قبول کیا ہے - اگر کوئی عورت ایسی پوشیدہ یا نقاب پوش
ہو کہ کوئی گواہ اسکو نہ پہچان سکے اور یہ نہ کہہ سکے کہ اُس کمرہ میں اُسی عورت نے یا اور کسی عورت نے
رضامندی ظاہر کی تھی تو اُنکی شہادت کافی نہوگی -

گواہوں کا ہونا اُسوقت ضرور ہے جبکہ عقد یعنی ایجاب و قبول ہو رہا ہو -
فتاواے عالمگیری میں لکھا ہے کہ وہ یہ بھی شرط ہے[1] کہ گواہ متناکحین کے کلام کو سنیں -
اگر گواہ صرف ناکح یا صرف منکوحہ کے کلام سنیں تو نکاح ناجائز ہوگا - اِسی طرح سے جب
دونوں گواہ طرفین کے کلام کو سنیں مگر علیحدہ علیحدہ سنیں تب بھی نکاح ناجائز ہوگا[1]
اور نکاح شرعًا اُسوقت بھی واجب العمل نہوگا جبکہ ایسے اشخاص کے سامنے پڑھا جاوے جو متناکحین کا
کلام تو سنیں مگر اُنکے الفاظ کے معنی نہ سمجھیں یا اُنکی زبان نہ سمجھتے ہوں -

تاہم شہادت ایسی شرط ضروری نکاح کی نہیں ہے جس سے مفر ممکن نہو - پس اگر کوئی نکاح
ایسے ملک میں ہوا ہو جہاں شرط شہادت جو اہل سنت کے نزدیک معتبر ہے پوری نہو سکے تو وہ
نکاح ناجائز نہوگا - جب شہادت ممکن ہو تاہم نکاح بغیر شہادت کر لیا جائے تب وہ
نکاح ناجائز تصور کیا جائیگا - مگر تب بھی اس نقص کا علاج زفاف ہے -

گواہوں کا معتبر ہونا چار شرطوں سے مشروط ہے - یعنی حریت[2] - سلامت عقل -
بلوغ - اسلام[2] -

---

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۷۳ - فصول عمادیہ - ۱۲ منہ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۷۷ - یہ گواہوں کی
اسلام کی خصوصیت مسلمانوں ہی سے مخصوص نہیں ہے - بلکہ لارڈ کوک صاحب نے فرمایا ہے کہ کافر اسوجہ سے
معتبر گواہ نہیں ہو سکتا کہ سب کفار قانونًا عداوت رکھتے ہیں کیونکہ اُنمیں باہم ہمیشہ نفاق رہتا ہے اور کبھی صلح نہیں
رہتی ہے جیسے اُنمیں اور شیطان میں ہمیشہ لڑائی رہتی ہے جسکے وہ بندے ہیں - ۱۲ منہ

مگر جب شوہر مسلم اور زوجہ غیر مسلمہ ہو تو نکاح دو غیر مسلم گواہوں کے سامنے ہو سکتا ہے جو عورت کے ہم مذہب ہوں یا اور کوئی مذہب رکھتے ہوں بشرطیکہ کوئی مانع شرعی شہادت کا انمیں نہ موجود ہو[1]۔

اہل سنت کے نزدیک نکاح کے گواہوں کا عادل ہونا شرط نہیں ہے۔ پس اُن گواہوں کی شہادت تسلیم کیجائیگی جو جرم یا سزا یافتہ ہوں یا عیب غیبت یا زنا محصنہ یا غیر محصنہ سے متہم ہو چکے ہوں بہرے آدمی گواہ ہونے کے قابل اسوجہ سے نہیں ہیں کہ طرفین کا کلام نہیں سن سکتے۔ حنفیہ کے نزدیک اندھوں[2] کی گواہی نکاح میں جائز ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہے مگر صرف عورتوں ہی کے سامنے نکاح نہیں ہو سکتا۔ مالکیہ کے نزدیک سب گواہوں کا مرد ہونا ضرور[3] ہے۔ اگرچہ شرعاً دو ہی گواہوں کا ہونا نکاح میں شرط ہے بشرطیکہ دونوں مرد ہوں اور خلفاے راشدین رض ہمیشہ نکاح شرعی کرتے تھے مگر خاص کر ہندوستان کے مسلمانوں میں کثر ایسے شرعی اور بے نمایش شادیاں ہوتی ہیں جنمیں دو گواہوں سے زیادہ[4] نہ موجود ہوں۔

سنی اور شیعہ دونوں کے نزدیک ایجاب تحریراً اور وکالتاً دونوں طرح سے ہو سکتا ہے۔ لکن جب ایجاب تحریری ہو تو سنیوں کے نزدیک ضرور ہے کہ عورت اپنی رضامندی دو گواہوں کے سامنے ظاہر کرے جنکے سامنے وہ تحریر دیکھائے اور جو اسکے مضمون سے واقف[5] ہوں اسی طرح سے جب ایجاب وکالتاً کیا جائے تو گواہ

---

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۷۷ ۔ فتاواے قاضی خان صفحہ ۳۸۰ ۔ فصول عمادیہ دیکھو نکاح المسلم الذمیۃ بشہادۃ الذمیین قاضیخان ۔ ۱۲ منہ [2] فتاواے قاضیخان صفحہ ۳۸۰ ۔ فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۷۷ ۔ ۱۲ منہ [3] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۲۴ ۔ فتاواے قاضیخان صفحہ ۳۸۰ ۔ فتاواے عالمگیری ۳۷۸ ۔ ۱۲ منہ

[4] شیعوں کے نزدیک پوشیدہ اور بغیر گواہوں کے نکاح کر لینا جائز ہے مگر شہادت باقی رکھنے کا حکم ہے تاکہ تنازعات ہونے پائیں جامع الشتات ۱۲ منہ [5] فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۸۰ ۔ فتاواے قاضیخان صفحہ ۳۸۱ و ۳۸۲ ۔ ۱۲ منہ ۔

ایجاب کی خبر دیتی ہوئے اور رضامندی ظاہر کرتی ہے فیہو نین۔ وکیل کو بالغ ہونا کچھ ضرور نہین ہے۔

وکلاء نکاح

سُنی اور شیعہ دونون کے نزدیک نکاح وکلاء کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔ اور اُنکو مقرر کرنے کے لیے گواہ درکار نہین ہین اور اُنکے اختیارات سے وہی احکام شرع متعلق ہین جو اور معاہدات مین جاری ہوتے ہین۔ اگر دو شخص بالمشارکت کام کرنے کے لیے مقرر کیے گئے ہون تو اُنمین سے ایک بالانفراد کام نہین کر سکتا۔ اگر کوئی وکیل اپنے اختیارات سے تجاوز کرے تو جو معاہدہ اُسنے کیا ہے وہ جائز نہوگا تاوقتیکہ موکل اُسکی تصدیق نہ کر دے۔ وکیل کو شرعاً جائز نہین ہے کہ اپنی موکلہ کا نکاح اپنے ساتھ یا اپنے کسی رشتہ دار کے ساتھ کرے الّا اسیکہ خود اُسکی موکلہ نے اُسکو ایسا کرنے کا اختیار دیا ہو۔ یہی قاعدہ اُس عورت کے باب مین بھی جاری ہوگا جو کسی مرد کی وکالت کرے۔ وہ اُس مرد کا نکاح اپنے کسی عزیز کے ساتھ نہین کر سکتی الّا اسیکہ موکل نے اجازت خاص دی ہو۔ اگر کوئی وکیل نکاح اپنے موکل یا موکلہ کی نسبت بدنیتی سے کارروائی کرے یا اُسکی ضرر رسانی کے لیے کارروائی کرے یعنی اُسکا نکاح کسی غلام یا خنثی یا مجنون وغیرہ کے ساتھ کر دے تو وہ نکاح ناجائز ہوگا۔

شخص غیر مجاز (فضولی) دوسرے شخص کا عقد کر سکتا ہے مگر ایسا عقد شرعاً جائز نہوگا تاوقتیکہ متناکحین اُسکی تصدیق نہ کر دین۔

شیعون کے مذہب مین ہر شخص جو کسی بالغہ رشیدہ کی طرف سے کوئی کارروائی کرے وکالت فضولی کرتا ہے تاوقتیکہ اُسکی اجازت خاص اُس عورت سے نہ حاصل کر لے۔

شرائط نکاح

اگرچہ اقرار نکاح شرع محمدی مین غیر موثر ہے تاہم اگر وقوع نکاح کے بعد [illegible] کر لیجائے

سلہ فتاوا سے قاضیخان صفحہ ۲۳ — جامع الشتات ۲ صفحہ جامع الشتات ۲ صفحہ [illegible] مسلمان انگلستان [illegible] کسی عورت سے شادی کا اقرار کرے تو غالباً اس سے وہی نتائج پیدا ہونگے کہ گویا وہ مسلمان [illegible] صفحہ ۲۰

کہ ایک مدت معینہ منقضی ہونے تک زفاف نہوگا تو ایسی شرط کرنا شرعاً جائز ہے - نابالغوں[1]
کے نکاح میں ایسی شرط ہمیشہ رہجاتی ہے حالانکہ اس قسم سے شرائط کرنا شرعاً کچھ ضرور نہیں ہے
اسواسطے کہ مسلمان شوہر حقیقی زوجہ کی ذات کی حراست کا مستحق اُسکے بلوغ[2] تک نہیں ہے -

شرائط نکاح جائز اور ناجائز دونوں ہوسکتے ہیں - ناجائز شرائط وہ ہیں جو نکاح کے
جواز میں مخل ہوں اور اُسکو باطل کردیں تاوقتیکہ زفاف وقوع میں نہ آئے - جب زفاف
ہوجائے تو صرف وہ شرط باطل ہوجائیگی -

سنیوں[3] کے نزدیک وہ شرط ناجائز ہے جو بقاے نکاح کو ایک مدت مخصوصہ پر محدود
کردے - ایسے چند روزہ شادیاں (نکاح موقت) زمانہ جاہلیت کے دستورات کے موافق
جائز تھیں اور جب شریعت اسلامیہ جاری ہوئی اُسوقت یہود اور مشرکین عرب دونوں میں برابر[4]
رائج تھیں اور ایسی شادیاں عیسائی قوموں میں بھی ہوتی تھیں مکہ معظمہ میں داخل ہونے کی تین روز[5]
بعد رسول اللہ صلعم نے ایسی شادیوں کی ممانعت[6] فرمائی اور فرمایا کہ نکاح موقت اصول
اسلام کے خلاف ہے -

شیعوں میں فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے نزدیک نکاح موقت یا متعہ جائز ہے اُنکے نزدیک
نکاح الدائم اور نکاح الموقت دونوں کی شرائط ایکسی ہی ہیں - صرف فرق[7] اتنا ہے کہ نکاح
دائمی مہر کا ذکر نہ کرنے سے فی نفسہ باطل ور ناجائز نہیں ہوجاتا اگر متعہ باطل ہوجاتا ہے
اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ اگر نکاح موقت ہو کر زفاف بھی ہوجائے تو وہ نکاح
دائمی کا حکم رکھیگا -

زمانہ جاہلیت میں مشرکین عرب کا یہ بھی دستور تھا کہ اپنی بیٹیوں اور عورتوں کی شادیاں

---

[1] نظیر مقدمہ خدیجہ بی بی لا ریورٹ سلسلہ بنگالہ صفحہ ۳۰۵ - [2] منہ [3] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۰ و [4] منہ
[5] صحیح بخاری - مشکات المصابیح - مثلاً اگر کوئی مرد کسی عورت سے دو گواہوں کے سامنے دس روز کا
میعادی نکاح کرلے تو ایسا نکاح موقت باطل ہے ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۹ - [6] منہ [7] مفاتیح - منہ

بالمبادلہ کرتے تھے یعنی ایک عورت دوسری کے مہر مین دیجاتی تھی۔ اس قسم کا نکاح نکاح الشغار کہلاتا تھا ایک حدیث صحیح مین جو سب فرقون کے نزدیک معتبر ہے آیا ہے کہ پیغمبر خدا صلعم نے ایسے نکاح کی ممانعت فرمائی۔ شیعہ اور مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک ایسا نکاح ناجائز ہے تا وقتیکہ زفاف ہو جائے اور جب زفاف ہو جائے تو مہر کی شرط باطل ہو جائیگی اور مہر المثل اس عورت کا قرار دیا جائیگا۔ مگر حنفیہ[1] کے نزدیک اس قسم کا نکاح جائز ہے اور وہ کہتے ہین کہ ایسے نکاح مین ابتداہی سے مہر المثل فرض کر لیا جائیگا۔

جو شرائط نکاح اخلاق عامہ کے خلاف ہون وہ باطل ہین گو اُنکے بطلان سے جواز نکاح مین نہین فرق آتا۔ مثلاً ایسی شرط باطل ہے کہ شوہر اسکا مستحق ہوگا کہ اپنی زوجہ کو مقامات فسق وفجور مین جانے سے مانع ہو۔ اسی طرح اگر کوئی عورت اپنے نان ونفقہ سے دست بردار ہو جائے تو ایسی شرط شرعاً باطل اور کالعدم ہوگی۔

منجملہ شرائط جائزہ نکاح کے شرائط ذیل بھی ہین

(الف) یہ شرط کہ شوہر زوجہ کی حیات مین دوسرا عقد نہ کریگا۔

(ب) یہ شرط کہ شوہر زوجہ کو بغیر اُسکی رضامندی کے اس مقام سے جہان نکاح ہوا تھا دوسری جگہ نہ لیجائیگا۔

(ج) یہ شرط کہ شوہر ایک میعاد معین سے زیادہ اپنے گھر سے غائب نہ رہیگا۔

(د) یہ شرط کہ شوہر اور زوجہ کسی خاص مقام پر رہینگے۔

(ہ) یہ شرط کہ ایک جزو مہر فوراً یا ایک میعاد معین کے اندر ادا کیا جائیگا اور باقی ماندہ اُسوقت دیا جائیگا کہ جب فسخ نکاح بسبب موت یا طلاق وقوع مین آئے۔

[1] ہدایہ صفحہ ۱۳۰ ا۔۔۔ ۱۲ امتہ سنہ ۵۲ سلطان ملک شاہ سلجوقی نے یہ شرط پہلے خلیفہ مہدی عباسی سے کر کے اپنی بیٹی کا عقد اُس سے کر دیا۔ وان ہیمیر صاحب کی تاریخ دولت عثمانیہ جلد ۳ صفحہ ۱۷ ا۔ ادن تاریخ و معارف۔ ۱۵ مقدمہ سوپو فوبی بی بنام فیض بخش لا رپورٹ جلد ۵ اسلسلہ بنگالہ صفحہ ۵ ملاحظہ ہو۔ بعض علماء امامیہ کے نزدیک یہ شرط جائز نہین ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ ایران مین بھی جہان مذہب امامیہ جاری ہے یہ شرط اکثر کر لیجاتی ہے۔

(ز) یہ شرط کہ شوہر زوجہ کو ایک مقدار معین گذارہ کی دیگا۔

(ح) یہ شرط کہ شوہر زوجہ کے پہلے شوہر کے لڑکون کی پرورش کریگا۔

(ط) یہ شرط کہ شوہر زوجہ کو اپنے رشتہ دارون سے ملنے کو منع نہ کریگا۔

چونکہ یہ سب شرائط قبل وقوع نکاح ہوجاتی ہین اور نکاح کے معاوضہ مین کیے جاتے ہین لہذا یہ سب شرعاً جائز اور لائق نفاذ ہین۔

جواز نکاح کے لیے یہ ضرور بہتر ہے کہ شرائط نکاح قلمبند کرلیے جائین اور ایجاب و قبول ایک باضابطہ دستاویز مین لکھ لیا جائے۔ تاہم ہمیشہ یہ صحیح سمجھا جاتا ہے کہ یہ شرائط نکاح نامہ مین درج کیے جائین۔ خلفا مین سے خاص کر ہارون الرشید نے سب مسلمین کو جو اسکی رعایا تھے حکم دیا کہ اپنے نکاحون کی تصدیق قاضیون کے سامنے کردین۔ اور صوبہ الجیریا مین نکاح نامہ قانوناً رجسٹری ہوکر اسکی نقل قاضی کے محکمہ مین رکھی جاتی ہے۔

نکاح نامہ جسکو ہندوستان مین کابین نامہ بھی کہتے ہین ہمیشہ عورت ہی پاس رہتا ہے۔ نکاح نامہ زوجہ یا اُسکے ولیون کو حوالہ کردینے کا دستور اسلام کے پیشتر سے چلا آتا ہے اور جن ملکون مین نکاح نامون کے نقول کسی سرکاری دفتر مین نہین رکھی جاتین وہان یہ دستور عورت کے حقوق کے تحفظ کے لیے ضرور ہے۔

خلوت صحیحہ

اکثر صورتون مین نکاح ناجائز وقوع زفاف کے سبب سے جائز ہوجاتا ہے۔ اور چونکہ کل مہر اُسوقت تک واجب الادا نہین ہوتا جبتک کہ زفاف یا وطی حقیقۃً یا مجازاً وقوع مین نہ آئے لہذا مقدمات نکاح مین اکثر مسئلہ زفاف مین بحث کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک زفاف کا گمان اِسوجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ شوہر اور زوجہ خلوت کدہ مین ایسے حالات مین چلے جائین جسسے خواہ مخواہ یہ ظن ہو کہ مباشرت ہوئی خلوت صحیحہ[1] اِسی کو کہتے ہین۔

---

[1] الخلوۃ الصحیحۃ ان یجتمعا فی مکان لیس هناك ما یمنعه فی الوطی حسًا و شرعًا و طبعًا کما و اقاضیخان صفحہ ۲۰۰ فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۲۹ [illegible]

مگر جب کوئی مانع شرعی یا اخلاقی یا جسمانی مباشرت کا موجود ہو تو زفاف یا وطی کا قیاس نہ کیا جائیگا اور خلوت صحیحہ نہ تصور کیجائیگی۔ مثلاً اگر شوہر و زوجہ رمضان کا روزہ رکھتے ہون یا شوہر یا زوجہ کسی ایسے مرض مین مبتلا ہو جو مانع جماع ہو تو خلوت صحیحہ سے زفاف کا گمان نہ پیدا ہوگا۔

مغربی بلاد الاسلام مین خلوت صحیحہ بنا[1] کے نام سے مشہور ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک خلوت صحیحہ کی وہی حقیقت ہے اور وہی نتایج شرعی اُس سے پیدا ہوتے ہین جیسے سیعہ مین دولھن کو بستر شادی پر لیجانے کی رسم سے پیدا ہوتے ہین۔

خلوت صحیحہ سے نکاح کی تکمیل ہو جاتی ہے اور اُسی وقت سے حقوق زوجیت شروع ہو جاتے ہین اور زوجہ کا پورا مہر واجب الادا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فتاوای عالمگیری مین لکھا ہے کہ[3] "ہمارے علما نے خلوت صحیحہ کو بعض نتائج کے اعتبار سے بمنزلہ زفاف یا وطی واقعی کے قرار دیا ہے اور بعض اعتبارات سے نہین قرار دیا ہے۔ اُنھون نے درباب ثبوت مہر اور ثبوت نسب یا ابوت اور پابندی عدت اور زوجہ کے حق نان و نفقہ اور حرمت نکاح انکی خواہر سے ایسا ہی کیا ہے"۔

شیعہ اور شافعیہ[4] کے نزدیک محض خلوت صحیحہ سے کچھ قیاس نہین ہو سکتا بلکہ صرف وطی واقعی سے حقوق و فرائض زوجیت پیدا ہوتے ہین۔

ثبوت نکاح

ثبوت نکاح صریحاً اور ضمناً دونون طرح سے ہو سکتا ہے۔ صریحاً نکاح اسطرح ثابت ہو سکتا ہے کہ جن گواہون کے سامنے نکاح ہوا تھا وہ اُسکے وقوع کی گواہی دین یا شہادت تحریری بصورت نکاح نامہ پیش کیجائے۔

---

[1] اِس لفظ کے معنی لغوی عمارت ہین چونکہ قدیم عرب مین دستور تھا کہ ایک خاص خیمہ نصب کر کے دولھن کو اُسمین لیجا کر رکھتے تھے لہذا دولھا دولھن کی شادی کے حجرہ مین چلے جانے کو بنا کہنے لگے۔ ڈی سیبی صاحب کی تاریخ عرب ملاحظہ ہو۔ [2] منہ کتاب فقہ سیو صفحہ ۱۶۷-۱۶۸ [3] منہ اصحابنا اقاموا الخلوۃ الصحیحۃ مقام الوطی فی حق بعض الاحکام دون البعض فاقاموها مقامہ فی حق تاکد المہر و ثبوت النسب و العدۃ و النفقۃ و السکنی و حرمۃ نکاح اختہا۔ فتاوای عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۴۲۳-۴۲۴ [4] منہ ہدایہ

نکاح شوہر و زوجہ کے بیانات اور انکے باہمی برتاؤ سے ضمناً ثابت ہو سکتا ہے چنانچہ فتاوائے عالمگیری میں لکھا ہے کہ اگر جب کوئی شخص مرد اور عورت کو ایک ہی مکان میں رہتے اور باہم زن و شوہر کا بے تکلفانہ برتاؤ کرتے دیکھے تو اسکو یہ گواہی دینا شرعاً جائز ہے کہ یہ عورت اس شخص کی زوجہ ہے۔

نکاح کے نتائج شرعی

نکاح سے مرد اور عورت کا ہمبستر ہونا جائز ہو جاتا ہے اور شوہر پر مہر ادا کرنا اور جو شرائط قبل از عقد ہوئے ہوں انکو پورا کرنا فرض ہو جاتا ہے اور طرفین کے حقوق وراثت قائم ہو جاتے ہیں اور انمیں قرابت نسبتی حرام ہو جاتی ہے اور شوہر کو واجب ہو جاتا ہے کہ اپنی زوجہ کے ساتھ عدل کرے اور اسکی عزت اور محبت کرے۔ اور اسکے معاوضہ میں زوجہ کو شوہر کی اطاعت اور اس سے وفاداری کرنی پڑتی ہے۔

آٹھواں باب

غیر مشروع اور ناجائز نکاح۔ حق اعتراض ولی کا۔

حق اختیار۔ اسباب فسخ نکاح۔ ارتداد کا اثر نکاح پر

جو نکاح خلاف شرع ہو وہ فی نفسہ باطل و کالعدم ہے اور کسی قسم کے حقوق و فرائض متناکحین کے ایسے نکاح سے نہیں پیدا ہوتے۔ اور زوجہ کو شوہر پر مہر کا حق نہیں ہوتا اور نہ ایک دوسرے کی میراث پانے کا مستحق ہوتا ہے در انحالیکہ انمیں سے کوئی اس زمانہ میں مرجائے جبکہ معاہدہ نکاح موجود ہو۔ ایسے نکاح اسی تاریخ سے خلاف شرع ہوتے ہیں جس تاریخ وہ واقع ہوئے تھے اور حقیقۃً اور شرعاً دونوں طرح سے معدوم محض سمجھے جاتے ہیں۔

جو نکاح محارم شرعیہ یا محرمات شرعیہ کے ساتھ کر لیے گئے ہوں وہ شرعاً اس قسم کی تزویج میں داخل ہیں جو فی نفسہ باطل ہے اور کچھ حقوق انسے نہیں پیدا ہوتے نہ کوئی اثر یا نتیجہ شرعی انسے

کتاب ۲۴ باب ۱۰ ۔ کتاب الانوار۔ اختلافات الائمہ۔ جامع الشتات ۲۳۵ ۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۸ ۔ شیعوں کے نزدیک بھی مثل قانون انگلستان کی طرح اہل سنت کے مذہب میں بھی زوجہ ناشزہ کو خفیف سی گوشمالی کرنا شوہر کو جائز ہے شیعوں کے نزدیک شوہر کو اپنی زوجہ کو غصہ سے ہاتھ لگانا بھی حرام مطلق ہے۔ جامع الشتات ۔ نیل المرام ۔ ۱۰۲

پیدا ہوتا ہے۔ ایسے نکاح کا خلاف شرع ہونا اس بات سے بھی رفع نہیں ہوتا کہ نیک نیتی سے اور اُس عالم میں نکاح ہوا تھا جبکہ طرفین یہ نہ جانتے تھے کہ ایک دوسرے پر شرعاً حرام ہے۔

اگر ایسے نکاح سے کوئی اولاد ہو تو حنفیہ کے نزدیک حلالی ہوگی گو اُس عورت کو دوسرا نکاح کرنے سے پیشتر عدۂ شرعیہ کی پابندی کرنی پڑیگی۔

مگر جو نکاح اِس قسم کے عیب سے جسکا ذکر کیا گیا فاسد اور باطل ہوگئے ہوں انکا اور ہی حکم ہے ایسے نکاحوں میں زفاف سے وہ عیب شرعی جو اُنکے جواز کا مانع ہے رفع ہو جاتا ہے اور بقاء نکاح کے زمانہ میں جس اولاد کا حمل رہا ہو یا جو اولاد پیدا ہوئی ہو وہ حلالی سمجھی جاتی ہے اور زوجہ کو مہر کا حق حاصل ہو جاتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص دو وکیلوں کو حکم دے کہ ایک عورت سے اُسکا نکاح کردیں اور وہ دونوں علٰحدہ علٰحدہ کارروائی کرکے اسکا عقد دو حقیقی بہنوں کے ساتھ کردیں تو جو نکاح زماناً مقدم ہو وہ جائز سمجھا جائیگا اور دوسرا نکاح باطل ہو جائیگا بغیر اسکے کہ قاضی سے فیصلہ کرانا پڑے یا شوہر سے طلاق لینے کی ضرورت ہو۔ اور جب یہ نہ دریافت ہو سکے کہ دو نکاحوں میں کون مقدم تھا اور کون موخر تو دونوں باطل ہو جائینگے[1]۔

یہی اصول شرع اس عورت کے ساتھ نکاح کر لینے پر بھی صادق آتا ہے جسکا نکاح ہو چکا ہو۔ جب کسی لڑکی کا عقد دو مردوں سے علی الاتصال کر دیا جائے اور ایک مرد سے اُسکے باپ نے اُسکا عقد کر دیا ہو اور دوسرے مرد سے اور کسی ولی شرعی نے یا جب دو مرد ایک عورت سے نکاح کے مدعی ہوں تو جو نکاح زماناً مقدم ہو یعنے پہلے ہوا ہو صرف وہی

[1] ترجمۂ انگریزی ہدایہ صفحہ ۰۰ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۹۲ — شرائع الاسلام صفحہ ۲۷۲ — جامع الشتات جب دو بہنوں کا نکاح ایک ہی معاہدہ کے ذریعہ سے ایک شخص سے ہو جاوے تو دونوں کا نکاح باطل ہوگا اور اگر طلاق قبل از زفاف ہو جاوے تو وہ عورتیں مہر کی مستحق نہ ہونگی لیکن اگر دونوں کا زفاف ہو گیا ہو تو باوجود فسخ نکاح کے دونوں مہر کی مستحق ہونگی۔ اگر اُن دونوں کا عقد علٰحدہ علٰحدہ ہوا ہو اور یہ نہ معلوم ہو کہ پہلے کسکا عقد ہوا تھا پس اگر قبل زفاف طلاق ہو گیا ہو تو دونوں نصف مہر کی مستحق ہونگی لیکن اگر طلاق کے بعد زفاف ہوا ہو تو دونوں اپنا پورا پورا مہر پائینگی۔ اور اگر ایک منکوحہ کا زفاف ہوا ہو اور دوسری کا نہ ہوا ہو تو جسکا زفاف ہو گیا ہے اسی کا نکاح جائز سمجھا جائیگا گو وہ دوسری سے [illegible] ہوا ہو نصف [illegible] دیے ۔۔۔

جائز و مؤثر سمجھا جائیگا اور دوسرا بغیر طلاق یا حکم قاضی کے باطل ہوجائیگا۔ لیکن اگر یہ دریافت کرنا غیر ممکن ہو کہ دونوں میں سے کون نکاح پہلے ہوا تھا تو دونوں نکاح باطل سمجھے جائینگے اور اگر وہ ایک یا دو مرد جو زوجیت کے مدعی ہیں مرجائیں تو وہ دونوں عورتیں اُنکی میراث کی مستحق نہونگی۔ لیکن اگر پہلے نکاح میں زفاف ہوچکا ہو تو اخلاق عامہ کے تحفظ کے خیال سے وہ جائز سمجھا جائیگا[ا]۔

اگر کوئی شخص کسی عورت سے اُسکے عدہ کے زمانہ میں نکاح کرلے درحالیکہ اس بات کا علم رکھتا ہو کہ یہ عورت عدہ کی حالت میں ہے تو ایسا نکاح باطل ہوگا۔ مگر بعد انقضاء عدہ وہ شخص اُس عورت سے نو عقد کرسکتا ہے۔

اگر زفاف عدہ کی میعاد میں واقع ہو تو وہ عورت اُس مرد پر حرام مطلق ہوجائیگی۔

مگر جو اولاد ایسے نکاح سے پیدا ہوگی وہ حلالی سمجھی جائیگی اور وہ عورت طلاق کے بعد[۲] مہر کی مستحق ہوگی۔

یہ مسئلہ شرعی مشکوک ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے بحالت لاعلمی اُسکے عدہ کے نکاح کرلے تو آیا وہ عورت اُسپر حرام مطلق ہوجائیگی۔ صوبہ الجیرس میں چند مقدمات کا فیصلہ ایسا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نکاح نیک نیتی سے ہوا ہو اور طرفین اس فعل کے حرام ہونے سے آگاہ نہوں تو ایسا نکاح شرعاً جائز تصور کیا جائیگا۔

شیعوں کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شوہردار عورت سے زنا کرے تو وہ شخص شوہر کی وفات کے بعد اُس سے عقد نہیں کرسکتا بلکہ وہ عورت اُسپر حرام موبد یعنی ہمیشہ کے لیے حرام ہوجاتی ہے۔ اگر باوجود اس حرمت شرعیہ کے حکم شرع سے لاعلمی کی وجہ سے وہ مرد اُس عورت سے نکاح کرکے وطی بھی کرلے تو غالباً ایسا نکاح شرعاً باقی رہیگا۔

[ا] ہندوستان کی بعض عدالتوں نے مقدمات کا فیصلہ اس اصول کے خلاف کیا ہے ۱۲ منہ [۲] شرایع الاسلام صفحہ ۲۷۳۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۹۳۔ کنز الدقائق۔ فصول عمادیہ۔ ۱۲ منہ [۳] مفاتیح ۱۲ منہ [۴] جامع الشتات کے مسائل ملاحظہ ہوں ۱۲ منہ [۵] عدہ کے حکم کی علت یہ ہے کہ شارع اسلام کو اولاد کے حلالی قرار پانے کی فکر

حاملہ کے ساتھ نکاح کرنا ویسا ہے جیسا اُس عورت سے نکاح کرنا جو عدہ مین ہو۔ ایسے نکاح کا حرام ہونا قرآن مجید مین منصوص ہے اور الجیرس کے قاضیون نے اکثر اسکی عورت کو نافذ کردیا ہے چنانچہ ۱۳ جولائی ۱۸۶۲ع کو الجیرس کے ایک قاضی نے یہ حکم لکھا کہ ایک عورت بختہ بنت یحیی اپنے شوہر اول عبد القادر سے تین مہینہ ہوے تھے کہ طلاق ۔ ابھی ملی تھی اسکا دوسرا نکاح ۱۴ اپریل ۱۸۶۲ع کو احمد ابن بیاض سے ہوا۔ اور ۹ جولائی ۱۸۶۲ع کو ایک لڑکا ہوا۔ یہ بات قاضی کو ۱۳ جولائی کو معلوم ہوئی اُسنے اُس عورت کے شوہر ثانی اور اسکے باپ یحیی کو اپنے پاس بلاکر تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ یہ واقعات صحیح ہین ۔ پس قاضی نے احمد اور بختہ کے نکاح کو باطل قرار دیا اور ایک کو دوسرے پر حرام کر دیا۔

حنفیہ کے نزدیک حاملہ سے نکاح کرنا حرام مطلق نہین ہے تاوقتیکہ یہ نہ معلوم ہو کہ اسکو کسکا حمل ہے۔

جب کوئی شخص ایک عورت کو طلاق دیکر اُسکے ساتھ دوبارا نکاح کرے اور اس اثنا مین وہ عورت دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرکے اُس سے طلاق نہ لے چکی ہو تو ایسا دوبارا نکاح کرنا حرام ہے۔ اس حکم کا سبب یہ ہوا کہ مشرکین عرب مین یہ دستور تھا کہ عورتون کو متواتر طلاق دیدیکر اُسنے دوبارا نکاح کرلیتے تھے جس سے اخلاق عامہ مین فتور واقع ہوتا تھا۔ لہذا اس حکم کے خلاف کرنا باعث بطلان نکاح کا ہوتا ہے۔

تھی اور نکاح جائز یا نکاح مشکوک سے جو اولاد پیدا ہو اُسکو حرامی بنا دینے سے نفرت کلی تھی۔ جو عورت اپنے شوہر سے جدا ہو گئی ہو یا بیوہ ہو اُسکو ایک مدت معینہ تک دوسرا عقد کرنا شرعاً حرام ہے تاوقتیکہ یقین نہ ہو جائے کہ یہ عورت حاملہ ہے یا نہین ۔ بیوہ کا عدہ چار مہینے دس دن اور مطلقہ کا عدہ صرف تین ہی مہینے ہین ۔ اس ممانعت سے اولاد کے نسب مین فتور نہین پڑ سکتا۔ [1] چونکہ بلاد اسلام کو قاضی حافظ شریعت اور مصلح اخلاق عامہ ہوتا ہے لہذا اُسکو ہر فعل غیر مشروع کو منسوخ کر دینے اور اُسکی سزا دینے کا اختیار ہے بغیر اسکے کہ اُسکے اجلاس مین باضابطہ نالش دائر کیا جائے [illegible]

لیکن اگر طلاق ایسے حالات مین ہوا ہو کہ یہ گمان ہو کہ شوہر و زوجہ مین نااتفاقی ہو گئی تھی اور اُسوقت وہ غصہ کے مارے آپے سے باہر ہو گئے تھے تو بعض علماء کا قول ہے کہ اُنکے ساتھ کچھ رعایت کرنی چاہیئے اور اُنکو باہم دوبارہ عقد کرنے کی اجازت دینی چاہیئے بغیر اِسکے کہ زوجہ کو دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنے کی ذلت اُٹھانی پڑے۔

مذہب مختار سب فرقون کے نزدیک یہ ہے کہ مرد[11] چار نکاح ایک وقت مین کر سکتا ہے اور پانچوین عورت سے نکاح باطل ہے لیکن اگر [illegible] مباشرت ہو چکی ہو تو اگرچہ [illegible] ہو جائیگی تاہم اپنے مہر کی مستحق ہوگی۔

ناجائز نکاح

ناجائز نکاح وہ ہے جو بالکل غیر مشروع یا باطل تو نہو مگر کسی شے کے حکم سے یا شوہر و زوجہ کے فعل سے باطل ہو گیا ہو۔ لہذا ایسے نکاح کے ناجائز ہونے کے سبب سے متناکحین خود یا وہ لوگ جو بجائے اولیا کے ہون رفع کر سکتے ہین۔

نابالغ نے جو نکاح کر لیا ہو وہ سب فرقون کے نزدیک ناجائز ہے۔ اور جب وہ نابالغ جو رشید یعنی ذی شعور ہو اپنا نکاح کر لے تو اُسکا نکاح اُسکے ولی کے تصدیق کر دینے سے جائز ہو[15] جاتا ہے۔

سُنیون کے مذہب کے بموجب جو نکاح کسی مجنون نے یا اُس شخص نے جو مجنون تو نہو مگر مختل الحواس ہو کر لیا ہو وہ ناجائز ہے لیکن اگر اُسکا ولی اُس نکاح کی تصدیق کر دے تو اُسکا[16] عدم جواز رفع

مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ ساکنان عرب کے اخلاق کا خراب ہو جانا اسی سے ثابت ہے کہ شارع اسلام نے اُس عورت کے ساتھ چوتھی دفعہ نکاح کرنا قطعاً حرام کر دیا ہے جسکو اُسکا خاوند تین مرتبہ طلاق دے چکا ہو۔ شیعون کے مذہب مین ایسا نکاح حرام ہے۔ شرایع الاسلام صفحہ ۲۷۰ - ۱۲ منہ [11] امامیہ اثنا عشریہ کے نزدیک مرد چار نکاحون کے علاوہ بہت سے متعہ کر سکتا ہے۔ اہل سنت کے نزدیک متعہ حرام ہے اور اُنکا قول صحیح ہے کہ یہ ایک فعل قبیح ہے

[illegible] ہدایہ قواعد ۱۲ منہ [12] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۷ - شرایع الاسلام صفحہ ۲۶۳ - ۱۲ منہ [15] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۰۲ - ۱۲ منہ

ہو جائیگا۔ مگر شیعوں کے مذہب میں ایسا نکاح شرعاً بالکل غیر موثر اور باطل ہے۔[1]

شیعہ اور سنی دونوں کے نزدیک وہ نکاح باطل ہے جو نشہ کے عالم میں ہوا ہو الا اینکہ نشہ اُتر جانے کے بعد اُسکی تصدیق کیجائے یا بحال رکھا جاوے۔[2]

جو نکاح کسی شخص نے عالم جان کنی میں یا کسی مرض مہلک کے عالم میں کر لیا ہو وہ بھی جائز ہے لیکن اگر بیماری ایسی ہو کہ مریض اُس سے شفا پا کر زفاف کرے تو اُس نکاح کا عدم جواز رفع ہو جائیگا[3]

جس نکاح کی رضامندی جبراً یا بفریب لیگئی ہو تو ایسا نکاح ناجائز ہے الا اینکہ جبر موقوف ہونے کے بعد یا قید سے رہا ہونے کے بعد اسکی تصدیق کیجائے یا یہ کہ جس فریق نے رضامندی ظاہر کی ہے فریب رفع ہونے کے بعد وہ اسکی تصدیق کرے[4]

اگر کوئی شخص جسنے ایجاب یا قبول کیا ہو بعد ازاں بیہوش یا بدحواس ہو جائے دگو تھوڑی ہی

لہ جامع الشتات۔ شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۳۔ کتاب من لا یحضرہ الفقیہ۔ ۱۲ منہ لہ مفاتیح۔ مگر شرائع الاسلام میں اس مسئلہ میں مرد اور عورت میں فرق لکھا ہے۔ یعنی اگر مرد نشہ کے عالم میں نکاح کرے تو نکاح جائز ہوگا گو ہوش میں آنے کے بعد اُسکی تصدیق کرے۔ لیکن اگر عورت نشہ کے عالم میں نکاح کرے اور جب ہوش میں آجائے تو اُسکی تصدیق کرے تو وہ نکاح جائز ہوگا۔ مفاتیح میں جو قول علامہ حلی کا لکھا ہے وہ اصح ہے اور اُسکی تمام میں چند مسائل جامع الشتات میں لکھے ہیں۔ ۱۲ منہ لہ شرائع الاسلام صفحہ ۲۵۴ میں لکھا ہے کہ جو نکاح مریض نے کر لیا ہو اُسکا جواز زفاف پر موقوف ہے۔ پس اگر وہ مریض اُس بیماری سے مرجائے اور زفاف نہوا ہو تو نکاح باطل ہے اور وہ عورت مہر اور میراث کی مستحق نہیں ہے لہ جامع الشتات میں لکھا ہے کہ اگر کوئی مریض نکاح کرلے اور زفاف کرنے سے بعد انتقال کرے یا اُس بیماری سے صحت پا کر اور کسی مرض سے مرجائے تو وہ نکاح جائز ہے اور زوجہ مہر اور میراث کی مستحق ہوگی لہ لیکن اگر کوئی صحیح و سالم عورت کسی شخص سے نکاح کرے اور بعد زفاف مرجائے تو اکثر علما کا قول یہ ہے کہ اُسکا شوہر اُسکی میراث کا مستحق ہوگا گو یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ مگر جب کوئی عورت جانکنی کے عالم میں یا مرض مہلک کی حالت میں کسی صحیح و سالم مرد سے نکاح کرے اور وہ مرد بغیر زفاف مر جائے تو وہ نکاح جائز سمجھا جائیگا اور وہ عورت اپنے شوہر متوفی سے مہر اور میراث پانے کی مستحق ہوگی۔ اگرچہ ان مسائل میں صرف کتب شیعہ کا حوالہ دیا گیا ہے مگر یہ عرض کرنا ضرور ہے کہ ایسے سنی اور شیعہ میں بہت کم اختلاف ہے ۱۲ منہ لہ بعض اسناد فتاوائے عالمگیری میں ایسے لکھے ہیں جنسے بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی عورت جبراً اور بلا رضا و رغبت خود

مدت سمی ہو تو اُسکا ایجاب اگر قبول کیا گیا ہو تو ناجائز ہوگا -

شرع محمدی میں باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی نابالغ اولاد کا عقد جبر کردے جیسا اوپر بیان کیا گیا - جو عقد باپ نے یا اُسکی بعدم موجودگی میں دادا نے جو اُسکا قائم مقام ہے کر دیا ہو وہ بادی النظر میں اولاد کے فائدہ کے لیے سمجھا جاتا ہے پس جس نابالغ کا نکاح اُسکے باپ یا دادا نے کر دیا ہو وہ اکثر فرقون کے نزدیک بعد بلوغ اُس نکاح کو بحال رکھنے یا منسوخ کرنے کا اختیار نہیں رکھتا ہے الا اینکہ اُسکا نکاح کسی غیر کفو سے کر دیا گیا ہو یا مہر قریب کرکے محض نامناسب رکھا گیا ہو یا منا کحین مین سے کوئی ایسے مرض میں مبتلا ہو جو نکاح میں مانع ہو بسبب اُس قید کے جس سے باپ کا اختیار نکاح محدود و مقید کر دیا گیا ہے یہ تجویز کیا گیا ہے کہ جو نکاح باپ نے یا اُس شخص نے جو باپ کا قائم مقام ہو کر دیا ہو اُسکو چاہیئے کہ نابالغ کے حق میں مضر نہو - پس اگر باپ نے اپنی دختر نابالغ کا نکاح خنثی یا غلام یا مبروص یا اُس شخص کے ساتھ کر دیا ہو جو داء الفیل یا ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ مباشرت کرنے کے قابل نہو تو ایسا نکاح ناجائز ہے اور نابالغ کے اُس ولی کی تحریک سے جو باپ کے بعد مستحق ولایت ہو یعنی اُسکی ماں کی تحریک سے فسخ ہو جائیگا - اگر نابالغ کا باپ اُسکا نکاح ایسے شخص سے کردے جو اُس سے بہت پست مرتبہ یا کم ظرف ہو تو ایسا نکاح بھی نابالغ کے ولی کی استدعا سے فسخ ہو سکتا ہے -

---

ایسے مرد سے نکاح کرلے جو اُسکا کفو یعنی ہم چشم ہو اور مہر مناسب قبول کرلے تو جبر موقوف ہونے کے بعد اُس عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے - مگر تمام علما کے اقوال کو جانچنے اور اس مسئلہ کے شرائط کو بغور ملاحظہ کرنے سے (یہ مسئلہ بادی النظر میں نہایت تعجب انگیز اور اُن احکام شرع کے خلاف معلوم ہوتا ہے جو موافق عقل سلیم ہیں) کچھ شک اسمین نہیں باقی رہتا کہ جو اصلاحین لکھے گئے ہیں وہ صحیح ہیں شیعون کے احکام اس باب میں ایسے صاف اور واضح ہیں کہ اُنمیں کچھ شک و شبہ نہیں ہو سکتا ۱۲ منہ شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۴ سطر ۲ - جامع الشتات - ارشاد علامہ ۱۲ منہ مالکیہ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے ۱۲ منہ فتاوا عالمگیری صفحہ ۱۲۴ فصولہ عمادیہ شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۳ - ۲۶۴ - جامع الشتات ۱۲ منہ ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۱۰ - ۱۱۳ - ۱۲ منہ

الکفاءت یعنی ناکح و منکوحہ کا

ہم چشم یا ہم درجہ ہونا۔

شارع اسلام نے بے میل اور بے تکی شادیوں کو بہت ناپسند فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ عورتوں کا نکاح غیر کفو[1] سے نہ کرنا چاہیئے۔ لہذا حنفیہ کے نزدیک متناکحین کا ہم کفو ہونا ایک شرط ضروری نکاح کی ہے اور جو نکاح غیر کفو سے ہو گیا ہو وہ قاضی کے حکم سے منسوخ ہو سکتا ہے۔

حنفیہ کے اقوال مرد و عورت کے ہم کفو ہونے کے باب میں عرب کی تمثیلات پر مبنی ہیں مثلاً یہ فتوے دیا گیا ہے کہ شوہر زوجہ کا ہمدرجہ نسب اور عزت میں ہو اور غلام نہو اور مسلمان ہو اور اتنی مقدرت رکھتا ہو کہ زوجہ کا مہر ادا کر سکے اور اسکو نان و نفقہ دے سکے[2] اور نیک اور با خدا ہو اور پیشہ یا تجارت کے لحاظ سے زوجہ کا ہم پایہ ہو[3] مگر عورت کے باب میں ان شرائط کی تکمیل ضرور نہیں ہے یعنی عورت کا مرد کے ہم کفو ہونا کچھ ضرور نہیں ہے اسواسطے کہ شوہر زوجہ کو اپنا ہم مرتبہ کر سکتا ہے گو وہ کیسا ہی عالی درجہ ہو۔

مالکیہ اور شیعہ[4] نے شرائط کفاءت کے باب میں حنفیہ سے اختلاف عظیم کیا ہے۔ ان فرقوں کے نزدیک تزویج کا جواز صرف دو شرطوں پر موقوف ہے ایک یہ کہ شوہر مسلمان ہو دوسرے یہ کہ زوجہ کے تکفل کا مقدور رکھتا ہو۔ پس انکے نزدیک جو مسلمان زوجہ کو نان و

---

[1] حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خبردار عورت کا نکاح سواے اسکے اولیاء شرعی کے کوئی نہ کرے اور اسکا نکاح نہ کیا جائے مگر اسکے ہم مرتبہ مرد سے۔ ہدایہ میں اسکی علت یہ لکھی ہے کہ ہمبستری اور صحبت اور دوستی نہیں ہو سکتی مگر ان اشخاص میں جو باہم مساوی درجہ کے ہوں اسواسطے کہ عالی خاندان عورت کم ذات مرد کی صحبت اور ہمبستری سے نفرت کریگی۔ پس شوہر کے کفو ہونے کا لحاظ رکھنا ضرور ہے یعنی شوہر کو چاہیئے کہ زوجہ کا کفو ہو۔ ہدایہ ۱۰-۱۱-۱۲ منہ [2] مرد فاسق زن صالحہ کا کفو نہیں ہے۔ پس اگر کوئی شخص اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کسی شخص کو نیک اور با خدا سمجھکر اسکے ساتھ کردے مگر بعد ازآن معلوم ہو کہ یہ شخص شرابخوار ہے اور وہ لڑکی بعد بلوغ اس نکاح سے ناخوشی ظاہر کرے تو اس صورت میں اگر اسکا باپ اس شخص کے شارب الخمر ہونے سے ناواقف تھا تو وہ نکاح منسوخ کر سکتا ہے۔ فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۱۱-۱۲ منہ [3] فتاواے قاضیخان صفحہ ۳۹۹-۱۲ منہ [4] فتاواے قاضیخان صفحہ ۳۹۹۔ شرایع الاسلام صفحہ ۲۷۸۔ جامع الشتات

نفقہ دینے پر قادر ہو وہ ہر مسلمہ سے نکاح کر سکتا ہے بالحاظ نسب یا درجہ کے۔ کیونکہ انکا یہ سوال بیجا ہے کہ کیا سب مسلمان برابر نہین ہین۔

اگر کسی عورت کا نکاح اُسکا ولی ایسے شخص سے کر دے جو شرافتِ خاندان کے اعتبار سے اُسکا کفو نہو تو وہ عورت اُس نکاح کو منسوخ کرنے کی مستحق ہے لیکن اگر خود اُس عورت نے ایسا نکاح کر لیا ہو تو اُسکو اُسکی پابندی واجب[1] ہے۔

متقدمین علماے فریقین نے زوجہ کے نان و نفقہ کے مسئلہ مین بہت بحث کی ہے اکثر علما کا قول[2] ہے کہ اگر شوہر زوجہ کو ایک مہینہ کا نان و نفقہ علاوہ مہر کے دینے پر قادر ہو تو ایسا مقدور شرعًا کافی ہے۔

یہ عرض کرنا ضرور[3] نہین ہے کہ ایسے مقدمات ہندوستان مین کم ہوتے ہین جنمین شوہر و زوجہ کے ہم کفو ہونے پر بحث ہو جو حنفیہ کے نزدیک ایک شرط نکاح ہے۔

سابق مین بیان کیا گیا کہ شیعہ اور حنفیہ نے بہت بڑی آزادی اُن عورتون کو بخشی ہے جو خود اپنا نکاح کر سکتی ہون۔ مگر حنفیہ[4] کے نزدیک یہ آزادی اُس اختیار سے مقید ہو گئی ہے جو ولی کو دیا گیا ہے کہ اگر غیر کفو سے نکاح ہوا ہو تو اُسکو منسوخ کر سکتا ہے یا اُسپر اعتراض کر سکتا ہے

[1] حنفیہ کے نزدیک مرد عرب جو قبیلہ قریش سے نہو زن قریشیہ کا کفو نہین ہے۔ اور مرد غیر عرب زن عربیہ کا کفو نہین ہے۔ اور غلام زن حرہ کا کفو نہین ہے — اس قسم کے سب نکاح عقلاً بے موقع اور بے میل ہین اس مسئلہ مین جو حنفیہ اور شیعہ مین اختلاف عظیم ہے وہ شرایع الاسلام سے ظاہر ہے جسمین لکھا ہے کہ آزاد عورت کو غلام سے اور زن عربیہ کو مرد عجم سے اور زن ہاشمیہ کو مرد غیر ہاشمی سے نکاح کرنا اور ایسکے بالعکس جائز ہے۔ شرایع الاسلام صفحہ ۲۷۸ — اور مفاتیح بھی ملاحظہ ہو ۱۲ منہ

[2] انھین کتابون مین یہ بھی لکھا ہے کہ عورت کو مرد فاسق کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ ہے اور مرد شرابخوار سے نکاح مکروہ بکراہت شدیدہ ہے ۱۲ منہ

[3] فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۱۱ — ۱۲ منہ

[4] جیسا کہ فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ ؎ اسلام اور حریت کے سواے اور اعتبار سے شوہر و زوجہ کے ہم کفو ہونے کا لحاظ عرب کے سوا اور کسی ملک مین نہین کیا جاتا ۱۲ منہ ؎ فتاواے قاضیخان صفحہ ۱۰۱ جلد ۲ و ۲۶ ہ فتاواے عالمگیری صفحہ ۱۲ جلد ۱ — ۱۲ منہ

؎ یہ عرض کرنا ضرور ہے کہ جو شخص علم کی دولت رکھتا ہو وہ سب سے زیادہ عالی خاندان عورت کا کفو شرعًا ہے — ۱۲ منہ

شیعون کے نزدیک یہ اختیار تنسیخ نکاح کالعدم ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اُنکے نزدیک شروط کفات صرف مرد کے مسلمان ہونے اور زوجہ کے تکفل کا مقدور رکھنے پر محدود و منحصر ہین۔ اگر کوئی شیعہ عورت جو نابالغ ہو کسی غیر مسلم سے نکاح کرے تو غالباً اُس عورت کے اقربا کو ممانعت کرنے کا حق ویسا ہی حاصل ہے جیسا اہل سنت کے نزدیک حاصل ہے۔ مگر اہل سنت کے نزدیک یہ ممانعت کرنے کا حق زیادہ تر اہم ہے۔ جو قاعدہ ولیون کی ہدایت کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے جبکہ وہ نابالغون کا نکاح کرین اُنمین اصول و فروع مین بآسانی امتیاز ہو سکتا ہے۔ اولیا کو حکم ہے کہ طرفین کی عمرون کا لحاظ کرین یعنی بہت کمسن لڑکی کا نکاح مردِ معمّر کے ساتھ نہ کر دین اور نہ اسکے بالعکس کرین اور نہ عالی خاندان لڑکی کا عقد اُس شخص سے کرین جو اس سے پست مرتبہ یا کم درجہ ہو بشرطیکہ اس مرد مین کوئی اور صفت ایسی نہو جس سے اُسکا نکاح اُس عورت کے ساتھ جائز ہو گیا ہو۔ اور نابالغ لڑکیون کا نکاح بالکل غیر کافی مہر پر نہ کرین۔

جب بالغہ و رشیدہ نے کسی مردِ غیر کفو سے عقد کر لیا ہو تو عدم کفات کے مسئلہ مین بڑی دقت پڑتی ہے۔ فتاواے عالمگیری اور فتاواے قاضی خان اور اور بعض کتب معتبرہ مین جو مختلف فتوے لکھے ہین اُنکو بنظر غور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جزیرہ نماے عرب کے ماورا دیگر بلاد اسلام مین بھی مرد اور عورت مین باعتبار درجہ عقل و شعور یا علم و فضل یا شرافت خاندان یا مقدرت اگر اختلاف ہو تو وہ ایک سبب معقول اِسکا ہوگا کہ ولی اُس عورت کے نکاح پر اعتراض کرے جو خود شرعاً اپنا نکاح کر سکتی ہو۔ مثلاً کوئی عورت اپنے خاندان کے ایک نوکر کے ساتھ پوشیدہ نکاح کر لے تو ولی کی استدعا سے قاضی اُس نکاح کو منسوخ کر دیگا اور اختلاف مذہب کی وجہ سے بھی نکاح پر اعتراض ہو سکتا ہے۔ مگر جب عورت کسی غیر کفو مرد سے نکاح کر لے تو وہ نکاح مع اپنے تمام نتائج کے بحال خود باقی رہیگا تاوقتیکہ اسکو قاضی[1] منسوخ کرے۔

---

[1] فتاواے قاضیخان صفحہ ۳۴۹ و ۳۵۰۔ هذا التفريق لا يتم الا بقضاء القاضي و قبل القضاء النكاح قائم بجميع احكامه من الطلاق والتوارث ۱۲۔ منہ

صرف قاضی کو یہ اختیار ہے کہ عدم کفاءت یعنی شوہر اور زوجہ کے غیر کفو ہونے کی وجہ سے نکاح کو منسوخ کردے۔ مگر زن و شوہر میں جدائی جو قاضی کے حکم سے ہو وہ بمنزلہ طلاق نہیں ہے۔ پس اگر زفاف نہوا ہو تو عورت مہر کی مستحق نہوگی۔ لیکن اگر زفاف ہو چکا ہو یا خلوت صحیحہ ہو چکی ہو تو شوہر کل مہر کا اور زمانہ عدہ میں زوجہ کے نان[1] و نفقہ کا بھی ذمہ دار ہوگا۔

اگر ولی تنسیخ نکاح بوجہ عدم کفاءت کی نالش کرنے میں تاخیر کرے تو اُسکا ایسی نالش کرنے کا حق نہیں زائل ہو جائیگا[2]۔ لیکن اگر زوجہ کو شوہر سے اولاد ہو چکی ہو تو زوجہ کے اولیاء شرعی اُسکے نکاح کو بعلت عدم کفاءت منسوخ کرا لینے کے مستحق نہونگے[3]۔

جب ولی نے ایک دفعہ قول یا فعل سے نکاح کی اجازت دیدی ہو تو اُسکو عذر کرنے کا حق بالکل نہ باقی رہیگا یا جب ایک ولی نکاح کی اجازت دے چکا ہو تو اور کوئی ولی عذر یا اعتراض نہیں کر سکتا سوائے اُس ولی کے جو درجہ میں اُس سے برتر ہو[4]۔

اعتراض کرنے کا حق عورت کے عصبات کو خاصۃً حاصل ہے اُسکے ذوی الارحام کو نہیں حاصل ہے۔

یہ کسقدر مشکل ہے کہ آیا برٹش انڈیا کی عدالتیں اُس نالش کی سماعت کرینگی جو کوئی حنفی مذہب باپ عدم کفاءت کو دلیل گردانکر اُس نکاح کو منسوخ کرا پانے کی دائر کرے جو اُسکی دختر بالغہ نے کر لیا ہو۔

اگر شوہر و زوجہ میں سے ایک مر جائے اور اُسکی وفات کے بعد قاضی حکم تنسیخ نکاح صادر کرے تو جو اُنمیں سے ہنوز زندہ رہگیا ہے وہ متوفی کی میراث کا مستحق اُسی طرح سے ہوگا جیسا معمولی صورتوں میں ہوتا ہے[5]۔

---

[1] فتاوی عالمگیری صفحہ ۴۱۲۔ فتاوی قاضیخان صفحہ ۱۰۴ فصول عمادیہ۔ کنز الدقائق ۔۔ ۱۲ منہ [2] فتاوی قاضیخان صفحہ ۱۳۳ ۔۔ ۱۲ منہ [3] فتاوی عالمگیری صفحہ ۴۱۴ ۱۲ منہ [4] فتاوی عالمگیری جلد اصفحہ ۱۴۳ لکھا ہے کہ اگر ولی مہر کو لے اور جہیز مہیا کرے تو یہ بمنزلہ اُسکی اجازت کے ہوگا ۱۲ منہ [5] فصول عمادیہ۔ فتاوی تاتارخانیہ صفحہ ۲۰۴ و ۲۹۴ ۔۔ ۱۲ منہ

خیار البلوغ یعنی وہ اختیار جو بلوغ سے حاصل ہوتا ہے

جواز اُس نکاح کا جو باپ اور دادا کے سوا نابالغ کے اور کسی ولی شرعی نے کر دیا ہو ثابت نہین ہوتا تا وقتیکہ طرفین بعد بلوغ اُسکی تصدیق نہ کر دین اور مرد کو تصدیق صریحی کرنی پڑیگی مگر عورت کو اختیار ہے کہ تصدیق صریحی کرے یا ضمنی[1] - بعد بلوغ طرفین کو اختیار ہے کہ جو نکاح اُنکی نابالغی کے زمانہ مین ہوا تھا اُسکو قائم رکھین یا منسوخ کر دین -

سُنیون کے مذہب مین یہ ہے کہ طرفین جب حق خیار البلوغ کو عمل مین لا کر نکاح فسخ کرنا چاہین تو قاضی کا حکم لے لینا ضرور ہے اور جبتک قاضی کا حکم نہ ہو جائے اُسوقت تک نکاح بحال خود باقی رہیگا - پس اگر قاضی کا حکم حاصل کرنے کے پیشتر شوہر یا زوجہ مر جائے تو جو زندہ رہگیا ہے وہ متوفی کی میراث پائیگا[2] -

اِس مسئلہ مین سنی اور شیعہ مین اختلاف عظیم ہے - شیعون کا قول یہ ہے کہ جو نکاح نابالغ کی طرف سے باپ یا دادا کے سوا کسی شخص غیر مجاز نے کر دیا ہو یعنی عقد فضولی اُسوقت تک بالکل معطل رہتا ہے جبتک کہ طرفین بعد بلوغ اُسکے اپنی رضامندی ظاہر کرین یعنی ایسے عقد پر کوئی نتیجہ شرعی نہین مترتب ہوتا تا وقتیکہ اُسکی تصدیق نہ کر دیجائے اور اگر شوہر یا زوجہ ایسے نکاح کو تصدیق کرنے سے پیشتر مر جائے تو نکاح فسخ ہو جائیگا اور جو اُنمین سے زندہ رہگیا ہے وہ متوفی کی میراث نہ پائیگا[3] -

یہ بھی اِس مقام پر عرض کیا جاتا ہے کہ شیعون کے مذہب مین سوائے باپ اور دادا کے جو کوئی شخص نابالغ کا نکاح کر دے وہ فضولی سمجھا جائیگا - اور جو نکاح کسی فضولی نے کر دیا ہو وہ باپ یا دادا کی رضامندی سے جائز ہو سکتا ہے اگر وہ حاضر ہون اور اذن نکاح شرعاً دے سکتے ہون یا یہ کہ نابالغ بعد بلوغ خود اسکی تصدیق کر دے[4] -

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۰۴ - ہدایہ مین لکھا ہے کہ باکرہ کی رضائے ضمنی سے اسکا خیار البلوغ زائل ہو جاتا ہے مگر مرد کا خیار البلوغ نہین زائل ہوتا تا وقتیکہ وہ قول یا فعل سے رضامندی ظاہر کرے - ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۰۵ - ۱۲ منہ [2] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۰۲ - ۱۲ منہ [3] مفاتیح - جامع الشتات ۱۲ منہ [4] جامع الشتات ۱۲ - منہ -

اسباب تنسیخ نکاح

جب متناکحین مین سے کوئی ایسے مرض مین مبتلا ہو جو مانع زفاف ہو مگر دوسرے فریق کو یہ بات نہ معلوم ہو تو یہ فریق تنسیخ نکاح کا دعوے کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سُنی اور شیعہ مین اختیار تنسیخ نکاح بوجہ مذکورہ بالا مین بڑا اختلاف ہے اور اسمین بھی اختلاف ہے کہ تنسیخ نکاح کے لیے کیا کارروائی کرنی چاہیئے۔ تنسیخ نکاح کی کارروائی کا ذکر تو باب آیندہ مین کیا جائیگا۔ اِس مقام پر صرف اسباب تنسیخ نکاح جو سنی اور شیعہ کے متفق علیہ ہین بیان کیے جاتے ہین۔

فریقین کا اتفاق ہے کہ اگر نکاح کے وقت منکوحہ نہ جانتی ہو کہ ناکح عنین محض ہے اور علاج پذیر نہین ہے تو اُسکے لا علاج نامردی کو دلیل گردانکر زوجہ طلاق طلب کرسکتی ہے[1] یہ اصول اُن اشخاص پر جو ضعف بدنی کی وجہ سے نامرد ہو گئے ہون اور اُن اشخاص پر جو عضو تناسل کو خود قطع کر ڈالنے یا اُسکے قطع ہو جانے کی وجہ سے نامرد ہو گئے ہون برابر صادق آتا ہے۔ لیکن پہلی صورت مین اگر نامردی صرف عارضی اور علاج پذیر ہو تو وہ سبب کافی تنسیخ نکاح کا نہین ہے۔

اہل سنت[2] کے نزدیک اگر شوہر زوجہ سے وطی کرنے پر قادر نہو گو اور عورت پر قادر ہو تو بھی زوجہ طلاق کی مستحق ہے۔ مگر شیعون کے نزدیک اگر شوہر صرف زوجہ ہی کے زفاف پر قادر نہو اور عورت پر قادر ہو تو زوجہ طلاق نہین مانگ سکتی[3]۔

فریقین کے نزدیک زوجہ اُس صورت مین طلاق کی مستحق نہین ہے جب شوہر بعد زفاف نامرد ہو گیا ہو اور اُس صورت مین بھی مستحق طلاق نہین ہے جب اُسکو نامرد جانکر اُسکے ساتھ عقد کر لیا ہو[4]۔

---

[1] یہی دونون فرقون کی شرع مین یہی ہے اور قانون انگلستان کے موجب بھی یہی ہے کہ اگر نکاح کے وقت شوہر نامرد ہو تو زوجہ طلاق ملنگنے کی مستحق ہے ۱۲ منہ [2] فتاوے عالمگیری صفحہ ۲۰۷ - ۱۲ منہ [3] شرایع الاسلام صفحہ ۲۷۸ - ۱۲ منہ [4] فتاوے عالمگیری صفحہ ۲۰۹ - فصول عمادیہ - فتاوے قاضیخان صفحہ ۲۹۹ - شرایع الاسلام صفحہ ۲۹۸ جامع الشتات

شرع محمدی مین حق تنسیخ نکاح طرفین کو بعلت کسی عیب جسمانی کے جو مانع جماع ہو اور بعلت برص و جنون ودا الفیل دیا گیا ہے۔ مگر ہدایہ مین ایک مقام پر لکھا ہے کہ اگر شوہر مجنون یا مبروص یا مجذوم ہو تو زوجہ کو اختیار طلاق مانگنے کا نہین حاصل ہے گو مولفین فتاواے عالمگیری اور دیگر متاخرین نے اس قول کو نہین اختیار کیا ہے بلکہ فتاواے عالمگیری مین صاف لکھا ہے کہ اگر شوہر کا جنون لا علاج ہو تو زوجہ تنسیخ نکاح کا دعوے کر سکتی ہے اور اس صورت مین بھی وہی کارروائی کیجائیگی جو اُس صورت مین کیجاتی ہے جبکہ شوہر عنین محض ہو اور لا علاج ہو۔ علی ہذا القیاس اگر زوجہ ہمیشہ مجنونہ رہے تو شوہر تنسیخ نکاح کا دعوے کر سکتا ہے۔ ایسی سب صورتون مین حکم شرع یہ ہے کہ شوہر تنسیخ نکاح کا دعوے اُسوقت کر سکتا ہے جبکہ زوجہ قبل نکاح کسی ایسے مرض مین مبتلا ہو چکی ہو۔ اگر وہ بیماری اسکو بعد نکاح لاحق ہوئی ہو تو شوہر تنسیخ نکاح کا دعوے نہین کر سکتا۔

شیعون کے مذہب مین سنیون کے مذہب سے زیادہ زوجہ کو تنسیخ نکاح کا دعوے کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ شیعون کے نزدیک زوجہ شوہر کے جنون کو عذر گردان کر تنسیخ نکاح کا دعوے کر سکتی ہے خواہ وہ جنون دائمی ہو خواہ اتفاقی اور خواہ قبل نکاح خواہ بعد نکاح ہو گیا ہو۔ لکن اگر زوجہ مجنونہ ہو تو شوہر تنسیخ نکاح کا دعوے جبھی کر سکتا ہے کہ جب زوجہ کا جنون دائمی ہو اور قبل نکاح عارض ہو چکا ہو۔ زوجہ کے اتفاقی جنون سے گو اُسکے دورے متواتر آتے ہون شوہر کو تنسیخ نکاح کا حق نہین حاصل ہوتا

اُن سب صورتون مین جنکا ذکر کیا گیا طرفین کو صرف اختیار تنسیخ نکاح حاصل ہے۔ یعنی جب زوجہ یا شوہر کو معلوم ہو جائے کہ اُنمین سے ایک اِس قسم کے مرض مین مبتلا ہے تو انکو اختیار ہے کہ نکاح کو قائم رکھین یا منسوخ کر دین۔ اگر منسوخ کرنا منظور ہو تو حق تنسیخ نکاح

فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۱ - ۱۲ منہ فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۵ - ۱۲ منہ شرایع الاسلام صفحہ ۲۰۷ - ۱۲ منہ
جامع الشتات ۱۲ منہ۔

حتی الامکان بہت جلد عمل مین لایا جائے۔ اسواسطے کہ اگر اس حق کو عمل مین لانے مین تاخیر بیجا ہوگی تو یہی گمان ہوگا کہ طرفین نے اُس حالت کو قبول کرلیا ہے یا حق تنسیخ سے دست بردار ہوگئے ہین۔

اگر متناکحین مین سے ایک کو دوسرے نے تدلیس یا غلط بیانی کرکے نکاح پر آمادہ کرلیا ہو تو شوہر یا زوجہ کو تنسیخ نکاح کا اختیار ہے اور شیعون کے نزدیک جب شوہر یا زوجہ اُس تدلیس سے واقف ہوجائے تو خود اُس نکاح کو بلا تکلف منسوخ کرسکتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے تئین حلالی بیان کرے اور بعد اُسکے حرامی ثابت ہو یا اگر شوہر اپنے نسب کو غلط بیان کرے اور اپنے تئین زوجہ کا کفو بتائے حالانکہ اُس سے بہت پست مرتبہ ہو تو زوجہ کو حق تنسیخ نکاح حاصل[۱] ہے

اہل[۲] سُنت کے نزدیک اگر عورت فریب دینے کے لیے اپنے تئین اُس سے زیادہ عالی تبہ اور عالی نسب بیان کرے جتنی وہ واقع مین ہو اور اسطرح سے شوہر کو نکاح پر راغب کرے تو جب شوہر اِس فریب سے آگاہ ہوجائے تب اُسکو تنسیخ نکاح کا اختیار نہوگا۔ مگر شیعون[۳] کے نزدیک شوہر اور زوجہ دونون کو ایسی صورت مین اختیار تنسیخ نکاح بدرجۂ مساوی حاصل ہے۔

جب کوئی شخص کسی عورت سے اِس شرط سے نکاح کرے کہ وہ آزاد ہے اور وہ عورت کسی کی لونڈی نکلے یا کوئی عورت کسی مرد سے باین شرط عقد کرے کہ وہ آزاد ہے اور وہ غلام ثابت ہو تو دونون کو یعنی ایک صورت مین زوجہ کو اور دوسری صورت مین شوہر کو حق تنسیخ نکاح حاصل[۴] ہے سنیون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر عورت نے خود نکاح کرلیا ہو تو اُسکو اختیار تنسیخ نکاح نہین

---

[۱] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۱۴۔ شرایع الاسلام صفحہ ۲۸۹۔ ۱۲منہ [۲] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۱۴۔ ۱۲منہ
[۳] شرایع الاسلام صفحہ ۲۹۰۔ ۱۲منہ [۴] شرایع الاسلام صفحہ ۲۹۰۔ جامع الشتات۔ مفاتیح۔ ۱۲منہ۔

حاصل ہے گو اُسکے ولی کو یہ حق حاصل ہے کہ عدم کفات کا اعتراض اُسکے نکاح پر کرے۔

شیعون کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی عورت سے اِس شرط سے نکاح کرے کہ وہ باکرہ ہے مگر اُسکو باکرہ نپائے تو اختیار تنسیخ نکاح نہین رکھتا ہے۔ مگر علماے اہل سنت نے اس مسئلہ مین اختلاف کیا ہے اور بعض فقہا نے شیعون سے اتفاق کیا ہے اور بعض نے لکھا ہے کہ اگر شوہر سے تدلیس یا فریب کیا گیا ہے تو وہ اختیار تنسیخ نکاح رکھتا ہے۔

شیعون کے نزدیک اگر باپ اپنی حلال زادی لڑکی کا عقد کسی شخص کے ساتھ کرنے کا اقرار کرے مگر اُسکے بدلے اپنی حرام زادی لڑکی کا عقد اُسکے ساتھ کردے تو شوہر اختیار تنسیخ رکھتا ہے۔ یا جب لڑکی کا باپ اُسکے شوہر کو دھوکھہ دیکر دوسری لڑکی کا نکاح اُسکے ساتھ کردے تو شوہر تنسیخ نکاح کا اور جو تحائف اُسنے زوجہ کو دیے ہون انکو واپس کرلینے کا مستحق ہے۔[1]

اِن سب صورتون مین جب تنسیخ نکاح بموجب اُس اختیار کے عمل مین آئے جو شوہر و زوجہ دونون کو دیا گیا ہے تو اُن دونون کی جدائی وہی اثر پیدا کریگی جو طلاق سے پیدا ہوتا ہے پس جس صورت مین زفاف صریحی یا ضمنی نہوا ہو اُس صورت مین زوجہ مہر کی مستحق نہوگی۔

مرتد ہوجانے کا اثر نکاح پر

شرع محمدی مین یہ حکم ہے کہ اگر شوہر مسلم یا زوجہ مسلمہ مرتد ہوجائے یعنی اسلام کو ترک کرکے دوسرا مذہب اختیار کرلے تو ارتداد سبب فسخ نکاح کا ہوگا۔ مگر جو ایکٹ اُن لوگون کی شادی کے باب مین جاری ہوا ہے جو کرسشان ہوجاتے ہین اُسکے بموجب شرع شریف کے اس حکم مین کچھ تغیر ہوگیا ہے۔ اِس ایکٹ کا منشا یہ ہے کہ اگر کوئی شوہر مرتد ہوجائے تو بھی وہ یہ استدعا کرسکتا ہے کہ اُسکی زوجہ تعلقات زوجیت اُسکے ساتھ قائم رکھے اور اگر زوجہ انکار کرے تو شوہر اُس سے طلاق لینے کی نالش کرسکتا ہے۔

اگر مرتد کی زوجہ اُسکے ارتداد کے بعد بھی اُسکے ساتھ رہنے پر راضی ہو تو حکم شرع کچھ

---

[1] جامع الشتات مین بہت سی مثالین تدلیس کی لکھکر اس مسئلہ مین خوب بحث کی ہے ۱۲ منہ۔

کام نہ آئیگا اور اس ایکٹ کے بموجب اسکا نکاح جائز رہیگا گو اسکا قانونی اثر شرع محمدی کے موافق نہوگا بلکہ اور اصول کے موافق ہوگا۔ لیکن اگر زوجہ شوہر کے مرتد ہوجانے کے بعد اسکے ساتھ رہنے سے انکار کرے تو اسکا نکاح شرع محمدی اور اس ایکٹ کے رو سے بھی منسوخ ہوجائیگا۔

دین اسلام قبول کر لینے سے فسخ نکاح شرعاً نہیں لازم آتا۔ یعنی اگر کوئی یہودی یا نصرانی مسلمان ہوجائے اور اسکی زوجہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے تو ان دونوں کا نکاح شرعاً جائز اور واجب العمل باقی رہیگا۔ لیکن اگر کوئی مشرک یا مجوسی پرست زوجہ مشرکہ رکھتا ہو اور مسلمان ہوجائے تو ان دونوں کا نکاح فسخ ہوجائیگا اِلّا اینکہ وہ عورت بھی مسلمان ہوجائے۔ علی ہذا القیاس جب کوئی یہودیہ یا نصرانیہ جسکی شادی اُسکے ہم مذہب سے ہوئی ہو دین اسلام اختیار کرلے تو اُسکا نکاح فسخ ہوجائیگا اِلّا اینکہ اُسکا شوہر بھی اُسکی تقلید کرے۔

حاشیہ ۔ ۱

اگر کوئی شخص کسی عورت سے مرتکب زناء محصنہ یا غیر محصنہ کا ہو تو حنفیہ اور شیعہ دونوں کے نزدیک اُس عورت کی ماں یا بیٹی اس شخص پر حرام ہوجائیگی۔ مگر شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسا نہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک آدمی چار لونڈیوں سے نکاح کرسکتا ہے۔ مگر شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک صرف ایک لونڈی سے عقد کرسکتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک غلام صرف دو نکاح کرسکتا ہے۔ مگر شافعیہ اور مالکیہ اور شیعہ کے نزدیک غلام چار نکاح کرسکتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک آزاد عورت سے نکاح کرنے کے بعد لونڈی سے عقد کرنا جائز نہیں ہے۔ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسا نکاح کرنا جائز ہے بشرطیکہ زوجہ اذن دیدے۔

حاشیہ نمبر ۲

بمقدمہ بدرالنسا بی بی بنام کفایت اللہ (لا رپورٹ بنگالہ جلد ۷ صفحہ ۴۴۴) یہ تجویز ہوا تھا

کہ جب شوہر نے نکاح کے وقت زوجہ سے یہ اقرار پوشیدہ کر لیا ہو کہ اگر تمھارے حین حیات
اور بغیر تمھارے اذن کے دوسرا نکاح کرونگا تو تم طلاق لے لینا تو اس صورت مین یہ ثابت
ہو جانے پر کہ شوہر نے بغیر اُسکے اذن کے دوسرا نکاح کر لیا ہے زوجہ طلاق کی مستحق ہے کیونکہ
ایسا اقرار شرعاً جائز ہے۔

نوان باب۔

شوہر و زوجہ کے حقوق و فرائض - قدیم رسوم -
نان و نفقہ شوہر کی حیثیت - زن و شوہر کا مسکن

جو حقوق و فرائض تزویج سے پیدا ہوتے ہیں وہ شرع محمدی میں بعبارت صریح و واضح
اور بتاکید اکید مقرر کر دیے گئے ہیں قبل شریعت اسلام مشرکین عرب مین عورتین کوئی حیثیت
قانونی نہین رکھتی تھین - بلکہ زمانہ جاہلیت مین کہا جاتا ہے کہ ... اور یہود کی شرع کے موافق
عورت ادنی درجہ کی سمجھی جاتی تھی -

قرآن مجید نے عورتون کی حالت مین انقلاب عظیم پیدا کر دیا - اور شاید قانون سازی
کی تاریخ مین مرد اور عورت مین مساوات کا اصول اول مرتبہ تسلیم کر لیا گیا اور عمل مین لایا گیا
چنانچہ قرآن مجید مین لکھا ہے کہ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (سورہ بقر آیت ۲۲۹)
یعنی عورتون کو اپنے شوہرون سے ویسا ہی حسن سلوک کرنا چاہیے جیسا انکے شوہرون کو
انکے ساتھ کرنا چاہیے۔

اس آیہ وافی ہدایہ کی تائید خود رسول اللہ صلعم نے اس خطبہ بلیغ مین فرمائی ہے جو حجۃ الوداع
کے بعد آپ نے جبل العرفات پر فرمایا تھا - اسمین آپ فرماتے ہین کہ ایہا الناس تمھارے
حقوق تمھاری بیبیون پر ہین اور تمھاری بیبیون کے حقوق تم پر ہین الخ پس ان احکام نبی کے
موافق شرع محمدی مین شوہر اور زوجہ مین مساوات تمام تعلقات و انتظامات خانگی کا اصل
اصول قرار دیا گیا ہے - اور طرفین کو تاکید کی گئی ہے کہ تعلق زوجیت مین ایک دوسرے

وفاداری کرے - اور بیوفائی کے نتائج شوہر اور زوجہ دونون کے حق مین ایک ہی
ہین - مرد[1] اور عورت دونون کو عفت اور پاکدامنی کا حکم ہے

شوہر[2] پر فرض ہے کہ اپنی زوجہ اور اسکے نوکرون کو نان ونفقہ دے خواہ وہ نوکر مسلم
ہون خواہ غیر مسلم - یہ فرض شوہر کا اُسوقت نافذ ہوتا ہے جب خود نکاح نافذ ہوتا ہے
اور زوجہ شوہر کے قید اختیار مین آجاتی ہے - اور یہ فرض تمام زمانہ زوجیت مین اور بعض
صورتون مین قطع زوجیت کے بعد بھی باقی رہتا ہے -

زوجہ کے نفقہ مین ہر چیز داخل ہے جو اُسکے گذارہ اور راحت سے متعلق ہو مثلاً کھانا
کپڑا مکان وغیرہ - اور یہ سب زوجہ کے خاندانی مرتبہ[3] کے موافق مہیا کرنا چاہیئے -

زوجہ صرف اُس معنی سے نفقہ کی مستحق نہین ہے جو زبان انگریزی مین مراد لیجاتی ہے
بلکہ ایک مکان خاص کا اپنی سکونت کے لیے دعوے کرسکتی ہے جو شوہر کے مقدور کے
موافق اُسکے لیے مہیا کیا جاوے -

اگر زوجہ نابالغ ہو اور قابل زفاف نہو تو حنفیہ اور شیعہ کے نزدیک اُسکو نفقہ دینا
شوہر کو شرعاً واجب[4] نہین ہے -

شافعیہ[5] کے نزدیک زوجہ کے بالغ یا نابالغ ہونے سے شوہر کے نفقہ دینے کے

---

[1] مسلمانون کے اخلاقی قانون کا حکم یہ ہے کہ آنکھ کی بے عفتی واقعی بے عفتی سے بھی زیادہ لائق مواخذہ ہے - اور یہ حکم یکطرفہ نہین ہے یعنی مرد اور عورت دونون سے برابر متعلق ہے ۱۲ منہ [2] فتاوائے قاضیخان جلد ا صفحہ ۷۶ ہے مین لکھا ہے کہ شوہر کو اپنی زوجہ کو نان ونفقہ دینا واجب ہے خواہ وہ مسلم ہو خواہ ذمیہ خواہ امیر ہو خواہ غریب خواہ صغیر ہو خواہ کبیر ۱۲ منہ [3] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۰۳ - فتاوائے قاضیخان - جامع الشتات فصول عمادیہ - مفاتیح - ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۹۳ - ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۴۰ ہے مین لکھا ہے کہ [4] کہ شوہر کو واجب ہے کہ ایک علیحدہ حجرہ زوجہ کے رہنے کے لیے مقرر کردے جو صرف اُسی کے تصرف مین بلا شرکت غیر رہے اسواسطے کہ ایسے حجرہ کی ضرورت اُسکو ہے اور اُسکا حق اسی طرح لازمی ہے جسطرح نفقہ کا لازمی ہے اور کلام اللہ مین اُسکے لیے نفقہ اور مکان دونون مقرر کیا گیا ہے ۱۲ منہ [5] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۷ - کنز الدقائق - ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۹۳ - جامع الشتات - ۱۲ منہ [6] کتاب الانوار - ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۹۳ - ۱۲ منہ

وجوب مین کچھ فرق نہین پڑتا۔

حنفیہ[1] اور شیعہ کے نزدیک شوہر اُس زوجہ نابالغہ کی ذات کی حراست کا مستحق نہین ہے جسکو اُسے نفقہ دینا فرض نہین ہے۔

اگر زوجہ[2] بالغہ اور شوہر نابالغ ہو اور زفاف شوہر کے عدم بلوغ کی وجہ سے نہو سکے تو بھی زوجہ نفقہ کی مستحق ہے اِس بات سے شوہر کے نفقہ دینے کے وجوب مین کچھ فرق نہین پڑتا کہ وہ تندرست ہے یا بیمار اور اسیر جنگ ہے یا کسی جرم کی سزا حق یا ناحق پا رہا ہے اور مکان سے کہین کام کو یا تفریح کے لیے چلا گیا ہے یا حج یا زیارت[3] کو گیا ہے۔ فی الواقع جبتک نکاح باقی رہے اور جبتک زوجہ شوہر کے اختیار مین رہے اُسوقت تک زوجہ اُس سے نفقہ پانے کی مستحق ہوگی اور اگر زوجہ کسی مرض مین مبتلا ہو تو بھی اُسکا نفقہ کا حق نہین زائل ہوتا[4]۔

جب شوہر اپنے مکان سے چلا جائے اور زوجہ کے نفقہ کا کچھ انتظام نہ کر جائے تو قاضی شرعًا مجاز ہے کہ یہ حکم صادر کرے کہ زوجہ کا نفقہ[5] کسی سرمایہ یا جائداد سے دیا جائے جو اُسکا شوہر چھوڑ گیا ہو یا کسی تجارت یا کام مین لگا گیا ہو۔

شوہر کی غیبت[6] مین زوجہ قرض لیکر اپنا نفقہ مہیا کر سکتی ہے اور اگر ایسا قرضہ جائز ہو اور زوجہ نے اپنے گذارہ کے لیے نیک نیتی سے لیا ہو تو قرضخواہ اُسکے شوہر کی جائداد سے وہ قرضہ لے سکتے ہین۔

اِسی طرح سے اگر شوہر کسی وقت خاص مین زوجہ کو نفقہ نہ دے سکے تو ہدایہ مین لکھا ہے[7] کہ وہ بسبب طلاق کا نہوگا مگر قاضی یا حاکم وقت زوجہ کو حکم دے سکتا ہے کہ اپنے شوہر کے نام سے قرض لیکر اپنی حوائج ضروریہ کو رفع کر لے اور شوہر اُس قرضہ کا ذمہ دار رہیگا۔

---

[1] نظیر مقدمہ محمد یحییٰ بنام اللہ یور رپورٹ بنگالہ جلد ۵ صفحہ ۲۰۵ ۱۲ منہ [2] ہدایہ ترجمہ انگریزی صفحہ ۱۴۵ - ۲۹۵ فصول عمادیہ - فتاویٰ قاضیخان صفحہ ۴۰۰ - جامع الشتات ۱۲ منہ [3] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۲۳ - ۲ منہ [4] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۳ - جامع الشتات [5] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۵۵۱ - ۲ منہ [6] نیل المرام ۱۲ منہ [7] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۲۹۷ - ۱۲ منہ -

جب شوہر غیر حاضر ہو اور جائداد غیر منقولہ زوجہ کے قبضہ مین یا اُسکی طرف سے اور شخص کے قبضہ مین چھوڑ گیا ہو تو زوجہ اُس جائداد کو اپنے گذارہ کے لیے فروخت نہین کر سکتی گو اُس جائداد پر چند روز کے لیے قرض لے سکتی ہے اور شوہر کو وہ قرضہ ادا کرنا واجب ہے بشرطیکہ وہ جائداد اُسکے اور اُسکی اولاد کے نفقہ کے واسطے نیک نیتی سے رہن رکھی گئی ہو اور جتنی ضرورت واقع مین ہو اُس سے زیادہ رہن نہ رکھی گئی ہو۔ ایسی صورت مین مرتہن پر فرض ہے کہ اپنا اطمینان کر لے کہ زر رہن جو دیا گیا ہے وہ غیر حاضر شوہر کے عیال کے نفقہ مین جائز طور[1] سے صرف کیا جاتا ہے۔

جب زوجہ اپنے شوہر کے گھر کو بغیر کسی سبب معقول کے چھوڑ دے تو وہ نفقہ کی مستحق[2] نہ رہیگی محض نشوز یعنی نافرمانی سے زوجہ کا یہ حق نہین زائل ہو جاتا جیسا عوام الناس کو گمان ہے۔ یعنی اگر وہ شوہر کے گھر مین رہے مگر اُسکی اطاعت نہ کرے تو اُسکا حق نفقہ شرعًا نہین زائل ہو جاتا۔ البتہ اگر وہ بغیر کسی سبب معقول کے شوہر کے گھر سے اُسکے بلا اذن چلی جائے تو اُسکا حق نفقہ جاتا رہیگا مگر جب شوہر کے گھر مین پھر آئیگی تو پھر وہ حق قائم ہو جائیگا[3]۔

یہ امر قاضی کی رائے پر موقوف ہے کہ شوہر کے گھر سے چلے جانے کا سبب معقول ہے یا کیا عام اصول یہ ہے اور اسی اصول کو صوبہ الجیرس کے قاضیون نے اختیار کیا ہے کہ جب زوجہ اپنے شوہر کے گھر سے اسوجہ سے چلی جائے کہ شوہر اور اُسکے اقربا اُس سے ہمیشہ بدسلوکی کرتے ہون تو وہ زوجہ شرعًا ناشزہ نہ سمجھی جائیگی اور نفقہ کی مستحق رہیگی۔

جو عورات کسی جرم کے مواخذہ مین قید ہو گئی ہو یا نادہندی قرضہ[4] کی علت مین

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۳۳ – ۱۲ منہ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۳۳ – فصول عمادیہ – جامع الفتاوٰی ۱۲ منہ [3] فتاواے عالمگیری – جامع الشتات – کتاب من لایحضرہ الفقیہ ۱۲ منہ [4] اگر اسکو اسکے شوہر نے قید کرایا ہو تو اُسکا حق نفقہ نہین زائل ہوگا – ۱۲ منہ

دیوانی کے جیلخانہ میں سزا پا رہی ہو یا سفر دریا یا حج کو بغیر اذن شوہر چلی گئی ہو وہ اپنے غیر حاضری کے زمانہ میں نفقہ کا دعوے[1] نہیں کر سکتی - مگر شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر وہ بلا اجازت شوہر حج واجب کو چلی گئی ہو تو نفقہ کی مستحق باقی رہیگی —

شوہر کی ذمہ داری نفقہ دینے کی کل مدت عدہ میں باقی رہتی ہے اگر طلاق شوہر کی کسی فعل کی وجہ سے ہوا ہو یا بعمیل کسی حق کے ہوا ہو جو زوجہ کو حاصل ہے - مگر شوہر زمانہ عدہ میں زوجہ کو نفقہ دینے کا مکلف نہ رہیگا اگر طلاق زوجہ کی بدکرداری کی وجہ سے ہوا ہو[2]

اگر طلاق کے وقت زوجہ حاملہ ہو تو اُسکا حق نفقہ پانے کا تا وضع حمل بعینہٖ قائم رہیگا -

ہدایہ کے فحوائے عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر کی وفات کے بعد جو زوجہ کو عدہ میں رہنا پڑتا ہے اُس عدہ کے زمانہ میں[3] وہ نفقہ کی مستحق نہیں ہے - مگر چونکہ قرآن مجید میں صاف لکھا ہے کہ "جو شخص تم میں سے مر جائے اور بیبیان چھوڑ جائے اُنکو چاہیے کہ اُنکا سال بھر کا نفقہ دے جائے" - لہذا بعض علما کا قول یہ ہے کہ زن بیوہ اپنے شوہر متوفی کی جائداد سے سال بھر کا نفقہ پانے کی مستحق ہے علاوہ کسی حصہ کے جو وہ اُسکی جائداد میں وراثتاً پائے - اور یہ حق اُسکو ہمیشہ حاصل رہتا ہے خواہ وہ مسلمہ ہو خواہ غیر مسلمہ -

اہل سنت عدہ[4] شوہر کے وفات کی تاریخ سے لیتے ہین - مگر شیعہ عدہ اُس تاریخ سے شمار کرتے ہین جس تاریخ زوجہ کو اُسکی وفات کی خبر پہونچی ہو -

سنیون[5] کے نزدیک زوجہ حاملہ کو بعد طلاق نفقہ دینے کی تکلیف شوہر سے اُسوقت ساقط ہو جاتی ہے جب وضع حمل ہو جائے - مگر شیعون کے نزدیک یہ تکلیف اُسی مدت تک بعد وضع حمل بھی باقی رہتی ہے جتنی مدت تک جب رہتی کہ اگر وہ حاملہ نہوتی -

اگر شوہر مجنون ہو تو شافعیہ کے نزدیک اور مولفین فتاوائے عالمگیری کے قول کے

سلہ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۴۳ — ۱۲ منہ سلہ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۴۶ — جامع الشتات — فتاوائے قاضیخان صفحہ ۱۸۱ — ۱۲ منہ سلہ ہدایہ صفحہ ۳۶۰ — ۱۲ منہ —

موافق زوجہ سال بھر نفقہ پانے کی مستحق ہے اور یہ میعاد قاضی مقرر کرے کہ یہ دریافت کیا جائے کہ اسکا جنون علاج پذیر ہے یا نہین ہے - مالکیہ کے نزدیک زوجہ اسکی مستحق نہین ہے کہ شوہر کے مجنون ہو جانے کی وجہ سے طلاق طلب کرے اور معلوم ہوتا ہے کہ صاحب ہدایہ نے بھی اس مسئلہ مین مالکیہ سے اتفاق کیا ہے - پس اُس فرقہ[1] کے نزدیک زوجہ کا حق نفقہ شوہر کے جنون کے زمانہ مین قائم رہتا ہے گو وہ زمانہ کیسا ہی ممتد یا طولانی ہو مگر شیعون کے نزدیک زوجہ طلاق کی مستحق ہے اگر اُسکے شوہر کا جنون لا علاج ہے - پس اگر وہ اس حق کو عمل مین لا کر طلاق لے لے تو اُسکا حق نفقہ زائل ہو جائیگا -

شوہر کا مسکن

شرع محمدیؐ مین یہ احکام بالتصریح موجود ہین کہ (۱) زوجہ پر اپنے شوہر کے ساتھ رہنا فرض ہے اور جہان وہ جائے وہان اُسکے ساتھ جانا بھی فرض ہے (۲) اگر زوجہ بغیر کسی سبب کافی یا وجہ وجیہ کے اِس سے انکار کرے تو شوہر استرداد حقوق زوجیت یعنی زوجہ کو رخصت کرا پانے کی نالش دائر کرے - اُسوقت حاکم عدالت زوجہ کو حکم دے کہ شوہر کے ساتھ جا کر رہے[1] -

زوجہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنے سے مثلاً ایسے وجوہ سے نہین انکار کر سکتی کہ -

(۱) وہ اپنے مان باپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہے -

(۲) جس مکان مین اُسکا شوہر رہتا ہے وہ اُسکے باپ کے مکان سے دور ہے -

(۳) وہ اپنے مولد سے دور رہنا نہین چاہتی ہے -

(۴) آب و ہوا اُس مقام کی جہان اُسکے شوہر نے سکونت اختیار کی ہے غالباً اُسکو مضر ہوگی

[1] بعض علما کا قول یہ ہے کہ زوجہ شوہر کے ساتھ جانے سے اُسوقت انکار کر سکتی ہے جب وہ ایسے ملک مین جاتا ہے جو اُس ملک سے جہانکی رہنے والی زوجہ ہو برسر جنگ ہو - یہ معنی اس قول کے ہو سکتے ہین کہ زوجہ اپنے شوہر کے ہمراہ دار الحرب مین جانے سے انکار کر سکتی ہے - ۱۲ منہ -

(۵) اُسکو شوہر سے نفرت کلی ہے۔

(۶) شوہر اُس سے بدسلوکی کرتا ہے تاوقتیکہ اُسکو ثابت نہ کردے اور جب ثابت کر دیگی تو قاضی کو اُسے طلاق دلوا دینا شرعًا جائز ہو جائیگا۔

مگر زوجہ کو شوہر کے ساتھ رہنے کی تکلیف شرعی جو ہے وہ تکلیف مطلق نہین ہے۔ یعنی بعض ایسی صورتین بھی ہین جنمین زوجہ کو شوہر کے ساتھ رہنے سے انکار کرنا شرعًا جائز ہے۔ مثلاً اگر شوہر زوجہ سے اکثر بدسلوکی کرتا ہو یا مدت سے اُسکو چھوڑ دیا ہو یا اُس سے کہدیا ہو کہ میرے گھر سے نکل جا یا اُسکے گھر سے چلے جانے پر کچھ تعرض نہ کیا ہو تو شوہر زوجہ کو اپنے گھر مین دوبارا چلے آنے کا حکم نہین دے سکتا یا عدالت کے ذریعہ سے اُسکو اپنے ساتھ رہنے پر مجبور نہین کر سکتا۔ جو نالش استرداد حقوق زوجیت یعنی زوجہ کے رخصت دلاپانے کی دائر کیجائے اُسمین زوجہ کی طرف سے یہ جوابدہی شرعًا ہو سکتی ہے کہ شوہر اُس سے بدسلوکی کرتا ہے یا اُسکی خبرگیری مطلق نہین کرتا۔ مگر جب شوہر سے کوئی ایسا فعل ہوا ہو جس سے یہ اندیشہ ہو کہ اگر زوجہ اُسکے ساتھ اُس مقام پر چلی جائیگی جسکو اُسنے پسند کیا ہے تو بالکل شوہر کے بس مین آجائیگی اور اُسکی زد وکوب کا مانع کوئی نہوگا تو زوجہ پر شرعًا واجب ہے کہ جہان شوہر جائے وہان اُسکے ہمراہ چلی جائے۔ لکن ساتھی اسکے یہ بھی جائز ہے کہ نکاح کے وقت خاص شرائط زن وشوہر کی جاے سکونت کی نسبت کر لیے جائین۔ مثلاً اگر نکاح مین یہ شرط کر لیجائے کہ زوجہ ہمیشہ اپنی ماں باپ پاس رہا کریگی تو پھر شوہر اُسکو ماں باپ کا گھر چھوڑ کر اپنے گھر مین رہنے پر مجبور نہ کر سکیگا۔ ایسی شرط کا عملدرآمد جبھی ہوتا ہے کہ جب نکاح نامہ مین

لہ اکثر یہ مثالین اُن مقدمات سے لیگئی ہین جنکا فیصلہ صوبہ الجیرس کے قاضیون نے کیا ہے۔ اور جو ساٹیرا صاحب اور ڈی منر دیل صاحب نے اپنی کتابون مین نقل کی ہین۔ مگر جو لوگ ہندوستان کی مسلمان عورتون کے طرز معاشرت سے آگاہ ہین وہ ان مثالون سے فورًا سمجھ جائینگے کہ ایسے ہی ایسے عذرات ہندوستان مین بھی نیچ قوم کی عورتین کرتی ہین اور اپنے شوہرون کے ساتھ رہنے سے انکار کرتی ہین۔ ۱۲ مترجم

درج کر لیجاتی ہے۔ صرف اقرار زبانی اس باب مین شرعاً کافی نہین ہے۔

لکن اگر زوجہ ایک مرتبہ بھی اس مقام سے چلی جانے پر راضی ہو جاوے جہان رہنے کا اقرار نکاح کے وقت شوہر سے لیا گیا تھا تو یہ سمجھا جائیگا کہ زوجہ اپنے اس حق سے دست بردار ہو گئی جو بموجب اُس شرط کے اُسکو حاصل ہوا تھا جو نکاح مین کر لی گئی تھی اور اُس مقام پر سکونت قبول کرلے جو اُسکے شوہر نے پسند کیا ہے۔ اگر نکاحنامہ مین کوئی خاص جگہہ لکھدی جاوے کہ شوہر زوجہ کو اُس جگہہ رکھیگا اور بعد ازآن معلوم ہو کہ ایسی جگہہ پر ایک معزز عورت کو رہنا مناسب نہین ہے یا اگر زوجہ وہان رہیگی تو نقصان یا ضرر اُٹھائیگی یا یہ معلوم ہو کہ زوجہ کے مان باپ کا چال چلن اچھا نہین ہے تو شوہر اُس جگہہ سے یا ایسے مان باپ کے گھر سے زوجہ کو زبردستی اور کہین لیجا سکتا ہے۔ اور شوہر اُس صورت مین بھی اپنی زوجہ کو اپنے ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام پر لیجا سکتا ہے جب اُسکو نقل مکان بمقتضی اپنے فرائض منصبی کے کرنا پڑے۔

ڈی منوریل صاحب فرماتے ہین کہ ہر ایک مقدمہ جسمین امر متنازع فیہ شوہر زوجہ کی جاے سکونت ہو اپنی خاص روداد پر موقوف ہے۔ عام اصول شرع محمدی کا اس باب مین وہی ہے جو اور قوانین کا ہے کہ زوجہ کو اپنے شوہر کے ساتھ رہنا فرض ہے الّا اُنکہ کوئی سبب معقول اُسکے انکار کا ہو۔ اس سبب کا کافی یا غیر کافی یا جائز یا ناجائز ہونا قاضی کی رائے پر موقوف ہے اور اُسکا تصفیہ کرنے مین قاضی طرفین کی آبرو اور حیثیت اور اُس ملک کے رسم و رواج کا ضرور لحاظ رکھیگا جس ملک کے وہ باشندے ہون۔

اولاد کی پرورش

قبل شیوع اسلام مشرکین عرب مین اولاد کو پرورش کرنا والدین پر فرض نہ تھا نہ صلۂ رحم بجالانا یا ایک عزیز کو دوسرے عزیز کا تکفل کرنا واجب تھا۔ بلکہ برخلاف اسکے تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ جاہلیت مین جو قبل شایع ہونے دین اسلام اور شرع محمدی

کے جزیرہ نماے عرب مین گذرا اور جسمین لوٹ مار اور خونریزی اس ملک مین شدت سے ہوتی تھی اولاد کے پیدا ہونے سے کچھ تکالیف و فرائض والدین سے نہ متعلق ہوتے تھے بلکہ اولاد اُناث یعنی لڑکیون کا ہونا ایک بلاے عظیم سمجھا جاتا تھا اور لڑکیان زندہ دفن کردیجاتی تھین تاکہ وہ اپنے والدین کے قبیلہ پر ایک بارگران نہو جائین۔

شارع اسلام صلعم نے اِس فعل قبیح کو حرام مطلق کر دیا اور فرمایا کہ اولاد کو پرورش کرنا مان باپ پر فرض ہے مگر ساتھی اِسکے یہ بھی فرمادیا کہ جب مان باپ سن رسیدہ اور ضعیف ہون اور خود اپنی بسر نکر سکتے ہون تو اولاد اپنی پرورش کی خود فکر کرے۔ اور اولاد کو والدین کا اعزاز و احترام کرنا فرض کر دیا اور ہمیشہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ "مطیع و فرمانبردار اولاد اپنی مان کے قدم بقدم بہشت مین داخل ہوتی ہے"۔ اِسی حدیث کو ایم پیرن صاحب اور سائیر اصحاب علماے فرانسیسی نے فرمایا ہے کہ بہت بڑی فارق و ممیز ہے درمیان شرع محمدی اور شرایع سلف کے۔

ایسے ہی ایسے احکام حج کے روسے اولاد کو پرورش کرنا اور اُنکو مناسب تعلیم دینا شرع شریف مین مان باپ پر فرض گردانا گیا ہے۔ اور یہ فرض باپ سے بالطبع متعلق ہے جیسا ہدایہ مین بعبارت صریح و واضح لکھا ہے کہ اولاد نابالغ کی پرورش و پرداخت باپ پر موقوف ہے اور اِس تکلیف مین کوئی شریک و سہیم اُسکا نہین ہے۔

سب معاملات مین جو نابالغ اولاد کے نفقہ سے متعلق ہون خاص اُنکے فائدہ کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ جبتک باپ اُنکو نفقہ دینے کے قابل رہے اُسوقت تک اُسکو اُنکی پرورش و پرداخت واجب ہے اور جو قرض اولاد کے لیے کسی شخص نے لیا ہو وہ باپ کی جائداد سے ادا کیا جائیگا۔

سلہ واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت یعنی جب اُس لڑکی سے جو بیگناہ زندہ دفن کردیگئی تھی روز قیامت پوچھا جائیگا کہ وہ کس جرم پر مار ڈالی گئی۔ ۱۲ قران مجید۔ سلہ ہدایہ صفحہ ۴۰۸۔ ۱۲ منہ

جو شخص اپنے قوت بازو سے اپنے عیال کے لیے نفقہ بہم پہونچا سکتا ہو اُسکو اُنکی پرورش کرنا واجب ہے گو وہ کیسا ہی غریب و نادار ہو یا کیسی ہی عسرت سے بسر کرتا ہو۔

اگر باپ اپنی اولاد حلالی یا حرامی سے عمدًا غفلت کرے یا اُنکو چھوڑ دے اور باوجود مقدرت رکھنے کے اُنکو نفقہ نہ دے تو قاضی کو اختیار اُسکو سزا دینے کا ہے۔[1]

باپ اور اولاد کے اختلاف مذہب سے باپ سے جو اولاد کو نفقہ دینے کی تکلیف شرعی متعلق ہے اُسمین کچھ فرق نہین پڑتا۔[2]

حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر باپ غریب اور ماں متمول ہو تو نابالغ اولاد کو نفقہ دینے کی تکلیف ماں سے متعلق ہو جاتی ہے اور اُسکو یہ حق حاصل رہتا ہے کہ آخر کو وہ نفقہ اپنے شوہر سے مجرا لے اگرچہ اُن لڑکون کا دادا بڑا مالدار ہو۔[3]

شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر باپ غریب ہو مگر دادا متمول ہو تو اولاد کو نفقہ دینے کی تکلیف ابتدائًا دادا سے متعلق ہوتی ہے ماں سے نہین متعلق ہوتی گو وہ کیسی ہی ذی مقدور ہو۔[4]

جب باپ اور ماں دونون غریب ہون مگر دادا ذی مقدور ہو تو پوتی پوتیون کو پرورش کرنے کی تکلیف اُس سے متعلق ہوتی ہے۔ مگر اُسکو یہ حق حاصل رہتا ہے کہ جتنا روپیہ اُنکی پرورش مین صرف کیا ہے وہ سب اُنکے باپ سے وصول کرے۔ لکن اگر باپ ضعیف و عاجز ہو تو دادا اسکا مستحق نہو گا کہ جو روپیہ اُسنے اپنے بیٹے کی اولاد کی پرورش مین صرف کیا ہے اُسکو وصول کرے۔[5]

اولاد ذکور کو نفقہ دینے کا فرض اُنکے بلوغ تک باقی رہتا ہے۔ بعد بلوغ باپ کو اُنکی پرورش کرنا واجب نہین ہے اِلّا اینکہ کسی بیماری یا نقص جسمانی کی وجہ سے وہ محنت و مشقت کرنے سے

---

[1] اس باب مین ایکٹ ۱۰ سنہ ۱۸۷۲ع۔ اور ایکٹ ۳ سنہ ۱۸۷۷ع ملاحظہ ہون۔ [2] سنہ [3] فتاواے عالمگیری صفحہ ۵۰۷۔ ۱۲ منہ [4] فتاواے عالمگیری صفحہ ۵۲۷۔ ۱۲ منہ [5] جامع الشتات ۱۲ منہ [6] فتاواے عالمگیری صفحہ ۵۰۳۔ ۱۲ منہ۔

معذور ہوگئے ہون یا تحصیل علم مین مشغول ہون - جب اولاد ذکور اتنے قوی و توانا ہون کہ خود اپنی معاش حاصل کرسکتے ہون تو بھی باپ انکی بسر گذارہ کے لیے اُنسے کوئی کام لے سکتا ہے یا اُنسے محنت و مزدوری کرا سکتا ہے -[1]

اگر اولاد ذکور محنت کرنے کے قابل ہون مگر جو کام لینا اُنسے تجویز کیا ہے وہ اُنکے مناسب حال نہو یا اُنکے خاندانی عزت کے خلاف ہو تو اُنکی نسبت بھی وہی حکم شرع ہے جو ان لڑکون کی نسبت ہے جو کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے محنت کرنے سے معذور ہون - ایسی صورتون مین محنت کرنے کی قابلیت کا لحاظ اولاد اور والدین دونون کے خاندانی عزت کے اعتبار سے کیا جائیگا -

پس اگر باپ معزز خاندان سے ہو اور اولاد کو ناز و نعم سے پرورش کیا ہو تو ایسی اولاد سے کوئی ایسا کام نہین لے سکتا جو فی نفسہ یا اپنے اوصاف کے اعتبار سے اُنکی آبرو کے خلاف ہو -

اگر پسر بالغ مشلول یا مفلوج یا اور کسی طرح سے معذور ہو تو اُسکو نفقہ دینے کی تکلیف باپ سے متعلق ہے اور اگر وہ مجنون ہو تب بھی یہی ہے -

باپ کو اولاد اناث یعنی لڑکیون کی پرورش کرنا اُنکے نکاح کے زمانہ تک واجب ہے بشرطیکہ وہ اپنی علحدہ معاش کچھ نہ رکھتی ہون - مگر اُنکو کسی حال مین باجرت کام کرنے یا نوکری کرنے کے لیے نہین بھیج سکتا -

نکاح کردینے سے باپ کی تکلیف بیٹی کو نفقہ دینے کی بالکل ساقط نہین ہو جاتی - اگر وہ اپنی بیٹی کا نکاح کسی شخص سے کردے مگر یہ بات اُس سے پوشیدہ رکھے کہ اُسکی لڑکی کسی ایسے مرض مین مبتلا ہے جس سے اُسکے شوہر کو فسخ نکاح کرنا شرعاً جائز ہو گیا ہے تو اس صورت مین بحالت وقوع طلاق باپ اُسکے نفقہ دینے کا ذمہ دار ہوگا -

جو لڑکے اپنی ذاتی جائداد رکھتے ہون دودھ چھٹنے کے زمانہ سے اُنکی پرورش اُسی جائداد سے کیجائیگی - دودھ چھٹنے کے زمانہ تک اُنکو پرورش کرنا اور اُنکے لیے انا کھلائی و حسیدہ

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۵۶۳ - فتاوائے قاضیخان صفحہ ۴۸۲ - ۱۲ منہ

مقرر کرنا باپ پر فرض ہے[1]۔

جب باپ اولاد کی پرورش خود انکی کمائی سے کرے تو اسکو شرعاً واجب ہے کہ جو کچھ انکی کمائی سے بچ رہے اسکی حفاظت اسکے بعد بلوغ انکے حوالہ کردے۔ اگر باپ اس فرض کو ادا نہ کرسکے یا اس امانت میں خیانت کرے تو قاضی کو چاہیئے کہ لڑکون کی کمائی کسی معتبر شخص کے پاس رکھوادے کہ جب وہ بالغ ہون تو انکو دیدے۔

باپ کو اپنے بیٹے کی زوجہ کو نفقہ دینا واجب ہے اگر اسکا بیٹا کم سن یا غریب یا بیمار ہو یا تحصیل علم میں مشغول ہو[2]۔

جب کوئی شخص کچھ جائداد چھوڑکر کسی اور ملک میں چلا گیا ہو تو قاضی اس جائداد مین سے اشخاص ذیل کو نفقہ دلا سکتا ہے بشرطیکہ وہ غریب ہون۔ (۱) زوجہ کو۔ (۲) اولاد ذکور کو اگر نابالغ ہون اور اپنی معاش خود نہ حاصل کرسکتے ہون۔ (۳) اولاد اناث کو خواہ بالغ ہون خواہ نابالغ (بشرطیکہ انکی شادی نہ ہوگئی ہو)۔ (۴) والدین کو[3]۔

عورت اپنے شوہر سے اولاد نابالغ کا نفقہ طے کرسکتی ہے لیکن اگر ایسا طے شدہ نفقہ اولاد کے حق مین مضر ہو تو زوجہ کو اسکی پابندی واجب نہوگی۔ علی ہذا القیاس اگر کوئی عورت طلاق کے وقت شوہر سے اقرار کرلے کہ اولاد اُسی کے پاس رہیگی اور وہی انکی پرورش بلا اعانت کریگی مگر بعد ازان اس عورت کو معلوم ہو کہ افلاس کی وجہ سے اولاد کی پرورش وہ خود نہین کرسکتی تو شوہر اپنی اولاد کو نفقہ دینے پر ضرور مجبور کیا جائیگا گو ایسی شرط طلاق کے وقت ہو چکی تھی۔

شوہر اُس اولاد کی پرورش کا ذمہ دار نہین ہے جو اسکی زوجہ کو پہلے شوہر سے ہو الا اینکہ نکاح کے وقت اُسنے اُسکی پرورش کا اقرار صریحی کرلیا ہو۔

اگر اولاد ذی مقدور ہو اور والدین عسرو فلاکت مین مبتلا ہون تو اولاد کو انکا متکفل کرنا

---

[1] ہدایہ صفحہ ۱۱۴۔ فتاوے عالمگیری صفحہ ۲۰۷۔ فصول عمادیہ۔ جامع الشتات۔ جامع عباسی ۔ ۲ [illegible]
فتاوے عالمگیری صفحہ ۵۳۷ ۔ [3] فتاوے عالمگیری صفحہ ۵۴۷۔ ہدایہ ۔ ۲ [illegible]

واجب ہے اور اِس صورت مین اولاد کی ذمہ داری یکسان ہے خواہ والدین مسلم ہون خواہ غیر مسلم۔ اگر والدین اپنے ہاتھ سے محنت مزدوری کرکے کچھ معاش پیدا کرسکین تو بھی اولاد اُنکو مدد خرچ دینے کی تکلیف سے بری ہوگی۔

اگر اولاد خود محتاج ہو تو مان باپ کا نفقہ اسپر فرض نہین ہے الا اینکہ والدین بالکل ضعیف و ناتوان ہون اور محنت مزدوری سے بھی کچھ معاش پیدا کرسکتے ہون۔ ایسی صورت مین اولاد کو حکم ہے کہ اپنے ضعیف باپ یا مان یا دونون کو اپنے کھانے مین شریک کرلیا کرین۔

حنفیہ کے نزدیک آدمی کو اپنے دادا دادی کو اور اپنے نابالغ اقربا ذکور کو بشرطیکہ محارم شرعیہ مین سے ہون اور مفلس ہون نفقہ دینا واجب ہے۔ اور سب اقربا اُناث جو محرمات شرعیہ مین سے ہون خواہ بالغ ہون خواہ نابالغ مگر مفلس ہون اور وہ اقربا ذکور جو بالغ ہون اور محارم شرعیہ مین داخل ہون مگر نابینا یا مشلول ہون اور مفلس بھی ہون۔ اِن سب کی پرورش بھی واجب ہے۔ مگر دادا اور دادی کے سوا ان سب اقربا کی پرورش کرنا صرف[1] واجب کفائی ہے۔

زوجہ اور اولاد اور والدین اور جدین کے وجوب نفقہ مین حنفیہ کے نزدیک اختلاف مذہب سے کچھ فرق نہین واقع ہوتا مگر اور اقربا کا نفقہ ایسا نہین ہے یعنی متمول مسلمان کو اپنے غیر مسلم اور مفلس بھائی اور چچا اور چچازاد بھائی کو پرورش کرنا واجب نہین ہے۔

شیعہ اور شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک والدین اور اولاد اور زوجہ کے سوا دیگر اقربا کو نفقہ دینا ثواب ہے مگر فرض نہین ہے یعنی شرعاً اُنکا نفاذ واجب نہین ہے۔

---

[1] ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۴۱۱ مین لکھا ہے کہ آدمی کو اپنے باپ اور دادا اور دادی کی پرورش کرنا واجب ہے اگرچہ وہ غریب و نادار ہون گو خلاف مذہب ہون مگر انکا غریب و نادار ہونا اس وجوب کی شرط ہے ۱۲ منہ۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۵۶۔ ۱۲ منہ۔ بعض علمائے شیعہ نے حنفیہ کے ساتھ اتفاق کرکے جدین کو والدین کا ماہ حکم قرار دیا ہے ۱۲ منہ

مصیبت میں ماں باپ کی پرورش بیٹے اور بیٹی دونوں پر فرض ہے۔ جب ماں غریب ہو اور بیٹا بمحنت مزدوری سے روٹی کما سکتا ہو تو اسکو اپنی ماں کو اپنی اولاد کے موافق نفقہ دینا واجب ہے گو وہ خود عسر و فلاکت میں مبتلا ہو۔

اگر بیٹا والدین میں سے صرف ایک یا بہن بھائی میں سے فقط ایک کو نفقہ دینے کی مقدرت رکھتا ہو تو ماں یا دادی ترجیح رکھتی ہے۔ جب کوئی شخص والدین اور ایک اولاد نابالغ بھی رکھتا ہو اور ان سب کو پرورش کرنے کا مقدور نہ رکھتا ہو تو اولاد کا حق والدین پر مقدم ہے۔

جب چند اشخاص سے ایک شخص کو نفقہ دینے کی تکلیف شرعی متعلق ہو تو حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ تکلیف انسے اُن حصوں کی مقدار کے موافق متعلق ہوگی جو وہ لوگ اُس شخص کی میراث میں پائینگے جسکو نفقہ دینا اُنپر واجب ہے۔ مثلاً اگر کوئی غریب آدمی ایک بیٹا اور ایک بیٹی رکھتا ہو اور وہ دونوں آسودہ حال ہوں تو بیٹے کو دو ثلث اور بیٹی کو ایک ثلث نفقہ اپنے مفلس باپ کو دینا پڑیگا۔

جو اصول صوبۂ الجیریا کے قاضیوں نے اختیار کیے ہیں اُنسے اور جامع الشتات میں جو مسائل لکھے ہیں اُنسے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ اور مالکیہ اس باب میں زیادہ معقول قاعدہ کی پابندی کرتے ہیں یعنی اُنکے نزدیک یہ ہے کہ نفقہ دینے کی تکلیف یا ذمہ داری کو اُن اشخاص کی مقدرت اور استطاعت کے موافق قرار دینا چاہیئے۔ مثلاً اگر بیٹی متمول اور بیٹا اسکی بہ نسبت غریب ہو تو بڑا جزو نفقہ کا بیٹی کو دینا چاہیئے۔

جب وہ شخص جسکے ذمہ نفقہ واجب ہے اُس شخص سے جسکو نفقہ دینا واجب ہے کوئی خاص رقم دینے کا اقرار کرلے یا جب قاضی نے حکم دیا ہو کہ ایک خاص رقم اتنی مدت کے بعد

---

۱ فتاوی عالمگیری صفحہ ۵۵۷ ۔ فصول عمادیہ ۔ ہدایہ صفحہ ۴۱۲ ۔ بحر الرائق ۔ جامع الشتات مفاتیح

۲ فتاوی عالمگیری صفحہ ۵۵۵ ۔ فصول عمادیہ ۔ ہدایہ صفحہ ۴۱۲ ۔ بحر الرائق ۔ جامع الشتات ۔ مفاتیح ۔ ۱۲ مسئلہ

دیجا یا کرے اور پھر ان دونوں شخصوں کی حالت میں کچھ تغیر واقع ہو تو اُس تغیر کی وجہ سے انکی ذمہ داری کو دوبارا تشخیص کرنا جائز ہو جائیگا۔ اگر ذمہ داری قاضی کے حکم سے مقرر ہوئی ہو تو قاضی کو اختیار ہے کہ جب فریقین کی حالت میں کوئی تغیر واقع ہونا ثابت کردیا جائے تو اپنے حکم میں ترمیم کرکے اُس حالت تغیر شدہ حالت کے مناسب و موافق کردے۔

اگر وہ شخص جسکے نام قاضی نے حکم صادر کیا ہے اُس حکم کی تعمیل سے قاصر رہے تو اسکا اسباب قرق یا بیع کرکے یہ قرضہ لے لیا جاسکے یا اُس نزد اور عدم تعمیل حکم قاضی کے جرم میں وہ قید کیا جائے

صرف مفلسی کے عذر سے کوئی شخص اپنی زوجہ اور اطفال کو نفقہ دینے سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔ اگر وہ شخص محنت کرکے معاش حاصل کرسکتا ہے اور اگر وہ لنگڑا یا ایسا ضعیف و نحیف نہیں ہے کہ قوت لایموت نہ حاصل کرسکتا ہو تو اُسکو اپنے عیال و اطفال کے لیے نفقہ مہیا کرنا فرض ہے۔ فقط

حاشیہ

یہ بیان کرنا مناسب ہے کہ شوہر و زوجہ کی سکونت کے باب میں شرع محمدی یہود اور رومیوں کی قوانین پر گوے سبقت لیگئی ہے۔ یہود کی شریعت میں جو عورت اپنے خاوند کے ہمراہ جانے سے انکار کرتی تھی جہاں کہیں وہ اُسکو لیجانا چاہتا تھا تو اُس عورت کا مہر ساقط ہوجاتا تھا اور جو جہیز وہ اپنے ماں باپ کے گھر سے لاتی تھی وہ ضبط ہوجاتا تھا اور اُسکے تمام حقوق شرعی زائل ہوجاتے تھے رومیوں کے قانون کے بموجب زوجہ شوہر کے ہمراہ بے عذر چلی جاتی تھی اور ذرا بھی مجال انکار نہ رکھتی تھی اور یہی اصول اِس زمانہ کے قانون انگلستان میں نقل ہوآیا ہے۔

مجموعہ قوانین نپولین (آرٹکل ۲۱۴) میں لکھا ہے کہ عورت پر فرض ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ رہا کرے اور جہان وہ رہنا چاہے اُسکے ہمراہ چلی جاوے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ چاہے

سلہ شرائط دفعہ ۳۲۳ اور اُسکے بعد کے دفعات ایکٹ ۱۴ سنہ ۱۸۸۲ع اور اُنھیں کے تابع دفعات ایکٹ ۱۸۸۲ع ملاحظہ ہوں ۱۲ منہ

وہ مقام کیسا ہی مخدوش ہو عورت مجال انکار نہین رکھتی ہے۔ مگر شرع محمدی مین اکثر صورتون مین عورت کو یہ حق دیا گیا ہے کہ اُسکے خاوند نے جو مقام سکونت پسند کیا ہو اُسپر اعتراض کرے جیسا متن مین بیان کیا گیا۔

مجموعہ قوانین نپولین اور شرع محمدی دونون کے بموجب جو عورت چند روز کے لیے اپنے شوہر کے مکان کو چھوڑ کر چلی جاوے اُسکے تمام حقوق زوجیت نہین زائل ہو جاتے (جیسا یہود کی شریعت مین ہے) بلکہ صرف نفقہ کا حق جاتا رہتا ہے۔

دسوان باب[1]

مہر معجل و موجل۔

شرع محمدی مین جواز نکاح اسپر موقوف ہے کہ شوہر کچھ معاوضہ زوجہ کو خاص اُسکے استعمال اور فائدہ کے لیے دینے کو کہے۔ اس معاوضہ کو فقہا کی اصطلاح مین مہر یا صداق اور عُرف مین دین مہر کہتے ہین۔

مہر کا اصول شرع محمدی سے مخصوص نہین ہے۔ سائیلز صاحب کے نزدیک اِس رسم کی اصل یہ ہے کہ زمانہ سلف مین شوہر زوجہ کے لیے ذریعہ معاش مہیا کر دیتا تھا اور اِس سے یہ بھی مقصود تھا کہ عورت اپنے شوہر کے اختیار طلاق کے خودسرانہ اور بلا قید عمل مین لا لے جانے سے محفوظ رہے۔

یہود کی شریعت مین تاکید تھی کہ دین مہر قبل تزویج معین کر دیا جائے۔ اور بے تعین مہر نکاح ناجائز تھا۔ مگر یہود مین جو مہر زوجہ کا مقرر کیا جاتا تھا وہ اُسکے خاص استعمال اور فائدہ کے لیے کبھی نہ دیا جاتا تھا بلکہ اُسکو کوئی حق مہر پر نہ حاصل ہوتا تھا تاوقتیکہ فسخ نکاح خواہ بسبب انتقال شوہر خواہ بوجہ طلاق نہ ہو جاتا تھا۔ البتہ فسخ نکاح کی صورت مین زوجہ کا مہر اُسکو دے دیا جاتا تھا

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۳۲ – ۳۰۴ – فتاوائے قاضیخان صفحہ ۴۴۵ – فصول عمادی – کنز الدقائق ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۵ – در المختار – کتاب الانوار – جامع الشتات – شرایع الاسلام – مفاتیح ارشاد علامہ – سائیلز صاحب اور ڈی او ہسن صاحب اور مائنی صاحب کی کتابین ۱۲ منہ

پھر اُسکو اختیار تھا کہ اُس مہر کو جو چاہے کرے[1]۔

شرع محمدی میں جو نکاح بلا تعیین مہر وقوع میں آیا ہو وہ ناجائز نہیں تصور کیا جائیگا بلکہ جب مہر معین نہ کیا جائے تو شرعاً یہ قیاس کرلیا جاتا ہے کہ زوجہ کو کچھ معاوضہ دینا چاہیئے اور وہ معاوضہ ایک مسلّم بنیاد پر مشخص کرلیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ زوجہ کو ایک حق فوری مہر کا یا اُسکے اُس جزو کا جو معجل ہو حاصل ہو جاتا ہے۔

شرع محمدی کا مہر تمام اعتبارات شرعیہ سے رومیوں کے مہر سے مشابہ ہے۔ مہر ایک معاوضہ ہے جو قبل تکمیل نکاح اور بمعاوضہ نکاح زوجہ کے لیے مقرر کر دیا جاتا ہے۔ مگر رومیوں کے مہر اور مسلمانوں کے مہر میں یہ فرق عظیم ہے کہ رومیوں کا مہر اختیاری تھا یعنی اُسکا ادا کرنا شوہر کے اختیار میں تھا۔ لکن مسلمانوں کا مہر بالکل اضطراری ہے یعنی شوہر اُسکے ادا کرنے پر شرعاً مجبور ہے چنانچہ فتاوائے عالمگیری میں لکھا ہے کہ[2] مہر نکاح کو ایسا لازم ہے کہ اگر اُسکا ذکر نکاح کے وقت یا معاہدہ نکاح میں نہ کیا جائے تو شرعاً وہ نفس معاہدہ نکاح سے قیاس کرلیا جائیگا[3]۔

اگر عورت قبل نکاح یہ شرط کرلے کہ مہر سے دست بردار ہو جائیگی تو ایسی شرط شرعاً ناجائز اور غیر مؤثر ہے اور اگر ایسی شرط کرلیجاوے تو بھی وہ مہر المثل کی مستحق رہیگی۔ البتہ بعد نکاح اُسکو مہر معاف کر دینے کا اختیار ہے اور یہ بھی اختیار ہے کہ مہر کی عوض میں جو جائداد اُسکو شوہر نے دی ہے وہ اُسکو واپس کر دے۔

یہ گمان کیا گیا ہے کہ جواز نکاح تعیین مہر پر موقوف ہے اور جب نکاح کا کچھ معاوضہ نہو یا زوجہ کے مفید کوئی بندوبست نہ کر دیا گیا ہو تو وہ نکاح ناجائز ہے۔ مگر ہدایہ اور فتاوائے قاضیخان میں صاف لکھا ہے کہ اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہوا ہو تو بھی نکاح شرعاً جائز ہوگا اور اُسکی

---

[1] یونانیوں اور رومیوں میں زوجہ جہیز لاتی تھی۔ اور مجموعہ قوانین نپولین میں بھی کیفیت فرانسیسی جہیز کی لکھی ہے۔ اور انگلستان میں بھی لڑکی کو جہیز دینے کا رسم اسی طرح ہے جیسا مسلمانوں میں ہے ۱۲ منہ [2] فتاوائے قاضیخان صفحہ ۳۲۶۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۲۸۔ جامع الشتات ۱۲ منہ

عنایت ہدایہ میں یہ لکھی ہے کہ "لفظ نکاح کے لغوی معنی معاہدۂ وصل ہے کہ نکاح کے ذریعہ سے مرد اور عورت میں وصل ہوتا ہے اور چونکہ ادا کرنا مہر کا زوجہ کی تعظیم کے لیے شرعًا واجب کیا گیا ہے لہذا مہر کا ذکر کرنا جواز نکاح کو لازم نہیں ہے۔ اسی وجہ سے نکاح جائز ہے اگرچہ کوئی شخص معاہدۂ نکاح خاص اس شرط پر کرے کہ کچھ مہر نہ باندھا جاوے"[1]

اسی طرح سے شیعوں کی کتاب شرائع الاسلام اور جامع الشتات میں لکھا ہے کہ "مہر کا ذکر کرنا ہرگز شرط مقدم جواز نکاح کی نہیں ہے پس اگر کوئی شخص کسی عورت سے بلا ذکر یا بغیر تعیین مہر عقد کرلے یا خاص یہ شرط کرے کہ کچھ مہر نہ دیا جائیگا تو وہ نکاح جائز ہوگا اور شرعًا زوجہ کو مہر المثل[2] دلایا جائیگا"

مہر المثل اور مہر المعیّن

حنفیہ کے نزدیک ہر ایسی چیز کا مہر ہوسکتا ہے جس پر قبض و تصرف ہوسکے یا جس پر حال میں یا آئندہ قبضہ ہوسکے بلکہ جس چیز پر لفظ مال صادق آسکے اور جو چیز قیمت رکھتی ہو اسکا مہر[3] ہوسکتا ہے چنانچہ فتاواے عالمگیری میں لکھا ہے کہ "جو چیز مال یا جائداد کا مصداق ہو اور قیمت معینہ رکھتی[4] ہو اسپر شرعًا مہر بندھ سکتا ہے۔ منافع[5] پر بھی مہر بندھ سکتا ہے۔ البتہ اگر ناکح حر ہو تو خاص اسکی خدمت پر مہر نہیں بندھ سکتا ہے۔ اگر وہ اس شرط سے نکاح کرے کہ مہر کے عوض میں زوجہ کی کچھ خدمت[6] کریگا تو نکاح صحیح ہوگا مگر وہ عورت مہر المثل کی مستحق ہوگی" پس حنفیہ کے نزدیک بیمہ کے روپیہ پر بھی مہر بندھ سکتا ہے۔ اور یہ بھی انکا قول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ مہر کے عوض میں اسکو مذہبی تعلیم دیگا یا اسکو حج کرالائیگا تو یہ شرط غیر موثر ہوگی اور وہ عورت مہر المثل کی مستحق[7] ہوگی۔

---

[1] ترجمہ فارسی ہدایہ کتاب ۲ باب ۱۔ ۱۲ منہ [2] مفاتیح اور ارشاد علامہ اور من لا یحضرہ الفقیہ بھی ملاحظہ ہو۔ ۱۲ منہ
[3] فتاواے قاضیخان صفحہ ۲۴۲۔ ۱۲ منہ [4] خواہ منافع اراضی ہو خواہ منافع لونڈی وغیرہ یا منافع تجارت یا قیمت وغیرہ ہو ۱۲ منہ
[5] المہر انما یصح بکل ما ھو مال متقوم والمنافع تصلح مہرا غیر ان الزوج اذا کان حرا وقد تزوجہا علی خدمتہ ایاہا جاز النکاح ویقضی لہا بمہر المثل۔ فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۴۲۔ ۱۲ منہ [6] فتاواے قاضیخان صفحہ ۲۴۲۔ فصول عمادیہ ۱۲ منہ

مبب کوئی ایسی چیز مہر مین دیجائے جو نکاح کے وقت حقیقۃً یا شرعاً موجود نہو تو ایسا مہر ناجائز ہے - مثلاً کوئی شخص اپنی زوجہ کے مہر مین اپنی آراضی غیر مقبوضہ یا درختون کی آیندہ کی پیداوار دے تو ایسا مہر ناجائز ہے اور وہ عورت مہر المثل کی مستحق ہوگی - لیکن اگر محاصل بیع یا زرِ ثمن اُس چیز کا مہر مین دے جو اُسکی ملک مین موجود ہو یعنی جسکا وہ بالفعل مالک ہو تو ایسا مہر شرعاً جائز[ا] ہوگا -

مگر شیعہ[۲] اور شافعیہ کے نزدیک حُر یعنی آزاد آدمی مہر کے بدلے زوجہ کو اپنی خدمات دے سکتا ہے اور شیعون کے نزدیک مذہب یا صنعت وحرفت کی تعلیم پر اور اس اقرار پر کہ شوہر زوجہ کو حج یا زیارت کو لیجائیگا اور مال غیر موجود کی منفعت اور منافع آیندہ وغیرہ ان سب چیزون پر مہر بندھ[۳] سکتا ہے -

مہر کی تعداد مختلف ملکون مین مختلف ہوتی ہے - کوئی خاص قاعدہ منتہی تعداد مہر کا نہین ہے - اُسکی مقدار طرفین کے اعزاز خاندانی اور اُس قوم یا گروہ کے حالات پر موقوف ہے جسمین وہ[۴] رہتے ہون چنانچہ شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ ”اکثر یا اقل مقدار مہر کی کوئی حد نہین ہے“ کیونکہ یہ ایک قسم کا معاہدہ درمیان شوہر وزوجہ کے ہے - جبتک وہ چیز جسپر مہر بندھا ہو قیمت معینہ رکھتی ہے اُسوقت تک وہ مہر شرعاً جائز سمجھا جائیگا - سنی اور شیعہ مین مہر کے اصول کے باب مین کچھ اختلاف نہین ہے - دونون فرقون کے نزدیک مہر کا معتدل المقدار ہونا مستحسن ہے مگر اس استحسان کو ہندوستان کے مسلمان نہین مانتے اور اُنکے نہ ماننے کے وجوہ اس کتاب کے مقدمہ مین بیان ہوچکے ہین -

قدما علما حنفیہ نے اقل مقدار مہر دس درہم مقرر کیے تھے - مگر مالکیہ چونکہ ایسے ملک مین رہتے تھے جو حنفیہ کے ملک کی بہ نسبت مفلس تھا اور آبادی بھی کم تھی لہذا اُنھون نے اقل مقدار مہر یا صداق تین درہم قرار دی ہے - یہی

[ا] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۷۴ - ۱۲ - منہ [۲] ہدایہ (ترجمہ فارسی) کتاب ۲ باب ۳ - شرایع الاسلام صفحہ ۲۷۹ - ۱۲ منہ [۳] جامع الشتات ۱۲ - منہ [۴] مصعب ابن زبیر نے حضرت ابوبکر کی پوتی کا مہر پانچ لاکھ درہم مقرر کیا تھا - رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص قاعدہ مقدار مہر کا نہین ارشاد فرمایا بلکہ اسکو رسم ورواج پر موقوف رکھا - مگر چونکہ آپ نے بیبیو کا مہر پانچ سو درہم پر باندھا تھا لہذا شیعون کے نزدیک مقدار مہر کی سنت ۱۲ منہ

مقدار عرب قبل شیوع اسلام اپنی ازواج کو بطور مہر دیا کرتے تھے اور علاوہ اسکے گلہاے گوسفند وغیرہ بھی مہر مین دیتے تھے۔ اور کم سے کم اسی مقدار کی چوری کی سزا قطع یدین تھی یعنی دونون[1] ہاتھ کاٹ ڈالے جاتے تھے۔

یہ اقل مقدار مہر مدت سے متروک ہوگئی ہے اور اب اکثر ممالک مین یہ دستور ہوگیا ہے کہ شوہر و زوجہ کی حیثیت کے لحاظ سے مہر مقرر کیا جاتا ہے۔

مثلاً ہندوستان مین دیکھیے کہ اس حصہ گروہ اسلام مین جو انگلستان کے اوسط درجہ کے طبقہ اعلی کے لوگون کا ہمپایہ ہے مہر کی مقدار چار ہزار روپیہ سے چالیس ہزار روپیہ تک ہوتی ہے صوبہ بہار مین عموماً چالیس ہزار روپیہ کا مہر المثل سمجھا جاتا ہے۔ مگر بنگالہ مین چار ہزار روپیہ کا مہر المثل سمجھا جاتا ہے۔ اور ادنی قومون مین مہر کی مقدار پچیس روپیہ سے چار سو روپیہ تک ہوتی ہے۔ مگر امرا و رؤسا مین لاکھا روپیہ مہر باندھا جاتا ہے۔

جب نکاح کے وقت کچھ مہر نہ مقرر ہوا ہو یا قبل یا بعد نکاح کسی مقدار مہر کی تعیین و تصریح نہ کردی گئی ہو یا مہر عمداً یا سہواً غیر معین چھوڑ دیا گیا ہو تو عورت اس مہر کی مستحق ہوگی جسکو شرع مین مہر المثل یعنے اسکے امثال و اقران کا مہر کہتے ہین۔

عورت کا مہر المثل اسکے باپ کے خاندان کی عزت کے خیال سے اور خود اسکے اوصاف شخصی کے لحاظ سے بھی مشخص کیا جاتا ہے۔ اور ہدایہ مین لکھا ہے کہ وہ مہر المثل عورت کے باپ کے کنبہ کی عورتون کے مہر پر بھی قیاس کرکے مقرر کیا جاتا ہے۔ جیسے اسکی علاتی بہنین اور پھوپھیان اور چچا زاد بہنین۔

مہر مقرر کرنے مین علاوہ اس رواج کے جو عورت کے باپ کے خاندان مین ہو اور امور کا بھی لحاظ کرنا چاہیے۔ مثلاً اگر ایک بہن کی شادی امیر سے ہوئی ہو اور دوسری بہن کی شادی غریب سے ہوئی ہو تو ایک کے مہر پر قیاس کرکے دوسری کا مہر نہین بندھ سکتا۔ لہذا عورت کا مہر المثل

[1] قرون اوسطی مین انگلستان مین یہ قانون جاری تھا کہ جو شخص ایسی چیز چرا تا تھا جسکی قیمت پانچ شلنگ ہوتی تھی اسکو سزاے موت دیجاتی تھی ۱۲ مسنہ

لگانے کا یہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ اُسکے شوہر کی حالت باعتبار شرافت اور دولت کے اُس
عورت کے شوہر کی حالت کے مانند ہو جو اُسکے مثل قرار دیگئی ہے۔[1]

اسی طرح سے ممکن ہے کہ کوئی عورت اپنے باپ کے کنبہ کی سب
عورتون سے کمالات عقلی یا محاسن ذاتی مین افضل ہو پس اُسکا مہر اُسکے کنبہ کی
اُن عورتون کے مہر پر قیاس کرکے نہین مقرر ہو سکتا جو ویسے کمالات اور ویسے
محاسن نہین رکھتین[2]۔

شیعون مین بھی یہی قاعدہ مہر المثل کا جاری ہے۔ چنانچہ ارشاد علامہ
مین لکھا ہے کہ "وہ مہر المثل عورت کی شرافت خاندان اور حسن وجمال اور اُسکے کنبہ
کی عورتون کو دیکھکر قرار دیا جاتا ہے" تہذیب الاحکام اور جامع الشتات مین
اسمین اتنا اور بڑھا دیا ہے کہ "چونکہ مہر کے باب مین مختلف مقامات کا مختلف رواج
ہے لہذا مہر المثل مقرر کرنے مین رواج مختص المقام کا لحاظ رکھنا چاہیئے اور خاص کر اُن
عورتون کے مہر کا لحاظ کیا جائے جو حسب ونسب اور علم وفضل اور مال و دولت اور فہم وفراست
وغیرہ مین اُس عورت کی مدمقابل ہون[3]"

شیعون مین بھی مہر تین قسم کا ہے۔ (۱) مہر سنت یعنی وہ مہر جو رسول اللہ
صلعم نے اختیار کیا تھا اور جسکی مقدار پانچ سو درہم ہے۔ (۲) مہر المثل (۳)
مہر المسمے یعنی وہ مہر جسکی تعیین وتصریح ہوگئی ہو۔

بعض علما شیعہ کا قول یہ ہے کہ جب نکاح کے وقت کچھ مہر نہ طے ہوا ہو اور عورت کے رواج
خاندان سے اُسکے مہر کا قیاس کیا جائے تو اس صورت مین مہر کی مقدار پانچ سو درہم سے

[1] فتاوے عالمگیری صفحہ ۲۰۳۔ ۱۲ منہ [2] ہدایہ مین لکھا ہے کہ وہ عورت کا مہر المثل مشخص کرنے مین
اُسکی برابری عمر مین اور حسن وجمال اور دولت ومال اور فہم وفراست اور نیک بختی اور پاکدامنی مین
اُن عورتون کے ساتھ دیکھی جائے جنکے مہر پر قیاس کرکے اُسکا مہر باندھا جائے اسواسطے کہ اِن
اُمور کے اختلاف سے مہر مختلف ہوتا ہے اور علے ہذا القیاس اختلاف محل ومقام اور اختلاف
زمانہ سے بھی مہر مین اختلاف ہو جاتا ہے۔ (ترجمۂ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۴۰۔ ۱۲ منہ [3]
مہر المثل صرف اُن صورتون مین لیا جاتا ہے جنمین نکاح شرعاً صحیح وجائز ہو۔ اگر مرد اور عورت مین صرف تنہائی
ہو تو مہر نہ رکھا جائیگا۔ جامع الشتات۔ ۱۲ منہ

زیادہ ہونی چاہیے۔

مگر قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ مہر نکاح کے پیشتر طے کر لیا جاتا ہے علی الخصوص ہندوستان میں کوئی شرط مہر سے متعلق نکاح کے بعد نہیں قرار دیجاتی ہے۔[1]

امام مالک نے اپنے مقلدین کو حکم فرمایا ہے کہ قبل زفاف سارا مہر ادا کر دیا کرو اور جو قاعدہ انھون نے مقرر کر دیا ہے اسی پر عملدرآمد اُن سب ملکون مین ہے جہان اُنکا طریق جاری ہے۔

چونکہ قرآن مجید کی کسی آیت سے یا کسی حدیث سے یہ نہین ثابت ہوتا کہ کُل مہر قبل زفاف دیدینا شرعاً واجب ہے لہذا اکثر اصحاب لکھتے ہین کہ متاخرین علمار اسلام کا یہ قول ہے کہ ایک جز مہر بمجرد طلب فوراً دیدینا چاہیے اور باقیماندہ اسوقت جب فسخ نکاح خواہ بسبب طلاق خواہ بوجہ وفات احد المتناکحین وقوع مین آئے جز کہ جز مہر فوراً ادا کر دینا چاہیے اُسکو مہر معجل کہتے ہین اور زوجہ کو اختیار ہے کہ جبتک یہ جز مہر ادا کر دیا جائے اسوقت تک شوہر کے گھر مین قدم نہ رکھے دوسرے جز کو مہر مؤجل کہتے ہین۔ یہ جز مہر فسخ نکاح کے وقت تک واجب الادا نہین ہوتا۔ ہندوستان مین یہ دستور ہے کہ نصف مہر معجل اور نصف مؤجل مقرر کیا جاتا ہے مگر طرفین کو اختیار ہے کہ اور کوئی شرط قرار دے لین مثلاً کُل مہر شوہر یا زوجہ کی وفات تک نہین ادا کیا جاتا۔ بلکہ ہندوستان کے مسلمانون مین مہر مؤجل ایک قسم کا جرمانہ ہوتا ہے جو اس غرض سے واجب الادا باقی رکھا جاتا ہے کہ شوہر کو جملہ شرائط نکاح کی تکمیل بجبوری کرنی پڑے۔

صدر عدالت دیوانی آگرہ نے ایک مقدمہ مین یہ فیصلہ کیا تھا کہ جب نکاح کے وقت کوئی جز مہر معجل نہ قرار دیا گیا ہو تو زوجہ صرف ثلث مہر بطور مہر معجل پانے کی مستحق ہوگی اور مابقی شوہر کی وفات کے وقت واجب الادا ہوگا۔ اس مقدمہ کے فیصلہ کا جو رپورٹ کیا گیا ہے[2]

---

[1] مقدار مہر کی کوئی حد و پایان نہین ہے۔ شرایع الاسلام۔ فتاوائے قاضی خان صفحہ ۴۲۷ – ۲ اسنہ

[2] مقدمہ مہر علی بنام امانی بیگم لا رپورٹ بنگالہ جلد ۲ صفحہ ۳۰۶ – ۱۲ اسنہ

اُس سے یہ نہین معلوم ہوتا کہ آیا یہ مقدمہ سُنّی یا شیعہ کے طریق کے موافق فیصلہ کیا گیا ہے۔
مذہب شیعہ مین یہ ہے کہ اگر مہر ادا کرنے کا کوئی وقت نہ مقرر کیا ہو یا اگر مہر کی تصریح صرف عام الفاظ مین کر دی گئی ہو اور نکاح مین اسکی تصریح نہ کی گئی ہو کہ مہر معجّل کتنا ہے اور موجّل کتنا ہے تو کل مہر معجّل سمجھنا چاہیئے۔[سلہ]
مگر مذہب حنفی مین یہ ہے کہ ہر ایک مقدمہ کا فیصلہ اُسکی خاص رو داد پر کرنا چاہیئے۔ چنانچہ فتاوے قاضیخان مین لکھا ہے کہ[سلہ] جب طرفین نے کہدیا ہو کہ اتنا مہر معجّل ہے تو اُتنا مہر فوراً ادا کیا جائے مگر جب یہ نہوا ہو تو اُس عورت پر اور اُس مہر پر جسکا ذکر نکاح مین ہوا ہے نظر کرکے یہ قیاس کیا جائے کہ اُس مہر مین سے کتنا ایسی عورت کو فوراً دینا چاہیئے پس جو مبلغ اسطرح سے قرار دیا جائے وہی معجّل سمجھا جائیگا اور ربع یا خمس کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے اور جو رواج ہو اسکا بھی لحاظ کرنا ضرور ہے لکن جب یہ شرط کر لیجائے کہ کل مہر معجّل ہوگا تو سارا مہر فوراً بلا لحاظ رواج ادا کر دینا واجب ہے۔ وہ فیصلہ صدر عدالت دیوانی اگرہ کا جسکا ذکر سابق مین کیا گیا ہائی کورٹ الہ آباد کے ایک فیصلہ سے ضمناً منسوخ ہو گیا ہے۔ بمقدمہ عیدن بنام مظہر حسین اور بمقدمہ توفیق النسا بنام غلام قنبر ہائی کورٹ[سلہ] الہ آباد نے وہی اصول اختیار کر کے نافذ کیا ہے جو فتاوے قاضیخان مین لکھا ہے پہلے مقدمہ مین مظہر حسین علی نے اپنی زوجہ پر رخصت دلا پانے کی نالش کی۔ اُسکا مہر نکاح کے وقت پانچہزار روپیہ قرار پایا تھا مگر یہ شرط نہوئی تھی کہ اسمین سے کتنا معجّل اور کتنا موجّل ہے۔ زوجہ نے کہا کہ جبتک جزو معجّل میرے مہر کا نہ دیا جائیگا اُسوقت تک شوہر کے مکان مین نجاؤنگی

سلہ جامع الشتات ۱۲ منہ سلہ ان بینوا قدر المعجل یعجل ذلک وان لم یبینوا شیئاً ینظر الی المرءۃ والی المهر المذکور فی العقد انه کم یکون المعجل لمثل هذه المرءۃ من مثل هذا المهر فیعجل ذلک معجلاً ولا یقدر بالربع ولا بالخمس وانما ینظر الی المتعارف وان شرطوا فی العقد تعجیل کل المهر یعجل الکل معجلاً ویترک العرف فتاوے قاضیخان صفحہ ۴۳۶ - فتاوے عالمگیری صفحہ ۴۴۴ — ۱۲ منہ سلہ انڈین لا رپورٹ سلسلہ الہ اباد جلد ۱ صفحہ ۲۰۳ — ۱۲ منہ

اِس مقدمہ میں یہ تجویز ہوا کہ جب کوئی خاص شرط نکاح میں نہیں ہوئی ہے کہ کُل مہر مؤجل ہوگا تو ایک جز مہر کو معجل سمجھکر فوراً ادا کردینا چاہئے اور اس جز کی مقدار رواج کا لحاظ کرکے مقرر کیجائے مگر جب کوئی رواج نہو تو عدالت اُسکی مقدار کو زوجہ کی حیثیت اور مہر کی مقدار پر نظر کرکے مقرر کریگی اور حکم اِس مقدمہ میں جو اسوقت زیر بحث ہے زوجہ جو عقد ہونے کے پیشتر فاحشہ تھی لہذا عدالت ماتحت نے اپنے اختیار کو صحیح طور سے عمل میں لاکر یہ تجویز کیا ہے کہ اس عورت کے باب میں صرف ایک خمس مہر کو معجل سمجھنا چاہیئے " دوسرے مقدمہ توفیق النساء بنام غلام قنبر کے فیصلہ میں بھی اسی قاعدہ کی پابندی کی گئی ہے -

جب قبل نکاح کوئی تعداد مہر نہ مقرر ہوئی ہو تو طرفین بعد عقد اُسکی مقدار کو باہم طے کرسکتے ہیں ایسے مہر کو مہر تفویض کہتے ہیں اور جب مہر کو پنچایت یا حاکم شرع مقرر کردے تو اُسکو مہر تحکیم کہتے ہیں -

حنفیہ کے نزدیک حق مالکانہ مہر پر زوجہ کو باوقات ذیل حاصل ہوجاتا ہے - (۱) بعد زفاف (۲) جب خلوت صحیحہ ہوجائے جو حنفیہ کے نزدیک بمنزلہ زفاف ہے - (۳) جب شوہر یا زوجہ قبل یا بعد زفاف مرجائے -

مثلاً اگر شوہر زفاف یا وطی کرچکا ہو تو زوجہ کُل مہر معین کی مستحق ہوجاتی ہے اور گو اُسکو صرف جزء معجل وصول ہوا ہو مگر اُسکو اختیار ہے کہ کُل مہر کو اپنے شوہر پر ایک خاص قرضہ قرار دیدے جب زفاف کے بدلے صرف خلوت صحیحہ[1] ہوئی ہو تب بھی یہی ہوگا - اسی طرح سے اگر شوہر قبل یا بعد زفاف مرجائے تو زوجہ کو حق مطلق کُل مہر کا حاصل ہوجائیگا یا اگر اسی طرح سے زوجہ مرجائے تو اُسکے ورثہ اُسکے مہر کے مستحق ہوجائینگے -

شیعہ اور شافعیہ کے نزدیک زوجہ کو کُل مہر پر حق صرف بعد زفاف حاصل ہوتا ہے یا اُسوقت

---

[1] فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ " مہر تین باتوں میں سے ایک بات کے ہونے سے متحقق ہوتا ہے یعنی زفاف یا وطی - یا خلوت صحیحہ یا وفات شوہر یا زوجہ خواہ مقدار مہر معین کردی گئی ہو خواہ مہر المثل قرار دیا جائے " صفحہ ۸۲ج ۲ - ۱۲ منہ

حاصل ہوتا ہے کہ جب وہ یا اُسکا شوہر قبل زفاف اور بحالت بقاے نکاح مرجاے۔ انکے نون فرقون کے نزدیک خلوت صحیحہ بلا زفاف سے زوجہ کل مہر پانے کی مستحق نہین ہوتی۔

حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر قبل زفاف یا قبل خلوت صحیحہ شوہر و زوجہ مین جدائی ہو جائے تو زوجہ نصف مہر معین کی مستحق ہوگی۔ لیکن اگر نکاح کے وقت مہر کی مقدار نہ معین ہوئی ہو تو زوجہ صرف کچھ بطور نذر پانے کی مستحق ہوگی جسکی مقدار اُس ملک کے رواج پر موقوف ہے۔ اگر عورت کا مہر تفویض یا مہر تحکیم مقرر ہوا ہو تو وہ اُس مہر کا نصف بھی نہین طلب کر سکتی اگر طلاق قبل زفاف ہو گیا ہو بلکہ صرف کچھ بطور نذر کے پائیگی۔

اصل مسئلہ مین شیعہ اور حنفیہ مین اتفاق ہے شیعون کے نزدیک بھی یہی ہے کہ اگر طلاق قبل زفاف واقع ہوا ہو تو عورت صرف نصف مہر مسمّٰی کی مستحق ہوگی مگر انھون نے حنفیہ سے اس امر مین اختلاف کیا ہے کہ جب مہر تفویض یا مہر تحکیم زوجہ کا بعد نکاح قرار دیا گیا ہو اور شوہر اُسکو قبل زفاف طلاق دیدے تو زوجہ ایسے مہر کا نصف پانے کی اُسی طرح مستحق ہوگی جسطرح مہر مسمّٰی کا نصف پانے کی مستحق ہوتی ہے[1]۔

حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر شوہر نے قبل زفاف طلاق دیدیا ہو اور تعیین مہر نہوئی ہو تو شوہر پر بطور نذر کچھ زوجہ کو دینا واجب ہے۔ مگر یہ بھی شوہر کو اُسوقت واجب ہے جبکہ طلاق کا سبب اُسکی طرف سے پیدا ہوا ہو۔ مثلاً جب شوہر اور زوجہ مین تفرقہ اس سبب سے واقع ہو کہ شوہر عنین یعنی نامرد ہو یا مرتد ہو گیا ہو یا جب اُنکے تفرقہ کا سبب طلاق ہوا ہو اور زفاف یا خلوت صحیحہ نہوئی ہو اور تعیین مہر قبل نکاح ہو چکی ہو تو اس صورت مین شوہر پر فرض ہے کہ زوجہ کو کچھ نذر دے۔ لیکن اگر تفرقہ کا سبب زوجہ کی طرف سے پیدا ہوا ہو تو شوہر کے ذمہ کچھ نذر کسی نا شرعًا نہین عائد ہوگا۔ مثلاً اگر زوجہ مرتد ہو جائے یا مرتکب زنا ہو یا عدم کفاءت یا ... وغیرہ کی وجہ سے نکاح کو منسوخ کردے جسکا اختیار اُسکو شرعًا دیا گیا ہے تو وہ بطور نذر کچھ پانے کی مستحق نہین ہے[2]

[1] جامع الشتات۔ ارشاد علامہ۔ ۲ امنہ [2] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۲۰ ۔ ۲۹ ہ ۔ ۱۳ امنہ

یہی اصول شیعون مین بھی جاری ہے۔ چنانچہ جامع الشتات مین لکھا ہے کہ "اگر شوہر اور زوجہ مین قبل زفاف جدائی ہوجائے اور کچھ مہر نکاح مین یا اُسکے بعد نہ معین ہوا ہو تو زوجہ کچھ بطور نذر پانے کی مستحق ہوگی جو شوہر کی حیثیت اور اُسکے معاش کا لحاظ کرکے قرار دیا جائیگا"۔ پھر شرائع الاسلام صفحہ ۲۹۲ مین لکھا ہے کہ "کوئی عورت نذر پانے کی مستحق نہین ہے سوائے اس عورت کے جسکے مہر کی تعیین نہوئی ہو اور قبل زفاف اپنے شوہر سے جدا ہوگئی ہو"۔[1]

شافعیہ کے نزدیک یہ ہے کہ جب کسی سبب سے شوہر و زوجہ مین تفرقہ ہوجائے تو شوہر پر کچھ کچھ نذر دینا فرض ہے۔

جب مہر کا حق ایک مرتبہ زوجہ کو حاصل ہوجائے تو پھر وہ اُسکے کسی فعل سے سلب یا زائل نہین ہوجاتا۔ مثلاً اگر تکمیل نکاح یعنی زفاف ہوگیا ہو (سنّی اور شیعہ دونون کے نزدیک) یا خلوت صحیحہ وقوع مین آئی ہو (صرف حنفیہ کے نزدیک) تو عورت کا حق مہر اِس سے نہین زائل ہوجاتا کہ بعد ازآن وہ مرتدہ ہوگئی ہو یا مرتکب زنا ہوئی ہو۔ لکن اگر حق مہر حاصل ہونے سے پیشتر عورت کا ارتداد یا اُس سے زنا وقوع مین آیا ہو تو ایسا نہوگا بلکہ اس صورت مین اسکا سارا مہر ساقط ہوجائیگا۔[2]

اگر عورت اپنے شوہر کو قتل کرڈالے تو بھی اگر حق مہر اُسکو حاصل ہوچکا ہے تو زائل نہوگا۔

اگر عورت خودکشی کرے یا اُسکا شوہر اُسکو مارڈالے تو اُسکا حق مہر اُسکے ورثہ پر منتقل ہوجائیگا۔[3]

عورت کچھ مہر یا نذر پانے کی مستحق نہین ہے اگر نکاح ناجائز ہوا ور طلاق عدالت کے حکم سے بعد زفاف وقوع مین آیا ہو۔ اگر زفاف قبل صدور حکم عدالت ہوچکا ہو تو وہ کُل مہر معین پانے کی مستحق ہے لکن اگر مرد اور عورت مین زنا آمیز تعلق ہو جو فی نفسہ باطل اور ناجائز ہے تو ایسا نہوگا۔[4]

زوجہ کو اختیار ہے کہ مہر کے جزو معجل کو قبل یا بعد زفاف جسوقت چاہے وصول کرلے۔ مگر مہر کا

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۴۷ - فصول عمادیہ - جامع الشتات ۱۲ منہ [2] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۴۷ فصول عمادیہ - جامع الشتات ۱۲ منہ [3] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۴۵ - ۱۴۶ - ۱۲ منہ -

جزو موجل فسخ نکاح کے بعد نہیں ادا کیا جاتا۔ لیکن یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ جب مہر زوجہ کے قبضہ میں آجائے تب وہ اپنے حقوق کو اسکی نسبت عمل میں لا سکتی ہے۔ مہر موجل کی نسبت عورت کو اختیار ہے کہ جس شخص کو چاہے سپرد کر دے اور اس شخص کو اختیار ہے کہ جب وہ مہر واجب الادا ہو جائے تو شوہر سے یا اسکی جائداد سے وصول کر لے۔

شرائع الاسلام میں صاف لکھا ہے کہ[1] بمقتضی معاہدہ نکاح کے رو سے مہر زوجہ کا مال ہو جاتا ہے (جب زفاف وقوع میں آیا ہو) اور اسکا اختیار ہے کہ عین مہر پر قبضہ پانے سے پیشتر جو چاہے اسکو کرے علاوہ اپنا مہر شوہر کو یا کسی غیر آدمی کو ہبہ کر سکتی ہے جب وہ ایسا کرے تو شوہر مہر سے بری الذمہ ہو جاویگا اور زوجہ کو یہ بھی اختیار ہے کہ اپنے مہر کا مبادلہ شوہر کی اور کسی جائداد سے کر لے۔ یہ مہر کا مبادلہ کسی جائداد سے کیا جاتا ہے تو اسکو بیع مقاصات کہتے ہیں۔

فتاوائے عالمگیری میں لکھا ہے کہ[2] عورت شوہر کو مہر ہبہ کر سکتی ہے اور کوئی ولی اسکا یہانتک کہ اسکا باپ بھی اسکے اس فعل پر اعتراض نہیں کر سکتا[3]۔ وہ اپنے شوہر کو کل دین مہر یا اسکے کسی جزو سے بری الذمہ کر سکتی ہے۔ مگر اسکا بری الذمہ کرنا اسوقت شرعًا معتبر ہوگا کہ جب وہ صحیح و سالم اور صحیح العقل ہو۔ ہندوستان میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عورت عالم احتضار میں مہر شوہر کو معاف کر دیتی ہے۔ یہ امر مشکوک ہے کہ جانکنی کے عالم میں مہر معاف کر دینا کہانتک جائز ہے[4]۔ اگر زوجہ نابالغہ اپنا مہر معاف کر دے تو غالبًا جائز نہوگا تا وقتیکہ اسکا ولی تصدیق نہ کر دے۔

حنفیہ کے نزدیک باپ اپنی بیٹی کے مہر کو اسکے شوہر کے خاطر سے نہیں گھٹا سکتا۔ مگر شیعون کے نزدیک باپ یا دادا ایسا کر سکتا ہے یعنی مہر میں تخفیف کر سکتا ہے الا اینکہ کسی وجہ سے یقین ہو سکے کہ فریب سے ایسا[5] کیا گیا ہے۔ مگر باپ یا دادا کو یہ ہرگز اختیار نہیں ہے کہ دختر نابالغ کے شوہر کو کل مہر معاف کر دے[6]۔

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۴۴ جلد ۱ متن [2] فتاوائے عالمگیری میں لکھا ہے کہ[3] مہر معاف کرنا اسوقت جائز ہے کہ جب عورت اسکو معاف کرنے کے وقت مرض الموت میں نہ مبتلا ہو [4] فتاوائے عالمگیری ۳۴۴ جلد ۱ متن [5] جامع الشتات ۱۱ متن [6] شرائع الاسلام صفحہ ۲۹۵ جلد ۲

شوہر کے اَور دیون کے مانند مہر بھی ایک دین یا قرضہ ہے اور تمام حقوق وصیت اور حقوق ورا[ثت]
پر مقدم ہے۔ متوفی کی جائداد نہین تقسیم ہو سکتی تاوقتیکہ دین مہر نہ ادا کردیا جائے۔

جب زوجہ زندہ ہو تو وہ خود اپنا مہر شوہر کی جائداد سے لے سکتی ہے۔ جب وہ مرجائے تو اُسکے
ورثہ یا قائم مقامان شرعی اُسکا مہر وصول کرنے کے مستحق ہین۔

شرع محمدی مین کفالت بغیر قبضہ جائز نہین ہے اور زن بیوہ کو کوئی حق انتقال اپنے شوہر متوفی
کی کسی جائداد مین نہین رکھتی ہے تاکہ اُس جائداد کو کسی مشتری کے ہاتھ منتقل کرسکے جیسا رہن مین
ہوتا ہے۔ زوجہ کا حق مہر صرف ایک دین شوہر کی جائداد پر ہے اور حقوق وصیت اور حقوق وراثت
پر تقدم رکھتا ہے[1]۔ اور جب زوجہ شوہر کی جائداد پر مہر کا دعوے کرکے قبضہ واقعی شرعی پا جائے
تو اُسپر اُسوقت تک قابض رہیگی جبتک کہ اُسکا مہر ادا ہوجائے اور شوہر کے ورثہ کو حساب سمجھانے کی
ذمہ دار رہیگی[2] - ہائی کورٹ کلکتہ نے بمقدمہ احمد حسین بنام خدیجہ بیگم یہ تجویز کیا کہ جب مہر کے مقدار نہ دریافت
ہوسکے مگر بیوہ عورتین اپنے شوہرون کی جائداد پر بعوض اپنے مہر کے قابض ہون تو اُنکو ایک حق اُس
جائداد مین اُسوقت تک حاصل رہیگا جبتک کہ اُنکا مہر ادا ہو جائے[3]

اگر کوئی بیوہ کسی جائداد پر بعوض مہر قبضہ پاچکی ہو اور اُسکے شوہر کا کوئی وارث اُسکا قبضہ اُٹھادے
تو اس وارث کو وہ جائداد اس شرط سے ملیگی کہ بیوہ کا حق مہر اُسپر باقی رہیگا[4]۔

جب بیوہ اپنے مہر کے عوض مین شوہر کی جائداد پر قابض ہو اُسپر بیدخلی کی نالش نہین ہو سکتی
تاوقتیکہ یہ نہ بیان کیا جائے کہ اُسکا مہر ادا ہوچکا ہے۔

تمادی ایام کا عذر مہر مؤجل مین اسوقت تک نہین عارض ہو سکتا جبتک کہ وہ مہر شوہر
یا زوجہ کے مرجانے سے یا طلاق کی وجہ سے واجب الادا ہو جائے۔ مگر مہر معجل ایسا قرضہ ہے

[1] مقدمہ وحید النسا بنام سبز اتن لا رپورٹ بنگالہ جلد ۶ صفحہ ۵۴ — ۱۲ منہ [2] مقدمہ بیجن بنام حامد حسین
لا رپورٹ بنگالہ جلد ۱۰ — ۱۲ منہ [3] لا رپورٹ بنگالہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۵ — ۱۲ منہ [4] مقدمہ امید علی
بنام سیفن لا رپورٹ بنگالہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۵ — ۱۲ منہ

جو ہمیشہ واجب الادا رہتا ہے اور حالت بقاء نکاح مین ہر وقت طلب ہو سکتا ہے اور عند الطلب یقیناً واجب الادا ہے - چنانچہ ایک مقدمہ مین زوجہ نے صاف صاف اور بلا ابہام مہر دلا پانے کا دعویٰ کیا اور شوہر نے مہر دینے سے انکار کیا تو عدالت العالیہ بنگالہ نے یہ تجویز فرمایا کہ بنا دعویٰ پیدا ہوگئی ہے اور عذر تمادی ایام اُسمین عارض ہو جائیگا - مگر جب زوجہ نے صاف صاف مہر کا دعویٰ نہ کیا ہو تو عذر تمادی ایام اُسکے دعویٰ مہر معجّل مین نہ عارض ہوگا بلکہ زوجہ حق مطلق رکھتی ہے کہ شوہر کی حیات مین جسوقت چاہے اپنا[1] مہر طلب کرے -

عورت کو اختیار ہے کہ اپنے خاوند کے گھر مین رہنے سے انکار کرے تا وقتیکہ اُسکا مہر معجّل نہ ادا کر دیا جائے - ہائی کورٹ الہ آباد نے بمقدمہ عیدن بنام مظہر حسین یہ تجویز کیا تھا کہ جب زوجہ کا مہر معجّل ہو تو اُسکو اختیار ہے کہ جب اُسکا شوہر حقوق زوجیت نافذ کرا پانے کی نالش کرے اُسوقت اُسکے ساتھ رہنے سے انکار کرے تا وقتیکہ اُسکا مہر نہ دیدیا جائے اور یہ امر کہ نکاح کے وقت سے وہ ہمیشہ اُسکے ساتھ رہتی ہے اس انکار کا مانع نہین ہو سکتا -

یہ راے ہائی کورٹ الہ آباد کی امام اعظم ابو حنیفہ کے قول کے موافق ہے مگر اُنکے[2] شاگردون نے اس مسئلہ مین اُنسے اختلاف کیا ہے کہ جب کسی عورت کا زفاف یا خلوت صحیحہ ہو چکی ہو تو آیا وہ استرداد حقوق زوجیت سے انکار کر سکتی ہے تا وقتیکہ مہر معجّل اُسکو نہ دیدیا جائے -

شیعون کے دو قول اس مسئلہ مین ہین مگر قول راجح یہی ہے کہ جب عورت ایک مرتبہ شوہر کے ساتھ ہمبستر ہو چکی ہو تو پھر مہر معجّل کے نہ ادا ہونے کی وجہ سے استرداد حقوق زوجیت سے انکار نہین کر سکتی گو شوہر کی حیات مین اس مہر کی نالش اُسپر ہر وقت کر سکتی ہے -

جب شوہر زوجہ کے مہر مین کوئی جائداد لکھدے یا جیسا فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ وہ کچھ مال

---

[1] مقدمہ مجبور النسا بنام سیف اللہ خان لا رپورٹ بنگالہ جلد ۵ صفحہ ۲۰۶ - و نیز مقدمہ مجبور النسا بنام رئیس النسا لا رپورٹ بنگالہ جلد ۵ صفحہ ۴ جسمین یہ تجویز ہوا ہے کہ عذر تمادی ایام عارض ہے - ۱۲منہ

[2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۲۵ - ۱۲منہ ۔ جامع الشتات ۱۲منہ

اُسکے ہاتھ بعوض اُسکے مہر کے فروخت کر ڈالے اور اس صورت مین جب زوجہ اُسکے ساتھ ہمبستر ہونے سے
انکار کر سکتی ہے تاوقتیکہ مال مذکور اُسکو دیدیا جائے۔

جب وہ جائداد جو زوجہ کے نام بمعاوضہ مہر لکھدی گئی ہو اُسکو دیدے جانے سے پیشتر تلف
ہوجائے یا کوئی تیسرا شخص اُسپر دعویٰ کرے تو شوہر پر فرض ہے کہ اُسکی قیمت جائداد زوجہ کو دیدے
اگر وہ جائداد جو مہر مین لکھدی گئی ہے اوس سے کم قیمت ہو جسقدر قیمت اُسکی بیان کیگئی ہے تو زوجہ کو قبل
زفاف اختیار ہے کہ اُسکا معاوضہ یا اُسکے بدلے دوسری جائداد طلب کرے۔ مگر جب زفاف
ہوچکا ہو تو یہ خیال کیا جائیگا کہ زوجہ حق معاوضہ سے دست بردار ہوگئی ہے۔

مہر سے متعلق متفرق اصول

سابق مین بیان کیا گیا کہ زمانۂ جاہلیت مین یعنی اسلام سے پیشتر ایک شرط ضروری جواز نکاح کی یہی
کہ شوہر کو لازم تھا کہ کچھ مہر زوجہ کا مقرر کردے اور وہ مہر زوجہ کا مال مخصوص و بلاشرکت غیرے ہوجاتا تھا
اُس زمانہ مین عموماً یہی دستور تھا گو معین و منضبط قوانین کے نہ ہونے کی وجہ سے اِس دستور
کی پابندی کم کیجاتی تھی بلکہ اکثر اسکی خلاف ورزی کیجاتی تھی۔

اُس زمانہ کی تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ گو قبائل عرب مین مہر کا دستور جاری تھا تاہم اکثر ایسا
ہوتا تھا کہ شوہر اپنی زوجہ کا سب مال و اسباب چھین کر اُس بیچاری کو فقیر و محتاج کر دیتا تھا۔ اِن ظلم
و ناانصافی کی ممانعت قطعی قرآن مجید مین کردیگئی ہے اور عرب سے یہ کہدیا گیا ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْئًا یعنی طلاق دو
مرتبہ ہوسکتا ہے اور جب تم اپنی بیبیون کو طلاق دو تو اُنکے ساتھ نیکی کرو اور تمھارے لیے حلال
نہین ہے کہ جو تمنے اُنکو دیا ہے اُسکو پھیر لو (سورۂ بقر آیت ۲۲۹)۔

قبائل یہود جو عرب مین سکونت پذیر تھے اُنمین اوریہی دستور تھا یعنی اُنمین یہ رسم تھا کہ زوجہ کا
مہر اور جہیز جو وہ اپنے گھر سے لاتی تھی دونون شوہر کے قبضہ مین تاہنگام فسخ نکاح رہتے تھے[1]

[1] مجموعۂ قوانین یہود۔ اور ابن خدیر کی کتاب جلد ۲۔ صفحہ ۱۰۔ و ۸۸ و ۳۴ ۱۵ – ۱۲ مسئلہ۔

معاملۂ نکاح مین شرع محمدی مین عرب کا وہ اصول اختیار کیا گیا ہے جو زیادہ تر منصفانہ و فیاضانہ تھا۔ از روے شرع محمدی شوہر اور زوجہ ایک دوسرے کے مال مین مشارکت نہین رکھتے ہین بلکہ زوجہ اپنی ذاتی جائداد اور جو کچھ شوہر اُسکے مہر مین دیدے اُسکی بالکل مالک و مختار ہے۔ اور جبتک شوہر و زوجہ زندہ رہین اُسوقت تک اُنکو اختیار ہے کہ جب چاہین شرائط نکاح کو بدل سکتے ہین۔ اور زوجہ کو کل مہر معاف کر دینے یا کم کر دینے کا اختیار ہے اور شوہر کو بھی اُسکے مہر کے بڑھا دینے کا اختیار ہے۔

مہر کی مقدار بذریعۂ معاہدۂ نکاح یا از روے رسم و رواج مقرر ہوتی ہے یا بعد نکاح طرفین کے قول و قرار سے یا قاضی کے حکم سے یا پنچایت سے مقرر ہوتی ہے جیسا مہر تفویض اور مہر تحکیم ہے

جب مہر کی تصریح بعبارت صریح و واضح مہرنامہ مین کر دیجاتی ہے تو پھر کچھ دقت نہین واقع ہوتی۔ مگر جب شرائط مہر مبہم و مشکوک یا متناقص ہون تو حاکم کو طرفین کی نیت اور منشا دیکھکر مہر کا تصفیہ کرنا چاہیئے گو علماے اسلام نے خودرایانہ قواعد تصفیہ مہر کے باب مین بنا کر اس پیچیدہ مسئلہ کو حل کرنا چاہا ہے۔ مثلاً امام ابو یوسف کا قول ہے کہ جب آدمی دو چیزین مختلف القیمت رکھتا ہو اور اُنمین سے ایک چیز زوجہ کے مہر مین دیدے مگر اُسکی تصریح نہ کرے کہ کونسی چیز دی ہے تو زوجہ اُس چیز کی مستحق ہوگی جو کم قیمت ہے[1]۔ اسی طرح سے اُنکا قول یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص کوئی چیز زوجہ کے مہر مین دیدے اور اُسکی حقیقت بیان کر دے مگر اُسکی قیمت نہ بیان کرے تو زوجہ اوسط درجہ کی قیمت کی چیز پانے کی مستحق ہوگی۔ امام شافعی کے نزدیک ایسی صورت مین زوجہ کو مہر المثل دلانا چاہیئے[2]۔

جب کوئی شخص زوجہ کا مہر تیس دینار مقرر کرے اور نکاح کے وقت کہدے کہ دس دینار مہر معجل و دس دینار مہر موجل ہے تو فتویٰ یہ ہے کہ بیس دینار مہر معین تصور کیا جائیگا۔

جب خاص معاہدۂ نکاح کو طرفین تسلیم کر لین تو مہر کا تصفیہ کرنے مین بہت کم دقت ہوتی ہے

---

[1] ہدایہ صفحہ ۳۰۹ و ۳۱۰ ۔ ۱۲ منہ [2] ہدایہ صفحہ ۱۴۱ و ۱۴۳ ۔ ۱۲ منہ۔

خواہ مہر پر نزاع شوہر و زوجہ کی حیات مین پیدا ہو خواہ اُنکے وفات کے بعد پیدا ہو۔ مگر جب شوہر اور زوجہ مین سے کوئی وقوع نکاح کا انکار کرے یا یہ کہے کہ زبردستی یا بفریب نکاح کر لیا گیا تھا یا یہ بیان کرے کہ جو معاہدہ نکاح کے وقت ہوا تھا اُسمین ترمیم ہوگئی ہے یا اُسکے بدلے دوسرا معاہدہ کیا گیا ہے تو ایسی صورتون مین مہر کا جھگڑا طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور اُن قواعد پر نظر کرنا لازم ہو جاتا ہے جو فقہاے اسلام نے تنازعات مہر کا تصفیہ کرنے کے لیے مقرر کیے ہین۔

کفایہ مین یہ لکھا ہے کہ ”مہر کا جھگڑا خود متناکحین مین اُنکی حیات مین یا اُنکی وفات کے بعد اُنکے ورثہ مین یا اُنمین سے ایک کی وفات کے بعد اُسکے ورثہ مین اور جو زندہ ہے اُسکے ورثہ مین ہوتا ہے اگر متناکحین کے حین حیات مہر پر تنازع واقع ہو تو قبل طلاق ہوگا یا بعد طلاق۔ اور ان سب صورتون مین تنازع مہر معین کی مقدار کے باب مین ہوگا یا اِس امر مین کہ کوئی مہر نکاح مین معین ہوا تھا یا نہین[1]“۔

سابق مین عرض کیا گیا کہ معاہدۂ نکاح کو قلمبند کرنا کچھ ضرور نہین ہے۔ بلکہ فتاواے عالمگیری مین یہانتک لکھا ہے کہ ”اگر شوہر[2] مہر لکھدینے پر راضی نہو تو اُسپر جبر نہ کیا جائے“۔ پس معاہدہ زبانی نکاح کا اور اقرار زبانی مہر کا بھی شرعًا ویسا ہی جائز ہے جیسا معاہدہ تحریری نکاح کا اور اقرار تحریری مہر کا۔

چونکہ اب تمام مہذب اور شائستہ اقوام اہل اسلام مین یہ دستور ہو گیا ہے کہ شادی سے پیشتر شرائط نکاح قلمبند کر لیے جاتے ہین لہذا جو مثالین قدماے فقہاے اسلام نے تنازعات مہر کی لکھی ہین اُنکو بیان کرنے سے کوئی فائدہ عملی متصور نہین ہے تاہم وہ مثالین محض بیفائدہ نہین ہین اسواسطے کہ ہندوستان مین بھی بعض مقدمات ایسے نکل آتے ہین جنمین مہر شوہر و زوجہ کے صرف اقرار زبانی پر موقوف ہوتا ہے۔

جب معاہدۂ نکاح قلمبند کر لیا گیا ہو اور نکاحنامہ مین مقدار مہر کی تصریح کر دی گئی ہو تو شوہر مجال انکار نہین رکھتا اور یہ نہین کہہ سکتا کہ میرا ارادہ اتنا مہر مقرر کرنے کا نہ تھا بلکہ اِس سے بالکل مختلف مقدار

---

[1] کفایہ صفحہ ۹۶ — بیلی صاحب کی شرح محمدی صفحہ ۱۳۰ — ۱۲ منہ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۷۵ — ۱۲ منہ۔

معین کرنے کا تھا البتہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اتنی مقدار مہر نکاحنامہ مین فریب سے لکھ لیگئی ہے[1]۔

جب کوئی معاہدۂ تحریری نکاح کا نہو اور شوہر و زوجہ کی حیات مین مقدار مہر پر جھگڑا ہو تو زوجہ کے مہر المثل کو معیار قرار دیکر شوہر و زوجہ دونون کے بیانات جانچے جائین۔ مثلاً اگر زوجہ کہے کہ میرا مہر پانچہزار روپیہ مقرر کیا گیا تھا اور شوہر کہے کہ صرف اڑھائی ہزار مہر مقرر ہوا تھا تو یہ دریافت کرنا چاہئیے کہ اس عورت کا مہر المثل کیا ہوگا۔ اگر اُسکا مہر المثل پانچہزار سے کم نہ قرار پاوے تو ظن غالب یہ ہوگا کہ زوجہ کا بیان مطابق واقع ہے[2]۔

یہی اصول جب بھی صادق آئیگا کہ جب شوہر یا زوجہ کی وفات کے بعد مہر پر جھگڑا ہو۔ یعنی جب مہر کی ٹھیک ٹھیک مقدار دریافت کرنا ممکن نہو تو زوجہ یا اُسکے ورثہ مہر المثل پانے کے مستحق ہونگے۔ مگر یہ اُس صورت مین ہوگا کہ جب طرفین سے کوئی ثبوت اسکا نہ بہم پہونچ سکے کہ نکاح کے وقت کیا مقدار مہر مقرر ہوئی تھی۔ لکن اگر کوئی عورت ایسے وجوہ پیش کرے جنسے ثابت ہو جاوے کہ اسکا مہر المثل سے زیادہ ہے تو ایسے وجوہ پیش کرنا منع نہین ہے۔ چنانچہ الجیرس کی عدالت نے اسی اصول کو ایک مقدمہ مین جاری کیا جسکی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص تین ازواج چھوڑکر مر گیا اُنمین سے دو زوجون نے ثبوت قطعی اپنے مہر کا پیش کیا مگر تیسری زوجہ کچھ ثبوت نہ دے سکی اور کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے ثابت ہوتا کہ اُسکے مہر کی مقدار اُن دونون کے مہر سے کم تھی۔ عدالت نے اِس اصول مین قاضی کے ساتھ اتفاق راے کرکے یہ تجویز کیا کہ یہ زوجہ بھی اُسی صداق کی مستحق ہے جسکی مستحق اور دو زوجین ہین۔

جب تعداد مہر قلمبند کر لیگئی ہو اور شوہر بیان کرے کہ یہ تعداد زبردستی یا فریب سے لکھدی گئی ہے تو اس دعوی کا ثبوت شوہر پر عائد ہوگا۔ اور جب زوجہ کی طرف سے یہ بیان کیا جاے کہ جو مقدار مہر نکاحنامہ مین لکھی ہے اُس سے زیادہ مہر بندھا تھا تو اسکا بار ثبوت زوجہ پر ڈالا جائیگا۔

ایسی صورتین بھی ہوتی ہین کہ بعض نکاح پوشیدہ طور سے اور زبانی مہر قلیل پر کر لیا جاتا ہے اور لوگون سے

---

[1] فتاوائے عالمگیر صفحہ ۳۰۵۔ [2] جامع الشتات ۲۰۲ منہ [3] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۰۱۔ ۲۱۲ منہ [4] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۱۲ و ۳۰۵ جامع الشتات

بہت زیادہ مہر بیان کیا جاتا ہے یا نکاحنامہ مین مہر کثیر لکھا جاتا ہے - ایسی صورتون مین یہ تجویز کیا گیا ہے کہ جو مہر لوگون سے بیان کیا گیا ہے یا جو نکاحنامہ مین لکھا گیا ہے وہی مہر واجب تصور کیا جائیگا -[1]

جب کوئی شخص نکاح مین وکالت کرتا اور ایک مہر معین طے کرنا قبول کرے مگر جتنی مہر کی اجازت اُسکو دیگئی ہو اُس سے زیادہ مہر بفریب مقرر کرے تو اُسکا ذمہ دار صرف شوہر ہوگا اگر قبل زفاف اُسکو اُس فریب کا شبہ ہوا ہو لیکن اگر زوجہ کو قبل زفاف اپنے شوہر کے وکیل کے فریب کا حال معلوم ہوگیا ہو تو وہ صرف اُس رقم کے پانے کی مستحق ہوگی جسکی اجازت نفس الامر مین دیگئی تھی -

اگر شوہر اور زوجہ دونون اُس فریب سے آگاہ تھے تو شوہر کل مہر کا ذمہ دار ہوگا

جب یہ بیان کیا جائے کہ پہلے معاہدہ مین مابعد کے معاہدہ سے ترمیم ہوگئی ہے تو جو فریق یہ بیان کرے اُسی پر اسکا بار ثبوت ڈالا جائیگا -[2]

جب کوئی خاص مقدار مہر نکاح مین قرار دیجائے اور شوہر قبل زفاف زوجہ سے جدا ہوجائے یا اسکو طلاق دیدے تو زوجہ نصف مہر کی مستحق ہوگی - اگر نکاح مین کچھ مقدار مہر کی نہ مقرر کی گئی ہو تو زوجہ نصف مہر المثل کی مستحق ہوگی[3]

مذکورہ ذیل صورتون مین عورت کچھ مہر پانے کی مستحق نہین ہے اگر اُسمین اور اُسکے شوہر مین قبل زفاف تفرقہ پڑگیا ہو -

(۱) جب دو نابالغ بغیر اذن اپنے ولیون کے نکاح کرلین اور ولیون کی تحریک سے اُنکا نکاح منسوخ کیا جائے -

(۲) جب اُس نکاح کو جو نابالغون کی طرف سے کرلیا گیا ہو خود وہ نابالغ بہ تعمیل خیار البلوغ منسوخ کردین[4] -

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۴۴ - فصول عمادیہ - جامع الشتات اور مقدمات مندرجہ رپورٹ صدر عدالت دیوانی کلکتہ جلد ۱ - صفحہ ۲۷۹ - اور جلد ۲ صفحہ ۱۹۹ - ۱۲ منہ [2] محمد جاسم کا رسالہ نکاح اور لاسیل صاحب کی کتاب ۲۲ - ۱۲ منہ
[3] اس کتاب مین باب النکاح ملاحظہ ہو ۱۲ منہ [4] ایضاً ایضاً - ۱۲ منہ [5] ایضاً ایضاً - ۱۲ منہ

(۳) جب نکاح قاضی کے حکم سے کسی ایسے سبب سے منسوخ کیا جائے جس سے طرفین کو منسوخ کرانے کا اختیار[1] حاصل ہوگیا ہو۔

(۴) جب کسی شخص نے ایسی بیماری مین نکاح کرلیا ہو جسپر مرض الموت کی تعریف صادق آتی ہو اور قبل زفاف اُسی بیماری سے مرجائے۔

لکن اگر زوجہ نکاح کے وقت ایسے مرض مین مبتلا ہو جو مانع زفاف ہو اور آخر الامر اُسکی موت کا باعث ہو تو اُسکا حق مہر اُسکے ورثہ پر منتقل ہو جائیگا۔

اگر باپ اپنے نابالغ بیٹے کا نکاح مہر معین پر کردے اور بیٹا مرجائے اور کوئی جائداد نہ چھوڑ گیا ہو تو اُسکی زوجہ کے مہر کا ذمہ دار اُسکا باپ ہوگا۔

سابق مین بیان کیا گیا کہ شوہر کو اختیار ہے کہ زمانہ بقائے نکاح مین زوجہ کے مہر مین اضافہ کرے اور زوجہ کو اُسمین تخفیف کرنے کا اختیار ہے۔ شافعیہ کے نزدیک ایسا اضافہ ہبہ سمجھا جائیگا اور چونکہ ہبہ بغیر قبضہ شرع محمدی مین معتبر نہین ہے لہذا جو اضافہ شوہر اپنی زوجہ کے مہر مین کرے اُسیوقت اُسکو حوالہ کردے۔

مگر حنفیہ اور شیعہ کے نزدیک ایسا اضافہ ہبہ نہ سمجھا جائیگا لہذا اُسکا جواز اِسپر موقوف نہین ہے کہ جب اضافہ کیا جائے اُسی وقت اُسپر قبضہ بھی کرا دیا جائے۔ چنانچہ ہدایہ مین لکھا ہے کہ ”اضافہ مہر ایک تغیر ہے شروط نکاح کا ایک امر غیر ضروری ہین جو متناکحین کے اختیار مین ہے لہذا مثل اضافہ ثمن کے جو بیع مین کیا جائے اصل مہر مین شامل ہو جاتا ہے“۔

اگر شوہر و زوجہ مین قبل زفاف جدائی ہو جائے تو زوجہ بعد نکاح اضافہ مہر کی مستحق نہوگی

دولھن کو اُسکا باپ جہیز دیتا ہے۔ یہ امر رسم و رواج خاندان پر موقوف ہے کہ جو روپیہ باپ نے بیٹی کے جہیز مین صرف کیا ہو اُسکو وہ بیٹی کے مہر سے کتنا وصول کرسکتا ہے مثلاً

---

[1] جامع الشتات ۱۲ مسئلہ ۵۳ ترجمہ انگریزی ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۷ اور جلد ۲ صفحہ ۱۴۵ و کنز الدقائق ۔ ۲ مسئلہ ۔

الجیرس کی عدالت نے یہ تجویز کیا ہے کہ باپ پر بیٹی کو جہیز دینا فرض نہیں ہے اور اگر وہ اسکو جہیز دے تو اسکی قیمت اُسکے مہر سے وصول کرسکتا ہے -

ہندوستان مین باپ پر بیٹی کو جہیز دینا واجب ہے اِلّا اینکہ وہ بالکل غریب و نادار ہو اس صورت مین یہ فرض شوہر پر عائد ہوتا ہے - جب کوئی شخص کچھ روپیہ[1] اپنے آیندہ کے زوجہ کے جہیز کے لیے قرض دے تو اسکے باپ پر فرض ہے کہ اگر ذی مقدور ہو تو اُسی قدر روپیہ یا اُسقدر جسقدر موافق رواج ہو وہ بھی اپنی بیٹی کے جہیز کے لیے دے[2] -

جو جہیز دولھن اپنے باپ کے گھر سے لاتی ہے وہ اُسی کا مال رہتا ہے اور اُسکے شوہر کو اُسپر کچھ اختیار نہین ہوتا - اور جو اسباب شادی شوہر اسکے لیے مہیا کرتا ہے وہ بھی اُسی کا مال رہتا ہے -

ولیمہ یعنی شادی کی دعوت کا خرچ شوہر دیتا ہے - اور زوجہ کو گھر کے خرچ کے لیے کچھ نہین دینا پڑتا وہ بھی شوہر کے سر ہے -

شوہر و زوجہ کی جائداد ہمیشہ علیحدہ علیحدہ رہتی ہے - ابتداء زوجیت مین تو یہ تمیز ہو سکتی ہے کہ شوہر کا مال کتنا ہے اور زوجہ کا کتنا ہے - لیکن جب شوہر و زوجہ کی یکجائی کو ایک عرصہ گذر جاتا ہے تو اُن دونون کی جائداد مین تمیز کرنا دشوار ہو جاتا ہے اگر اس صورت مین شوہر اور زوجہ یا اُنکی وفات کے بعد اُنکے ورثہ مین اُن دونون کے مشترک اثاث البیت پر جھگڑا ہو اور کوئی ثبوت قطعی نہ بہم پہنچے تو شرعاً یہ قیاس کیا جائیگا کہ جو چیزین عرفاً عورتون کی ہوتی ہین وہ زوجہ کا مال ہے اور جو اشیاء رواجاً مرد کی ہوتی ہین وہ شوہر کا مال ہے اور جو چیزین دونون کا مال ہون اُنکی حقیت کا تصفیہ رسم و

[1] اسکو دست پیمان کہتے ہین - ۱۲ منہ [2] جامع الشتات - محیط سرخسی - فتاوے عالمگیری مین لکھا ہے کہ دو جہیز کی مقدار مناسب یہ ہے کہ دست پیمان کے ہر ایک دینار کے مقابل مین تین یا چار دینار کا جہیز ہونا چاہیئے - ۱۲ منہ -

رواج مختص المقام کے روسے کیا جائیگا۔

گیارھوان باب

فسخ نکاح ۔ رسوم زمانہ جاہلیت ۔ طلاق ۔

اختلاف فرق اسلام ۔

زمانہ سلف مین طلاق کا حق سب قومون مین نتیجہ ضروری ولابدی حق نکاح کا سمجھا جاتا تھا۔ طلاق کا اختیار دراصل شوہر کو دیا گیا تھا اور زوجہ کسی حال مین طلاق مانگنے کی مستحق نہ تھی۔

تہذیب وشائستگی کی ترقی اور خیالات کا عروج عورتون کی اصلاح حال کا باعث ہوا ۔ اور انکو بھی ایک مقید حق طلاق حاصل ہوگیا اور اس حق کو عمل مین لانے مین انھون نے کبھی دریغ نہین کی یہانتک کہ قیاصرۂ روم کے عہد سلطنت مین جس آسانی سے نکاح اور طلاق ہونے لگا وہ تواریخ مین ضرب المثل ہے ۔

یہود کی شریعت مین شوہر کو اختیار تھا کہ جب کسی سبب سے زوجہ سے ناراض ہو فوراً اُسکو طلاق دیدے اور اختیار طلاق کو خودرایانہ اور بلاوجہ عمل مین لانے کا کوئی مانع ومزاحم مرد کو نہ تھا اور قدیم یونانیون اور رومیون مین بھی شوہر کا اختیار طلاق ویسا ہی نامحدود اور غیر منفقیۃ تھا جیسا بنی اسرائیل مین تھا۔

آخر زمانہ مین یہود کے فرقۂ شمعیہ نے اختیار طلاق کی عمل درآمد کو چند قیود سے مقید کردیا مگر فرقۂ حلیل نے شریعت موسوی کے احکام طلاق کو اُسی حالت اصلی پر قائم رکھا۔

شارع اسلام ؐ کی بعثت کے زمانہ مین فرقۂ حلیل کے مسائل عرب کے قبائل یہود مین جاری تھے ۔ اور اُنمین بھی مشرکین عرب کی طرح طلاق کا رسم بہ شدت اور بکثرت جاری تھا

---

[1] امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ جتنی چیزین خانہ داری کے لیے ضروری یا مفید ہون وہ شوہر و زوجہ مین سے اُسکی قرار دیجاینگے جو زندہ رہگیا ہو۔ فتاوائے قاضیخان اور فصول عمادیہ مین بھی یہ مسئلہ ملاحظہ ہو ۔ ۱۳ م ۔

مشرکین عرب اور یہود دونون مین تھا کہ چند خاص صورتون مین عالی خاندان عورتین اپنے شوہرون کو طلاق دینے کا حق اپنے لیے مخصوص رکھتی تھین اور جب وہ اس حق کو عمل مین لانا چاہتی تھین تو صرف اتنا کرتی تھین کہ اپنے خیمون کو ایک جگہ سے اکھاڑ کے دوسری جگہ نصب کرتی تھین جس سے اُنکے شوہرون کو معلوم ہو جاتا تھا کہ ہمکو طلاق دیدیا ہے۔

شارع اسلام نے جو اصلاحین فرمائین اُنسے مشرقی قانون سازی کا ایک نیا عنوان پیدا ہو گیا مسلمانون کا قانون طلاق ایک نتیجہ منطقی نکاح کا ہے۔ چونکہ شرع محمدی مین نکاح محض ایک دنیاوی معاملہ ہے لہذا مستاکحین کو فسخ نکاح کا اختیار حالات مخصوصہ مین دیا گیا ہے۔ ظاہرا شوہر کو زوجہ سے زیادہ اختیار طلاق دیا گیا ہے مگر ضمناً اور عملاً اِس اختیار کی عمل درآمد مین بہت سے قیود لگا کر اور احادیث پیغمبرؐ سے استدلال کر کے اُسکو معقول حدود کے اندر محدود کر دیا ہے۔

چنانچہ ابراہیم حلبی فرماتے ہین کہ "شرع شریعت مین مرد کو اختیار طلاق ابتداءً دیا گیا ہے اگر زوجہ اپنی بد مزاجی یا بد وضعی سے شوہر کی زندگی تلخ کر دی لکن اگر وجہ وجیہ اور سبب معقول طلاق کا نہو تو کوئی مسلمان ایماناً اور شرعاً طلاق دینے کا مجاز نہین ہے اگر وہ اپنی زوجہ کو صرف اپنی تلون مزاجی سے چھوڑ دے یا گھر سے نکالدے تو خدا کا غضب اُسپر نازل ہوگا کیونکہ خود رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ وہ خدا لعنت کرے اُس شخص پر جو اپنی زوجہ کو بلا وجہ طلاق دیدے"۔

قبل شیوع اسلام جو رسم طلاق عرب مین جاری تھا اُسکا جواز کسی صیغہ وغیرہ پر موقوف نہ تھا اور چونکہ شوہر کے اختیار طلاق پر کوئی قید نہ تھی لہذا اُسکا صرف کنایۃً کہدینا کہ نکاح فسخ کیا گیا طلاق کی صحت کو کافی ہو جاتا تھا۔

سلہ پرن صاحب کی تاریخ نسوان عرب ۱۲ ستمبر ۱۸۴۸ء ڈی اوہسن صاحب کی کتاب جلد ۲ صفحہ ۱۱ سے ۱۲ خطبہ ۲۷ ۔ ۱۲ منہ

شارع اسلام نے جب قانون طلاق مقرر کیا تو بہت چند شروط شوہر کے اختیار طلاق کی عمل آوری میں اِس غرض سے لگا دیے ہیں کہ جہانتک ممکن ہو عورتوں کی حفاظت ہو اور شوہروں کی تلون مزاجی سے وہ دربدر خاک بسر ہونے پائیں۔

شارعِ اسلام نے عورتوں کو بھی بعض حالات میں فسخ نکاح کا حق عطا فرمایا ہے جب فسخ عقد شوہر کی جانب سے ہو تو اسکو طلاق کہتے ہیں۔ اور جب زوجہ کی جانب سے ہو تو اسکو خلع کہتے ہیں۔ اور جب طرفین کی جانب سے ہو تو اسکو مبارات کہتے ہیں۔

اِن سب صورتوں میں جواز طلاق قاضی کے حکم پر موقوف نہیں ہے۔ صرف طرفین کا فعل شرعاً کافی ہے بشرطیکہ تمام شروط ضروریہ طلاق کی تعمیل کیجائے۔

مگر بعض صورتوں میں قاضی اِسکا مجاز ہے کہ شوہر یا زوجہ کی درخواست سے طلاق پڑھ دے یا نکاح کو منسوخ کردے۔

طلاق

اہل سنت کے نزدیک طلاق کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) طلاق السنت (۲) طلاق البدعت

طلاق السنت وہ ہے جو اُن احادیث کے موافق دیا جائے جو رسول اللہ صلعم سے مروی ہیں۔ یعنی جو طرز یا طریقۂ طلاق رسول اللہ صلعم نے پسند فرمایا ہے وہی طریقہ جائز اور ممدوح ہے۔

طلاق البدعت کے لفظ سے ظاہر ہے کہ یہ وہ طلاق ہے جو بنی امیہ کے خلفاء جور نے دوسری صدی ہجری میں یہ سمجھکر جاری کیا تھا کہ جو قیود جناب رسالتمآب صلعم نے طلاق پر لگا دیے ہیں وہ نہایت سخت ہیں اور اِس سختی سے بچنے کی سبیل یہ نکالی کہ فقہا کو نرم آسامی پا کر ایک نئی شکل طلاق کی اپنے مطلب کے موافق مقرر کر دالی۔

شیعہ اور مالکیہ کے نزدیک طلاق البدعت ناجائز ہے اور حنفیہ اور شافعیہ

نزدیک جو طلاق بدعتی طریقہ سے پڑھا جاسکے وہ جائز ہے گو اُسکا پڑھنے والا
مرتکب گناہ ہوتا ہے۔

طلاق السنت کی دو قسمین ہین۔ طلاق اَحسن۔ اور طلاق حَسن۔ طلاق احسن
مین شوہر کو یہ شرائط قبول کرنا ضرور ہے یعنی (۱) اُسکو چاہیئے کہ صیغہ طلاق ایکمرتبہ
ایک ہی جلسہ مین پڑھے (۲) اُسکو چاہیئے کہ طلاق اُسوقت دے جب عورت طاہر ہو
یعنی حائضہ نہو اور جب کوئی مانع شرعی جماع کا نہو (۳) اُسکو چاہیئے کہ صیغہ طلاق پڑھنے
کے تین مہینہ بعد تک حقوق زوجیت کو عمل مین لانے سے پرہیز کرے۔ اِس شرط سے شارع کا
مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ شوہر نے جو زوجہ کو طلاق دینے کا قصد کیا ہے تو یہ قصد سرسری
نہین ہے بلکہ ارادہ مصمم و حتمی ہے۔ تین مہینہ یا تین طہر گذر جانے کے بعد طلاق مستحکم
ہوجاتا ہے اور لائق منسوخی نہین باقی رہتا۔

طلاق حَسن مین شوہر کو ضرور ہے کہ مہینہ مہینہ بھر کے بعد تین مرتبہ زوجہ کے طُہر کی حالت
مین صیغہ طلاق پڑھے۔ اور جب اخیر مرتبہ صیغہ طلاق پڑھا جائے تو طلاق لائق تنسیخ
نہین باقی رہتا[1]۔ شیعون کے نزدیک صرف یہی دو قسمین طلاق کی معتبر ہین جیسا سابق مین
عرض کیا گیا[2]۔

طلاق البدعت مین شوہر تین صیغہ طلاق ایک ہی مرتبہ پڑھ سکتا ہے خواہ زوجہ حالتِ
طہر مین ہو خواہ نہو۔ جب عورت اپنا عدہ پورا کر لے تو طلاق مستحکم ہوجائیگا۔

سُنّی اور شیعہ دونون کے نزدیک رجوع بعد طلاق جائز ہے یعنی اگر شوہر نے دفعتہً
اور ایسے حالات مین جو بیان نہین ہوسکتی صیغہ طلاق پڑھ دیا ہو تو اُسکو اختیار رہے کہ
تین مہینہ سے پیشتر جسوقت چاہے زوجہ کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ جب رجوع کا اختیار
جاتا رہے تو طلاق بائن ہوجاتا ہے اور جبتک رجوع کا اختیار باقی رہے طلاق رجعی

[1] فتاویٰ عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۴۹۲-۱۲ منہ [2] شرائع الاسلام و مفاتیح - جامع الشتات -۱۲ منہ

یعنی لائق منسوخی رہتا ہے۔

جب طلاق بائن ہوگیا ہو تو طلاق اور مطلقہ دوبارا باہم نکاح نہین کرسکتے تاوقتیکہ وہ عورت دوسرے شخص سے نکاح کرکے اُس سے طلاق نہ لے جیسا سابق مین بیان کیا گیا سائیر صاحب اور سڈلاٹ صاحب نے علماے اسلام سے اسمین اتفاق کیا ہے کہ یہ قاعدہ اِس غرض سے بنایا گیا ہے کہ طلاق کثرت سے نہ وقوع مین آسکے جیسا عرب مین دستور تھا کہ بات بات پر زوجہ کو طلاق دیدیتے تھے۔ سڈلاٹ صاحب نے اِس شرط کو لکھا ہے کہ وہ نہایت حکیمانہ ہے،، کہ اسکی وجہ سے مشرکین عرب اور یہود مین جو طلاق بافراط وقوع مین آتا تھا اسمین تفریط یعنی کمی ہوئی۔ سائیر صاحب فرماتے ہین کہ یہ قید اسلیے لگادی گئی کہ نزدیک حاسد اور تنک مزاج اور نیم وحشی قوم کو غیرت دامنگیر ہو اور طلاق سے باز رہے[1]

سنیون کے مذہب مین اختیار طلاق بہ نسبت شیعون کے مذہب کے زیادہ تر وسیع ہے چنانچہ شرایع الاسلام صفحہ ۱۴۱ مین لکھا ہے کہ وہ چونکہ نکاح باعث عفت ہے اور شرعًا حلال ہے اور باعتبار اپنے فعل کے لائق فسخ نہین ہے لہذا ضرور ہے کہ فسخ نکاح مین احکام شرع کی سخت پابندی کیجائے،،۔ لہذا جو شرائط شیعون کے نزدیک اختیار طلاق کو لازم ہین اور جنسے طلاق کا عملدرآمد محدود ہوگیا ہے وہ اُن شرائط سے شدیدتر ہین جو سُنیون کے نزدیک معتبر ہین۔

اہل سنت کے نزدیک طلاق صریحًا بھی ہوسکتا ہے یعنی ایسے کلمات سے ہوسکتا ہے جنسے طلاق کی نیت اور منشا مین کچھ شک وشبہ نہ باقی رہے۔ اور بالکنایہ بھی ہوسکتا ہے یعنی ایسے کلمات سے جو طلاق کے قصد طلاق پر ضمنًا دلالت کرتے ہون۔

[1] سڈلاٹ صاحب کی تاریخ عرب صفحہ ۸ اور سید احمد خان صاحب کی الخطبات الاحمدیہ علی العرب والسیرۃ المحمدیہ صفحہ ۲۴۳ جلد ۳ - ۱۲ منہ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۵۰۰ - اور فتاواے قاضیخان صفحہ ۲۳۲ - ۱۲ منہ۔

شیعون کے نزدیک طلاق بالکنایہ موثر نہین ہے خواہ طلاق کا قصد طلاق دینے کا ہو خواہ نہو اور اگر طلاق کسی شرط پر موقوف رکھا جائے تو بھی موثر نہوگا۔[1]

علاوہ اُس اختلاف کے جو سُنی اور شیعہ مین طلاق بالصراحت اور طلاق بالکنایہ کے باب مین قابلیت طلاق کے باب مین بھی فریقین مین اختلاف بین ہے۔ شیعون کے نزدیک طلاق کا صرف بالغ و عاقل ہونا ہی کافی نہین ہے بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ برضا و رغبت خود بلا اکراہ و اجبار اور یہ سمجھکر کہ مین کیا کر رہا ہون طلاق دے۔

سنیون کے نزدیک عموماً بالغ و عاقل کے لیے طلاق دینا شرعاً جائز ہے اور کسی شرط کی تکمیل کی ضرورت نہین ہے۔

قابلیت طلاق

شیعون کے مذہب مین جواز طلاق چار شرطون پر موقوف ہے۔ (۱) شوہر حد بلوغ کو پہونچ چکا ہو (۲) وہ عاقل ہو یعنی صحیح العقل ہو (۳) وہ برضا و رغبت خود بلا اکراہ و اجبار طلاق دے (۴) اُسکا ارادہ صریحاً طلاق دینے کا ہو۔

پس نابالغ اور مجنون صیغۂ طلاق پڑھ کر فسخ نکاح نہین کر سکتے۔ مگر نابالغ اور مجنون کی طلاق مین یہ فرق ہے کہ نابالغ شوہر کے ولی کو اُسکی طرف سے طلاق دینا شرعاً جائز نہین ہے لیکن مجنون کے ولی کو اُسکی طرف سے طلاق دینا جائز ہے۔ جب مجنون کا کوئی ولی نہو تو قاضی کے حکم سے طلاق ہو سکتا ہے۔ اس فرق کی علت یہ ہے کہ نابالغی ایک امر عارضی ہے مگر جنون ایک مرض دائمی ہے۔ پس جو وقت قانون انگلستان کے بموجب مقدمہ بیکر بنام بیکر کے فیصلہ ... واقع ہوئی تھی کہ اس مقدمہ مین شوہر مجنون تھا اور جو کمیٹی اُسکے ولی نے مقرر کی تھی اُسنے زوجہ کے زانیہ ہونے کو طلاق کی وجہ قرار دیا تھا وہ وقت شیعون کے مذہب کے موافق نہین واقع ہو سکتی۔

---

[1] جامع الشتات ۔ شرایع الاسلام صفحہ ۱۳۰۴ ۔ ۱۲ منہ

جو طلاق اجبار و اکراہ سے دیا گیا ہو وہ شیعون کے مذہب مین ناجائز اور غیر موثر ہے۔ ایسی طلاق کا ناجائز ہونا تین شرطون پر موقوف ہے۔

(۱) جابر اس بات پر قادر ہو جسکی وہ دھمکی دیتا ہے۔ (۲) اُس جسکی کے اثر پذیر ہونے کا گمان غالب ہو۔ (۳) اُس دھمکی سے جو شخص مجبور کیا گیا ہو اس شخص کو جس سے وہ بچ نہ سکتا ہو۔ جب تک یہ شرطین [illegible] ختم نہ ہو [illegible] اس وقت تک [illegible] جبر نہین ثابت ہوتا[1]

جو طلاق فریب یا داب ناجائز سے دیا گیا ہو وہ بھی شیعون کے نزدیک ناجائز ہے سب اقسام طلاق کے لیے طلاق کا قصد طلاق ہونا ضرور ہے۔ جب یہ شرط ضروری نہ پائی جاے تو گو طلاق بالصراحۃ دیا جاے تو بھی شرعاً غیر موثر ہوگا[2]۔ مگر جب قصد طلاق واقع مین ہو تب بھی بالفاظ صریح و واضح طلاق دینا چاہیئے ورنہ ساری کارروائی شرعاً ناجائز ہوگی۔

جو طلاق کسی شخص نے نشہ کی حالت مین یا کسی مخدر چیز (جیسے افیون وغیرہ) کے خدر کے عالم مین دیا ہو یا اور کسی ایسے ہی سبب سے دیا ہو وہ بھی ناجائز ہے۔

اِسی طرح سے وہ طلاق بھی ناجائز ہے جو غلطی سے یا سہواً یا عالم غیظ مین یا دل لگی سے دیا گیا ہو یا عالم خواب مین کسی شخص کی زبان پر صیغہ طلاق جاری ہو گیا ہو[3]۔

سنیون کے مذہب مین اختیار طلاق دراصل ہر شوہر کو حاصل ہے جو بالغ و عاقل ہو البتہ اختیار طلاق حنفیہ کے نزدیک اور فرقون کی بہ نسبت زیادہ ہے۔

حنفیہ کے نزدیک وہ طلاق جو کسی بالغ و عاقل شوہر نے دیا ہو شرعاً موثر ہے خواہ وہ آزاد ہو خواہ غلام اور خواہ برضا و رغبت خود طلاق دیا ہو خواہ باکراہ و اجبار اور خواہ اگلی

---

[1] شرائع الاسلام صفحہ ۱۲۶ ۔ جامع الشتات ۔ ارشاد علامہ ۔ ۱۲ منہ [2] جامع الشتات ۱۲ منہ

[3] جامع الشتات ۱۲ منہ ۔

سے دیا ہو خواہ سہواً صیغۂ طلاق زبان سے نکل گیا ہو[1]

جو طلاق کسی شخص نے نشہ کے عالم میں دیدیا ہو وہ بھی حنفیہ کے نزدیک جائز ہے الا اینکہ وہ شراب یا وہ دوا ایسے ممنوع جس سے نشہ یا خدر پیدا ہوا ہو اسکو جبراً پلا دیگئی ہو یا بطور دوا کے دیگئی ہو[2]۔

الکرخی اور طحاوی کے نزدیک طلاق اُس شخص کا جو ایسا مخمور ہو کہ اپنے سر و پا کا ہوش نہ رکھتا ہو شرعاً غیر مؤثر ہے۔ اگرچہ خود امام شافعی کی بھی یہی راے معلوم ہوتی ہے مگر انکے مقلدین نے حنفیہ سے اتفاق کرکے اُس طلاق کو جائز قرار دیا ہے جو کسی شخص نے نشہ کے عالم میں دیا ہو[3]۔

مگر مالکیہ نے شیعہ سے اتفاق کرکے ایسی طلاق کو محض ناجائز ٹھرا دیا ہے۔

مالکیہ کا قول اس مسئلہ میں ایک مقدمہ کے فیصلہ میں بڑی صحت اور صفائی کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ اس مقدمہ کا فیصلہ شہر لمس واقع صوبۂ الجیریا کے قاضی نے کیا تھا اور سانٹیر اصاحب نے اپنی کتاب میں اسکا رپورٹ لکھا ہے۔ اس مقدمہ میں زوجہ نے طلاق کی درخواست اسوجہ سے گذرانی کہ شوہر نے اسکو طلاق بائن دیا ہے۔ اسکے جواب میں اسکے شوہر نے کہا کہ میں اس طلاق سے واقف نہیں کہ طلاق دینے کے وقت میں نشہ کے عالم میں تھا۔ فریقین نے جو گواہ پیش کیے انکے بیانات سے ثابت ہوا کہ طلاق حقیقی الوقوع پڑھا گیا تھا مگر اسوقت شوہر نشہ کے عالم میں تھا۔ قاضی نے زوجہ کی درخواست کو اس دلیل سے خارج کیا کہ شوہر نے نشہ کے عالم میں صیغہ طلاق پڑھا تھا جو اس نالش کی بنا ہے

---

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۹۶۔ جوہرۃ النائرہ ۲ ہمنہ [2] فتاواے قاضیخان صفحہ ۲۳۳۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک طلاق اُس شخص کا شرعاً جائز نہیں ہے جو ایسی شراب کے نشہ میں ہو جو کسی غلہ یا شہد سے بنائی گئی ہو مگر امام محمد نے اس مسئلہ میں ان سے اختلاف کیا ہے اور ہندوستان کے حنفی انہیں کے مقلدین میں اگر کوئی شخص گانجہ یا بھنگ کے نشہ میں طلاق دے وہ بھی انکے نزدیک جائز ہوگا۔ فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۹۶۔ ۱۲ منہ [3] ہدایہ صفحہ ۲۱۱۔ فتاواے قاضیخان صفحہ ۲۳۳۔ ۱۲ منہ

اہل سنت کے فرقون مین اس طلاق کے جواز مین اختلاف عظیم ہے جو کسی شخص سے جبراً یا دھمکی سے دیدیا ہو۔ حنفیہ کے نزدیک جو طلاق جبراً دیا گیا ہو وہ بھی اُسی طرح جائز ہے جیسا وہ طلاق جو بلا اکراہ و اجبار دیا گیا ہو۔

مگر شافعیہ کا قول حنفیہ کے بالکل خلاف ہے۔ اُنھون نے شیعہ سے اتفاق کرکے یہ قرار دیا ہے کہ جو شوہر دھمکی سے یا جبراً طلاق دیدے وہ فاعل مختار نہین ہے لہٰذا اُسکا طلاق دینا شرعاً جائز نہین ہے۔

امام شافعی نے جو اس فرقہ کے بانی ہین اپنے قول کو اس عبارت مین لکھا ہے جو ہدایہ مین نقل کی گئی ہے۔ وہ فرماتے ہین کہ "طلاق اُس شخص کا جسنے جبراً طلاق دیا ہو شرعاً موثر نہین ہے اسواسطے کہ جس شخص پر جبر کیا جائے وہ فاعل مختار نہین ہے اور مکلف کا کوئی فعل شرعاً معتبر نہین ہے مگر یہ کہ اُسکے اختیار سے صادر ہوا ہو۔ بخلاف اُس شخص کے جو دل لگی سے طلاق دے کہ صیغہ طلاق اُسنے اپنے اختیار سے پڑھا ہے جو سبب اُسکے جواز کا ہے"[1]

امام شافعی ائمہ اربعہ مین سب سے زیادہ محتاط ہین۔ اُنکی اس معقول تقریر کا جواب جو علماے حنفیہ نے دیا ہے وہ لائق غور ہے۔ ہدایہ مین لکھا ہے کہ "ہمارے علمانے فرمایا ہے کہ شخص مجبور قابلیت تامہ طلاق کی رکھتا تھا یعنی بالغ و عاقل تھا جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اسکا طلاق بھی اُسی طرح جائز ہے جسطرح شخص غیر مجبور کا۔ اسکی اصل یہ ہے کہ جو شخص مجبور ہوکر طلاق دے اُسکو اختیار ہے کہ دو بلاؤن مین سے جس بلا کو چاہے قبول کرلے یعنی یا اُس بات کو قبول کرلے جسکی دھمکی اُسکو دی گئی ہے یا طلاق جبراً دینا قبول کرلے پس ان دونون باتون پر نظر کرکے وہ اُس بات کو اختیار کرتا ہے جو آسان تر ہے یعنی طلاق کو اختیار کرتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فعل اُسکے اختیار سے صادر ہوا ہے"

[1] ترجمہ فارسی ہدایہ کتاب ۴ باب ۱ ۲۱ - ۱۲ متن [2] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۴۹ - اس عبارت کا ترجمہ مبہم سے اور

بمقدمہ ابراہیم ملا بنام عنایت الرحمن ہائی کورٹ کلکتہ نے یہ تجویز کیا تھا کہ دو جو شخص بالاکراہ واجبار طلاق دے اُسکا طلاق جائز و موثر ہے مگر جو اصول اس مقدمہ میں بیان کیا گیا اُسکو حنفیہ سے مخصوص سمجھنا چاہیئے۔ مثلاً فرض کیجیے کہ کوئی حنفی جبر اور تخویف سے اپنی زوجہ کو طلاق دیدے اور جب اُسکو اپنے فعل پر پھر اختیار ہو جائے تو اُس طلاق کے جواز کا انکار کرے اور امام شافعی کی تقلید اختیار کرکے اُس طلاق کے نتائج سے محفوظ رہے تو اسمین شک نہین ہے کہ اُسکا یہ فعل شرعاً جائز ہوگا اور جو طلاق اُسنے دیا تھا وہ ناجائز ہو جائیگا۔

مالکیہ بھی اُسی قاعدہ کے پابند ہین جو شافعیہ نے اختیار کیا ہے۔ اُنکا (مالکیہ کا) قول یہ ہے کہ دو سزا کی دھمکی دینا یا خود شوہر یا اُس شخص کو جس سے وہ محبت رکھتا ہو زدو کوب یا قید یا موت کا خوف ہونا طلاق کو ناجائز اور غیر موثر کر دیتا ہے۔

اب رہا یہ امر کہ کس قسم کے جبر سے طلاق ناجائز ہو جاتا ہے سو اس مسئلہ مین شافعیہ اور مالکیہ نے شیعہ سے اتفاق کیا ہے کہ جبر ایسا ہو کہ ایک معقول آدمی کے کردار یا نفس پر اثر کرے۔

سب علماے اہل سنت کا اتفاق ہے کہ طلاق طفل نابالغ کا گو عاقل ہو غیر موثر ہے اگر طفل نابالغ اپنی زوجہ کو خود طلاق دے یا دوسرا شخص اُسکی طرف سے طلاق دے اور وہ لڑکا بعد بلوغ اُس طلاق کی تصدیق کردے جو اسکی نابالغی کے زمانہ میں ہوا تھا تو ایسی تصدیق کو چاہیئے کہ بصورت طلاق جدید تعبیر کیجائے نہ یہ کہ جو طلاق پیشتر ہوا تھا صرف اُسکی تصدیق کردیجائے۔

صاف نہین ہے مگر مولف نے ہیملٹن صاحب کا ترجمہ بعینہ نقل کر دیا ہے خود اُس عبارت کا ترجمہ نہین کیا ہے۔ ۱۲ منہ سلہ سدرلینڈ کا ویکلی رپورٹر جلد ۱۲ صفحہ ۳۶۰۔ ۲ ۱ منہ سلہ کتاب الانوار ۱۲ منہ سلہ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۹۰ ۴ و فتح القدیر ہے کنز الدقائق۔ فصول عمادیہ ۱۲ منہ سلہ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۹۰ ۴۔ بحر الرائق ۔ ۱۲ منہ۔

طلاق اس شخص کا جو مجنون ہو یا مرض مالیخولیا مین مبتلا ہو ناجائز ہے - اسی طرح سے
اگر کوئی شخص حالت خواب یا عالم بیہوشی یا غشی یا تعجب کی حالت مین طلاق دے تو وہ طلاق
بھی شرعاً منسوخ ہوگی -

اگر کوئی مجنون جسکو کبھی کبھی جنون سے افاقہ بھی ہو جاتا ہو جنون کے دورہ مین طلاق
دے تو شرعاً معتبر نہوگا لیکن اگر افاقہ کی حالت مین طلاق دے تو شرعاً صحیح ہوگا -
سنیون کے نزدیک اختیار کا اثر طلاق پر نہین ہو سکتا - یعنی مثلاً اگر کوئی شخص اپنی
زوجہ سے کہے کہ الخ یعنی مین نے تجھکو طلاق دیا مگر تین روز تک مجھکو تنسیخ طلاق کا
اختیار رہیگا تو طلاق جائز ہوگا مگر اختیار تنسیخ ناجائز ہوگا - اگر طلاق کسی شرط سے دیا جائے
یا ایسے واقعہ کے وقوع پر موقوف رکھا جائے جو فی نفسہ محال نہو تو ایسی شرط جائز ہے
اور طلاق کا نفاذ صرف اسوقت ہوگا جب وہ شرط پوری کردیجائیگی -
مگر شیعون کے نزدیک سب طلاق جنمین کوئی شرط لگا دیجائے یا کوئی اختیار دیدیا جائے
مطلقاً ناجائز ہین - انکے نزدیک طلاق بذریعہ تحریر دینا یا صیغہ طلاق بزبان عربی کے
سوا اور کسی زبان مین پڑھنا درحالیکہ صیغہ طلاق عربی مین پڑھنے کی لیاقت موجود ہو ناجائز ہے
اور انکے نزدیک طلاق باشارات وکنایات سے بھی دینا جائز نہین ہے الا اینکہ شوہر گونگا ہو -
گونگا آدمی بذریعہ تحریر طلاق دے سکتا ہے مگر جو شخص طاقت گویائی رکھتا ہو اسکو تحریراً طلاق
دینا جائز نہین ہے - اگر شوہر غائب یا غیر حاضر ہو تو بھی زوجہ کو تحریر کے ذریعہ سے طلاق
نہین دے سکتا ہے - مگر برخلاف اسکے سنیون کے نزدیک طلاق تقریراً اور تحریراً دونون طرح سے
ہو سکتا ہے - انکے نزدیک تحریر دو قسم کی ہے مرسوم اور غیر مرسوم - جب طلاق تحریر مرسوم

سلہ فتاوے عالمگیری صفحہ ۴۰۰ - کنز الدقائق - فتاوے قاضیخان - صفحہ ۲۹ - ۱۲ منہ سلہ مسائل و اقوال
اہلسنت کے ... - ۱۲ منہ ... جامع الشتات - ۱۲ منہ سلہ مفاتیح - ۱۲ منہ سلہ جامع الشتات - ۱۲ منہ سلہ فتاوے
عالمگیری صفحہ ۶۹۴ - ۱۲ منہ

مین دیا جائے تو جائز ہے کہ شوہر کا ارادہ فی الواقع زوجہ کو طلاق دینے کا ہو۔ تحریر غیر مرسوم اگر مشکوک و مبہم ہو تو طلاق صحیح نہین ہے۔ لیکن اگر اُس تحریر مین کچھ ابہام نہو اور اُسکے معنی صاف و واضح ہون تو طلاق صحیح ہے۔[1]

شوہر کو یہ ضرور نہین ہے کہ زوجہ کے سامنے خود طلاق پڑہے البتہ یہ ضرور ہے کہ اُسکا علم زوجہ کو ہوجائے۔ جب شہادت سے یہ ثابت ہو کہ طلاق کا علم زوجہ کو ہوا تھا یا وہ تحریر جسکے ذریعہ سے طلاق دیا گیا تھا (اگر طلاق سینون کے مذہب کے موافق دیا گیا ہو) زوجہ کو دیدی گئی تھی اور اُسکا مضمون اُسکو سمجھا دیا گیا تھا تو اس صورت مین پریسیڈنسی مجسٹریٹ کلکتہ نے یہی تجویز کیا ہے کہ ایسا طلاق شرعاً جائز اور موثر ہے۔

شیعون کے مذہب مین یہ بھی ضرور ہے کہ دو عادل گواہون کے سامنے طلاق پڑھا جائے یا اگر [illegible] ہو تو دو گواہون کے سامنے طلاق لکھ کر یا اشارہ سے دے۔ اور صرف گواہونکا موجود ہونا ہی طلاق کے وقت کافی نہین ہے بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ گواہ اُس طلاق کی حقیقت کو سمجھین اور صیغہ طلاق پڑھتے سنین۔ اگر گواہ ٹھیک ٹھیک کیفیت طلاق کی نہ بیان کرسکین یا اُن الفاظ یا اشارات کو نہ سمجھ سکین تو وہ طلاق ناجائز ہوگا گو اور سب شرائط کی تکمیل کما حقہ ہوگئی ہو۔ اور شیعون کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ گواہ یکجا ہون۔

الغرض شیعون کے احکام طلاق ایسے سخت ہین اور فسخ عقد کے موانع شرعی اُنکے نزدیک اس کثرت سے ہین کہ یہانتک لکھا ہے کہ اگر ایک گواہ طلاق کی کارروائی کے ایک درجہ مین موجود ہو اور دوسرا گواہ اس کارروائی کے دوسرے درجہ مین حاضر ہو تو طلاق صحیح نہوگا اور جب گواہ یہ گواہی دین کہ زوجہ نے طلاق کو قبول کرلیا ہے تو چاہیئے کہ اُنکے بیانات مین اتفاق ہو یا ایک ہی وقت طلاق وہ دونون نے بیان کیا ہو یا دونون کا اظہار ساتھ لیا جائے

[1] فتاوے عالمگیری صفحہ ۴۳۳ - فتاوے قاضیخان صفحہ ۲۹ - ۱۲ منہ

تاہم شرایع الاسلام[1] مین لکھاہے کہ "اگر ایک گواہ وقوع طلاق کی گواہی دے اور دوسرا گواہ اُسکے قبول ہونے کی گواہی دے تو اُنکی شہادت شرعاً قابل تسلیم ہوگی"

جب طلاق گواہون کے سامنے دیا جائے تو اُسکا نفاذ اسپر موقوف ہے کہ بکلمات مخصوصہ پڑھا گیا ہو- اگر کوئی شوہر اپنی زوجہ کو پہلے بغیر گواہون کے اور بعد اُسکے گواہون کے سامنے طلاق دے تو پہلی طلاق کالعدم سمجھا جائیگا- اور فرائض طلاق دوسری طلاق کی تاریخ وقوع سے پیدا ہونگے بشرطیکہ وہ جائز ہو-

مگر سنیون کے نزدیک طلاق مین گواہون کا ہونا ضرور نہیں ہے بلکہ جب طلاق کا علم زوجہ کو ہوجائے تو وہ شرعاً جائز و مباح سمجھا جائیگا-

شیعون کے نزدیک جو طلاق اس عالم مین دیا جائے جب کہ آدمی غصہ کے مارے بے اختیار ہوگیا ہو وہ ناجائز ہے مگر سنیون کے نزدیک جائز ہے-

سنیون کے نزدیک تعدد و اربے شمار صیغے[2] طلاق کے ہین جنمین سے بعض کے معانی ظاہر ہین اور بعض سے ارادۂ طلاق ضمناً مفہوم ہوتا ہے

شیعون کے نزدیک صرف دو صیغون سے طلاق ہوسکتا ہے اور اگر کوئی اور صیغہ پڑھا جائے خواہ وہ قطعی الدلالت ہو خواہ متشابہ المعنی ہو تو طلاق باطل ہے-

ہائی کورٹ[3] کلکتہ نے مذہب حنفی کے موافق یہ تجویز کیا ہے کہ صرف لفظ طلاق تین دفعہ دُہرا دینا بے اسکے کہ کسی شخص سے خطاب کیا جائے جواز طلاق کے لیے کافی نہین ہے-

چونکہ وہ اصول جو اس فیصلہ مین لکھا ہے مذہب شیعہ کے اصول مین داخل ہے اور اُس مذہب مین جواز طلاق اسپر موقوف ہے کہ صیغۂ طلاق کسی شخص خاص کی طرف خطاب کرکے پڑھا جائے

---

[1] شرایع الاسلام صفحہ ۳۱۶ - جامع الشتات - ۱۲ منہ [2] یہ صیغہاے طلاق فتاواے عالمگیری صفحہ ۵۲۰ - ۵۳۳ - اور فتاواے قاضیخان جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ - ۲۰۳ - اور ہدایہ صفحہ ۳۴۲ - ۳۵۰ مین ملاحظہ ہون - ۱۲ منہ -

[3] فرزند حسین بنام جانابی بی - انڈین لا ریورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۴ صفحہ ۵۸۸ - ۱۲ منہ

لہذا یہ تنظیر شیعہ اور سنی دونوں پر برابر صادق آتی ہے

طلاق کے نتائج شرعی

طلاق کی بحث میں اس شرط کو اور بھی صاف کر دینا ضرور ہے جو اُن نتائج شرعیہ میں ذکر کیا گیا جو صیغہ سے پیدا ہوتا ہے۔ سابق میں بیان کیا گیا کہ طلاق باعتبار اپنے نتائج شرعیہ کے دو قسم کا ہے۔ طلاق بائن اور طلاق راجع۔

طلاق بائن سے فسخ نکاح مطلقاً ہو جاتا ہے اور اختیار رجوع نہیں باقی رہتا۔ طلاق راجع میں شوہر کو رجوع کا یعنی زوجہ کے ساتھ از سر نو ہمبستری کا اختیار باقی رہتا ہے۔ طلاق بائن بمجرد پڑھنے صیغہا سے طلاق کے بشرائط ذیل ناقذ ہو جاتا ہے (۱) جب شوہر اور زوجہ میں ہمبستری نہوئی ہو۔ (۲) جب زوجہ کے کم سن یا کبیر السن ہونے کی وجہ سے مباشرت ممکن نہو۔ (۳) جب شوہر و زوجہ نے باہم قول قرار کرکے فسخ نکاح کر لیا ہو۔

طلاق راجع میں جو زوجہ کی طرف دوبارہ رجوع کیجاتی ہے اسکو رجعت کہتے ہیں۔ اگر رجعت الفاظ کے ذریعہ سے وقوع میں آئے تو گواہوں کی شہادت لیجائیگی لیکن اگر رجعت بذریعہ الفاظ نہوئی ہو تو زوجہ کے بیان کا اعتبار کیا جائیگا۔

ہر طلاق راجع ایک مدت معینہ منقضی ہونے کے بعد طلاق بائن ہو جاتا ہے اگر اس مدت کے اندر شوہر و زوجہ دوبارہ ہمبستری کا ارادہ نہ ظاہر کریں تو طلاق راجع طلاق بائن ہو جائیگا۔ طلاق کی دونوں قسموں میں سنی اور شیعہ دونوں کے نزدیک یہ ضرور ہے کہ طلاق کے وقت شوہر و زوجہ میں نکاح جائز موجود ہو۔ اور شیعوں کے نزدیک یہ بھی ضرور ہے کہ وہ نکاح دائمی ہو متعہ نہو۔

عموماً طلاق کی ابتدا شوہر کی جانب سے ہوتی ہے اور بعض حالات میں اور بعض وجوہ خصوصہ سے حاکم شرع شوہر کو طلاق دینے پر مجبور کر سکتا ہے جیسا آئندہ بیان کیا جائیگا طلاق راجع میں حاکم شرع دست اندازی کر سکتا ہے اگر شوہر شرع کے منشاء کے خلاف

کوئی امر کرے۔

جب طلاق کی ابتدا شوہر کی جانب سے ہو تو اسکو زوجہ کی جائداد کا حساب کتاب دینا پڑتا ہے اور اسکی کُل جائداد مع اُسکے مہر کے اُسکو دیدینی پڑتی ہے۔ اگر شوہر ایسا نہ کرے تو اُسپر خرچہ اور مہر کی نالش ہو سکتی ہے۔

طلاق بائن اور طلاق راجع دونون مین زوجہ کو بعد انقضاء عدہ عقد ثانی کر لینے کا اختیار رہے۔

طلاق المریض

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شوہر عالم احتضار مین ہوتا ہے یا ایسے مرض مین مبتلا ہوتا ہے جو آخر الامر اُسکی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے اور وہ اسلیے زوجہ کو طلاق دینا چاہتا ہے کہ اُسکے مرنے کے بعد اُسکی وارث نہو سکے۔ ایسی صورتون کے لیے چند قواعد مقرر کر دیے گیے ہین تاکہ اختیار طلاق کی ناانصافانہ تعمیل سے کوئی حرج یا نقصان نہونے پائے۔ اِن قواعد کا لحاظ رکھنا اسلیے ضرور ہے کہ اِنسے سُنی اور شیعہ مین فرق عظیم معلوم ہوتا ہے۔

شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ "مریض کو اپنی زوجہ کو طلاق دینا مکروہ اور گناہ ہے لیکن اگر وہ ایسا کرے تو شرعاً جائز ہوگا" ہدایہ مین اس سے بھی زیادہ تصریح سے لکھا ہے کہ "مریض اپنی زوجہ کو طلاق دے سکتا ہے گو وہ جان کنی کے عالم مین ہو"

سنیون کے نزدیک جب کوئی شخص عالم احتضار مین طلاق دے اور زوجہ کا عدہ منقضی ہونے کے پیشتر مر جاے تو زوجہ اُسکی میراث پانے کی مستحق ہوگی۔ لیکن اگر وہ بعد انقضاء عدہ مر جائے تو زوجہ محجوب الارث ہو جائیگی۔

شیعون کے نزدیک اگر شوہر تاریخ وقوع طلاق سے برس روز کے اندر مر جائے خواہ طلاق بائن ہو خواہ طلاق راجع تو زوجہ اُسکی میراث پانے کی مستحق ہوگی بشرطیکہ اس اثنا مین اُس عورت نے دوسرے شخص سے عقد نہ کر لیا ہو۔ اگر اس عرصہ مین اُسنے

دوسرا عقد کرلیا ہو تو اُسکا حق وراثت شوہر اول کی جائداد مین زائل ہو جائیگا - اسی طرح سے
زوجہ شوہر کی میراث اُس صورت مین بھی نہ پائیگی جب کہ شوہر نے بیماری کے عالم مین اسکو طلاق
دیا ہو اور اس بیماری سے شفا پاکر وہ دوبارا بیمار پڑے اور مرجائے الا اینکہ زوجہ کے عدہ کے
زمانہ مین وہ تندرست بھی ہو جائے اور پھر بیمار پڑکر مر بھی جائے -

سنیون کا مسئلہ بالکل جداگانہ ہے - اُنکا قول یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بیماری کے عالم مین
اپنی زوجہ کو طلاق بائن دیدیا ہو اور اُس بیماری سے شفا پاکر دوبارا بیمار پڑے اور زوجہ کے
عدہ کی میعاد کے اندر مرجائے تو زوجہ اُسکی میراث نہ پائیگی - لیکن اگر طلاق راجع ہو تو اس
صورت مین زوجہ اُسکی میراث پائیگی -

شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شدت مرض مین اپنی زوجہ کو طلاق راجع دے
اور زوجہ اُس سے پیشتر اور قبل انقضاے عدہ مرجائے تو شوہر اُسکی میراث پائیگا -
لیکن اگر طلاق بائن ہو یا اگر وہ شخص بعد انقضاے عدہ مرجائے تو اُسکے ورثہ کو اُسکے
حق کے ذریعہ سے کوئی حق وراثت نہ حاصل ہوگا -

سابق مین بیان کیا گیا کہ جو طلاق خود نابالغ یا اُسکا ولی اُسکی طرف سے دیدے وہ شرعاً
ناجائز ہے - اب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اگر نابالغ عورت کو اُسکا شوہر جو طلاق دینے کی
قابلیت شرعیہ رکھتا ہو طلاق دیدے تو اُس طلاق کا کیا اثر اُس عورت پر ہوگا - اس
مسئلہ مین کوئی خاص حکم یا فتوے کتب اہل سنت یا شیعہ مین نہین لکھا ہے - البتہ
جامع الشتات مین کہ شیعون کی ایک معتبر کتاب ہے بعض صورتین ایسی لکھی ہین جنسے
اِس مسئلہ کی بہت کچھ کیفیت معلوم ہوسکتی ہے - سُنی اور شیعہ دونون کا اتفاق ہے
کہ صیغۂ طلاق ہر حال مین زوجہ کی سمجھ مین آجانا لازم ہے - اِس سے یہ لازم آتا ہے
کہ جب زوجہ ایسی کم سن ہو کہ طلاق کے نتائج شرعیہ کو نہ سمجھ سکے یا رشید یعنی ذی شعور
نہو تو اُسکو طلاق دینا جائز نہین ہے - نیل المرام مین کہ شیعون کی ایک کتاب ہے لکھا ہے

کہ جواز طلاق اسپر موقوف ہے کہ شوہر و زوجہ دونون رشید و عاقل ہون۔

اب یہ سوال ہے کہ آیا شوہر اختیار طلاق کو اُسوقت عمل مین لاسکتا ہے جب زوجہ سفیہہ یا مجنونہ ہوجاے۔ یہ مسئلہ بھی دقت سے خالی نہین ہے۔ صرف زوجہ کے سفیہہ ہونے سے شوہر کو فسخ نکاح کا حق نہین حاصل ہوجاتا اور اگر زوجہ مجنونہ ہو تو ضرور ہے کہ قبل نکاح اُسکو جنون ہوا ہو تاکہ فسخ عقد کی وجہ وجیہ پیدا ہوجائے۔

مگر یہ مسئلہ تنسیخ نکاح کے حق سے متعلق نہین ہے بلکہ قابلیت طلاق سے متعلق ہے بعض حالات مین اور چند شرائط معینہ کی پابندی سے فسخ عقد کا اختیار شوہر کو اُسوقت دیا گیا ہے جبکہ وہ زوجہ کا مہر ادا کردے۔ پس یہ سوال ہوسکتا ہے کہ جو شوہر زوجہ کے مجنونہ ہونے کی وجہ سے فسخ عقد نہ کرسکے آیا وہ دوسری کارروائی سے یعنی طلاق سے فسخ نکاح کرسکتا ہے۔ ج

چونکہ ہر طلاق مین ضرور ہے کہ زوجہ اُسکی کارروائی کا علم رکھتی ہو اور چونکہ مجنون دائمی سے خلاصی پانے کی ایک سبیل شرع مین نکالدی گئی ہے لہذا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو عورت مجنونہ ہو اُسکو طلاق دینا جائز نہین ہے اِلّا اینکہ اُسوقت طلاق دیا جائے جب وہ ہوش مین ہو۔

ہندوستان مین اکثر ایسا ہوا ہے کہ شوہر و زوجہ مین طلاق بائن ہوگیا ہے اور پھر اُن دونون نے بغیر تعمیل احکام شرع کے ہمبستری کی ہے مگر ایسے مقدمات کسی عدالت مین نہین پیش ہوے ہین۔

اگر ایسی ہمبستری کے جواز کا قیاس سنیون کے مذہب پر نظر کرکے کیا جائے تو اُسکو جائز کہنا مشکل ہے۔ اگر دوبارہ ہمبستری کرنے کے بعد مرد اور عورت دونون اُس لعن و طعن سے بچنے کے لیے جو سنیون کے مذہب مین ایسے تعلق پر ہے یہ بیان کرین کہ ہم مذہب شیعہ کے پیرو ہین اور شوہر کہے کہ طلاق دینے کے وقت اُسکا ارادہ طلاق بائن دینے کا نہ تھا تو وہ

ہمبستری شرعًا جائز ہوگی۔

فریقین کے نزدیک شوہر اپنا اختیار طلاق دوسرے شخص کو تفویض کر سکتا ہے۔ بلکہ خود زوجہ کو تفویض کر سکتا ہے۔ اگر شوہر زوجہ کو اختیار طلاق دیدے تو زوجہ کو خود اپنے تئین طلاق دینے کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر یہ حق اُس مقام خاص پر محدود ہے جس مقام پر زوجہ کو اختیار طلاق ملا ہے۔ پس اگر وہ اُس مقام سے اور کہین چلی جائے تو یہ حق زائل ہو جائیگا کیونکہ اِس سے معلوم ہوگا کہ اُسنے اس حق کو نامنظور کیا ہے۔

وکالت طلاق مین شوہر کا ارادہ شرط ہے۔ اگر وکالت کو زوجہ قبول کر کے طلاق عمل مین لائے تو حنفیہ کے نزدیک وہ طلاق بائن ہوگا۔ فقط

بارھوان باب

وہ طلاق جو زوجہ کی جانب سے ہو یعنی خُلع۔ مبارات

شرع اسلام جاری ہونے سے پیشتر زوجہ کو طلاق مانگنے کا حق کسی حال مین اور کسی نہج سے حاصل نہ تھا۔ خاص خاص صورتون مین اختیار طلاق معاہدہ کے ذریعہ سے زوجہ کو حاصل ہو جاتا تھا۔ مگر عمومًا یہود اور مشرکین عرب دونون کے نزدیک عورت طلاق کا حق نہ رکھتی تھی قرآن مجید مین نسوان عرب کو وہ حق عطا کیا گیا جو اُنکے مُلک کے آئین و قوانین کے بموجب اُنکو کبھی نہ حاصل ہوا تھا۔

چنانچہ فتاواے عالمگیری مین ہدایہ اور بدایہ کو سند گردانکر لکھا ہے کہ "جب شوہر و زوجہ مین نااتفاقی ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ وہ احکام شرع کی پابندی نہین کر سکتے (یعنی جو فرائض تعلق زوجیت سے اُنپر عائد ہوے ہین اُنکو نہین بجالا سکتے) تو عورت اپنی گلوخلاصی اِسطرح کر سکتی ہے کہ کچھ جائداد اپنی دیکر اپنے شوہر سے خلع لے لے۔

۱؎ فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۹۵۔ کنز الدقائق ۔۔۔ ۲؎ فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۶۶۔ فتاواے قاضیخان صفحہ ۱۳۴ فصولہ عمادیہ۔ کنز الدقائق۔ شرایع الاسلام۔ مفاتیح۔ جامع الشتات ارشاد علامہ۔ ڈی اوہن صاحب اور سایسی صاحب ورساٹیر صاحب کی کتابین

اور جب[1] شوہر و زوجہ مین خلع ہو جائے تو بمنزلہ طلاق بائن ہو گی ؎
یہ طریقہ خلع کا جو عبارت مذکورہ بالا مین لکھا ہے اُس اصول پر مبنی ہے جو قرآن مجید[2] مین لکھا ہے
سُنیون کے نزدیک صرف ایک قسم خلع کی ہے مگر شیعون کے نزدیک دو قسمین ہین۔
جب طلاق زوجہ کی جانب سے ہو اور اسوجہ سے ہو کہ وہ شوہر سے نفرت رکھتی ہو یا اس سبب سے ہو کہ فرائض زوجیت کو بجالانا اُسے منظور نہو تو زوجہ اپنا مہر معین یا اور کوئی جائداد شوہر کو دیکر قطع تعلق کر سکتی ہے۔ ایسے طلاق کو خلع کہتے ہین۔ جب طلاق شوہر و زوجہ دونون کی رضامندی سے ہو اور اسوجہ سے ہو کہ ایک دوسرے سے بیزار ہو تو اسکو مبارات کہتے ہین جس سے دونون کی برائت اور گلو خلاصی ہو جاتی ہے۔
سنیون نے مبارات کو خلع مین داخل کیا ہے مگر شیعون نے اسکو ایک جداگانہ کاروائی قرار دیا ہے۔ طلاق اور خلع اور مبارات مین جو فرق ضروری ہے وہ بیان ہو چکا ہے۔ اس مقام پر صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ خلع اور مبارات طلاق بائن کا اثر رکھتے ہین۔
شیعون کے نزدیک چار شرطین جو جواز طلاق کی ہین وہی دوام خلع کی ہین۔ یعنی شوہر کو بالغ و عاقل اور بکار خود مختار ہونا چاہیئے اور قصد طلاق بھی رکھنا چاہیئے۔ چنانچہ شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ وہ جواز خلع اسپر موقوف ہے کہ شوہر بالغ و عاقل اور بکار خود مختار ہو اور یہ بھی ضرور ہے کہ خلع قصداً دیجائے۔ اگر طفل نابالغ باذن یا بغیر اذن ولی خلع دے یا کوئی شخص اجبار و اکراہ یا داب ناجائز یا فریب سے خلع دے تو وہ شرعاً ناجائز ہو گا،، - خلع اس صورت مین بھی ناجائز ہے

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۶۶۹ - ۱۲ منہ [2] اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ - وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (سورۃ البقر آیت ۲۲۹ - و سورۃ النساء آیت ۱۲۷ - ۱۲ منہ

جبکہ خلع دینے والا نشہ کے عالم مین ہو یا غصہ کے مارے از خود رفتہ ہو گیا ہو۔ مگر مجنون کا ولی اُسکی زوجہ سے مہر چھڑوا کر خلع دے سکتا ہے۔ خود اُس عورت کے باب مین جو خلع کی طالب ہو وہی شرائط ہین جو طلاق مین ہین۔

شیعون کے نزدیک خلع مین بھی چند رسوم مخصوصہ کی پابندی واجب ہے۔ صیغہائے خلع کو چاہیئے کہ صریح المعنی اور غیر مشروط ہون۔ اور صیغے زبان عربی مین پڑھنے چاہئین دبشرطیکہ اُس زبان پر قدرت ہو) اگر کوئی شرط خلع مین لگا دیجائے تو خلع باطل ہوجائیگی بعد انقضائے عدہ خلع طلاق بائن کی طرح نافذ ہو جاتی ہے۔ شیعون کے نزدیک طلاق کی طرح خلع مین بھی دو عادل گواہون کا ہونا ضرور ہے۔

اگر کوئی شوہر اپنی زوجہ کو خلع دے درآنحالیکہ اُن دونون کے مزاج مین موافقت ہو تو وہ خلع ناجائز ہوگی۔ چنانچہ نیل المرام مین لکھا ہے کہ "اگر شوہر فرائض زوجیت سے تعدی اور تجاوز کرے تو زوجہ اُسکو اُن فرائض کے بجالانے پر مجبور کرسکتی ہے یا وہ حاکم شرع کی دست اندازی کی استدعا کرسکتی ہے"۔ جب شوہر و زوجہ مین ہمیشہ نااتفاقی رہتی ہے تو حاکم شرع کسی عورت کو حکم قرار دیتا ہے کہ کوشش کرکے اُن دونون مین مصالحہ کرادے کوہ قاف کے اُسطرف جو ملک مثل گرجستان وغیرہ کے ہین جہان وہ آئین وقوانین جو شرع محمدی سے پیدا ہوئے ہین ابتک موجود ہین اُنمین یہ دستور ہے کہ قاضی خود جاکر زن و شوہر مین مصالحہ کرادیتا ہے۔

جن ملکون مین شرع شریف جاری ہے وہان حنفیہ اور شافعیہ مین یہ دستور ہے کہ جب شوہر اور زوجہ مین نزاع ہوتی ہے تو قاضی دو عورتون کو حکم مقرر کرتا ہے ایک عورت کو شوہر کی طرف سے اور ایک عورت کو زوجہ کی جانب سے اور وہ دونون پنچایت کرکے زن و شوہر مین مصالحہ کرادیتی ہین۔ اگر نااتفاقی کے اسباب باقی رہین یا اگر مصالحہ کی کوشش کارگر نہو تو اُن عورتون کو اجازت دیجاتی ہے کہ مذکورۂ بالا کارروائیون مین سے کوئی کاروائی

کرسکے فسخ نکاح کردین۔

شیعون کے نزدیک وہی رسوم شرعی مبارات مین بھی ادا کرنا ضرور ہے جو خلع مین بجالانا واجب ہین۔ جو خلع کسی عورت کے ولی یا اُسکے باپ نے حاصل کی ہو وہ جائز ہے اور طلاق بائن کا حکم رکھتی ہے مگر اُس عورت کو مہر شوہر کو دیدینا فرض نہین ہے الّا اینکہ خود اُسکی اجازت سے اُسکے ولی یا باپ نے اُسکی طرف سے خلع لی ہو۔ اگر اُسنے انکو اپنی طرف سے خلع لینے کی اجازت دی ہے تو اُنکے اختیارات اُس حد کے اندر محدود رہینگے جس حد تک اُسنے اجازت دی ہے لکن اگر اُس عورت کے بغیر اجازت انھون نے خلع مانگی ہو اور شوہر نے خلع دیدی ہو تو وہ لوگ اور نہ زوجہ مہر واپس کردینے کی مکلف ہونگے۔ اگر زوجہ نابالغ ہو اور اُسکے ولی اُسکی طرف سے اُسکے شوہر سے خلع لے لین تو وہ خلع ناجائز ہوگی۔

جو معاوضہ زوجہ خلع مین شوہر کو دیتی ہے وہ ایک ذریعہ ایک مطلب حاصل کرنے کا ہے یعنی شوہر کا اذن حاصل کرکے فسخ عقد مقصود ہوتا ہے۔ مگر یہ شرط ضرور نہین ہے اسواسطے کہ جب متناکحین فسخ نکاح پر راضی ہوجائین تو طلاق جائز ہوجاتا ہے۔

ہدایہ مین لکھا ہے کہ "اگرچہ جس معاوضہ کا اقرار کیا گیا ہے وہ نہ دیا گیا ہو تو بھی مبارات اور خلع ایک ہی چیز ہے (مبارات کے معنی یہ ہین کہ شوہر زوجہ سے کہے کہ مین اُس نکاح سے بری ہوگیا جو میرا تجھسے ہوا تھا اور زوجہ اسپر راضی ہوجاوے) یعنی دونون کے ابراکی وجہ سے اُنکے باہمی حقوق زوجیت ساقط ہوجاتے ہین"[1]

اصول مصرحہ بالا کے بموجب الجیرس کی عدالتون نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب شوہر زوجہ دونون کی رضامندی سے طلاق ہوا ہو تو ایسی طلاق سے اُن دونون مین بالکل قطع تعلق ہوجاتا ہے گو زوجہ وہ معاوضہ جسکا اقرار اُسنے کیا ہے ادا کرنے سے قاصر رہی ہو یا اُسنے مہر معین نہ چھوڑ دیا ہو اور گو شوہر یہ بحث کرے کہ جب زوجہ مہر سے نہین دست بردار

[1] ترجمہ انگریزی ہدایہ جلد ۳ ۲۰۳ فتاواے عالمگیری صفحہ ۶۶۹۔ کنز الدقائق ۱۲ منہ

ہوئی ہے تو خلع ناجائز ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اہل سنت کے نزدیک صرف شوہر و زوجہ کی رضامندی جواز خلع کو کافی ہے اور ہدایہ مین ایک مقام پر یہانتک لکھا ہے کہ خلع کے لیے قصد ضرور نہین ہے بلکہ صرف معاوضہ کا ذکر کر دینا شرعًا کافی ہے۔

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو عورتین شرعًا اپنا نکاح کر سکتی ہین وہ خلع یا مبارات کی کارروائی بھی کر سکتی ہین۔ مگر اِس قاعدہ کی چند مستثنیات بھی ہین۔ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک بالغ عورت ایک حق ذاتی خلع کا رکھتی ہے یعنی صرف وہی خلع طلب کر سکتی ہے اور معاوضہ مطلوبہ دینا منظور کر سکتی ہے گو وہ ہمیشہ بغیر اپنے ولی کی اجازت کے نکاح کا اذن نہین دے سکتی نہ خود اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ البتہ باپ اُس بیٹی کی طرف سے خلع لے سکتا ہے جو سریہ یعنی نابالغہ ہو اور جسکا نکاح اُسنے جبرًا کر دیا ہو۔ اور چونکہ وہ باپ کے اختیار مین ہے لہذا باپ اُسکی طرف سے خلع لے سکتا ہے اور ایک جزو مہر سے دست بردار ہو کر فسخ نکاح کر سکتا ہے۔ اِسی طرح سے طفل سریہ یعنی نابالغ لڑکے کی طرف سے اُسکا باپ خلع دے سکتا ہے۔ اور باپ کا وصی صرف اُسوقت خلع دے سکتا ہے جبکہ باپ کے اختیارات اُسکو دیے گئے ہون۔ سریہ یعنی نابالغ لڑکی شرعًا خلع نہین لے سکتی۔ مگر جہانتک اُسکی جدائی شوہر سے متعلق ہے وہانتک وہ خلع جو اُسنے خود دے ہی بالکل ناجائز نہو جائیگی۔ الکرخی کا قول یہ ہے کہ جب نابالغ زوجہ طلاق پر اس شرط سے راضی ہو جائے کہ اپنے مہر سے دست بردار ہو یا معاوضہ دے تو ایسی خلع جائز ہوگی مگر مہر سے دست بردار ہونے یا معاوضہ دینے کی شرط باطل ہوگی۔ اور اگر اُسنے کچھ مہر یا معاوضہ دیا ہو تو اُسکو واپس کر دینا چاہیئے۔

بعض علماے مالکیہ کے نزدیک فاتر العقل عورت خلع لے سکتی ہے مگر سیدی خلیل نے اس مسئلہ مین بہت کلام کیا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک سب بالغ عورتون کو خلع لینے کا حق حاصل ہے۔ اور اِسمین اُنکے نزدیک

عاقلہ اور غیر عاقلہ کا کچھ فرق نہین ہے۔ اب رہی سر پرستی سوا اسکے باپ یا باپ کے وصی کو اسکی طرف سے خلع لینا انکے نزدیک جائز ہے۔ چنانچہ ہدایہ مین لکھا ہے کہ وہ اگر باپ اپنی دختر نابالغ کی طرف سے کچھ معاوضہ کا اقرار کر کے خلع لے اور اسکو ادا کرنا اپنے ذمہ کرلے تو ایسی خلع شرعاً جائز ہے۔ لیکن اگر باپ یہ شرط کرے کہ معاوضہ لڑکی دیگی تو جب وہ لڑکی بالغ ہوگی تب اسکو اختیار ہوگا کہ چاہے وہ معاوضہ ادا کرے چاہے نہ کرے۔ رسول اللہ صلعم نے ایک حدیث مین فرمایا ہے کہ خلع عورت کی تصدیق پر موقوف ہے[1]۔

حنفیہ کے نزدیک شوہر اگر بالغ ہو تو خود یا وکیل کے ذریعہ سے خلع دیسکتا ہے اور اگر نابالغ ہو تو ولی کے ذریعہ سے خلع دیسکتا ہے۔

جو شوہر ایسے مرض مین مبتلا ہو جسکو شرع کی اصطلاح مین مرض الموت کہتے ہین وہ شرعاً خلع کی اجازت دیسکتا ہے۔ مگر جسطرح وہ طلاق جو عالم احتضار مین دیا گیا ہو زوجہ کو بالکل محجوب الارث نہین کردیتا اسی طرح وہ خلع جو ایسے عالم مین دی گئی ہو زوجہ کے حقوق وراثت کو مطلقاً زائل نہین کردیتی۔

جب عورت کسی مرض مہلک مین مبتلا ہو تو خلع لے سکتی ہے مگر چونکہ اس صورت مین ممکن ہے کہ اسپر دباو ناجائز عمل مین لایا جائے لہذا شرع مین یہ حکم ہے کہ جب کوئی عورت اس بیماری سے مرجائے جسمین اسنے خلع لی تھی تو جو کچھ اسنے بطور معاوضہ خلع کے دیا ہو وہ اسکے ورثہ کو واپس کردینا چاہیئے[2]۔

لفظ مرض الموت کی ٹھیک ٹھیک تعریف بیان کرنا مشکل ہے۔ بعض علما کے نزدیک مرض الموت وہ بیماری ہے جس سے آدمی برس روز کے اندر مرجائے۔ بعض علما کے نزدیک مرض الموت وہ ہے جو آدمی کو معمولی کاروبار کرنے کے قابل نہ رکھے یا جس سے وہ نماز کے لیے

---

[1] ہدایہ کتاب ۴ باب ۸۔ ۱۲ منہ [2] بعض علما کے نزدیک شوہر کو واجب ہے کہ رقم معاوضہ مین سے اپنا حصہ نکال کر روجہ کے ورثہ کو واپس کردے ۱۲ منہ

نہ کم ہوا ہو سکے۔ مگر انمین سے کوئی تعریف اُس معنی پر نہین صادق آتی جو اس لفظ سے مقصود معلوم ہوتے ہین گو علماے شیعہ نے ظاہرا پہلی تعریف کو اختیار کیا ہے۔ بعض صورتون مین وہ بیماری باعث ہلاکت سال بھر کے اندر نہین ہوتی مگر مریض کے حواس منتشر ہوجاتے ہین اور اُسکے قوتِ عقلی مین فتور پڑجاتا ہے۔ اور بعض صورتون مین اُس مرض سے مریض کی عقل مین کچھ فتور نہین آتا تاآنکہ وہ معمولی کاروبار کرنے کے قابل رہتا ہے۔ جو قول فتاواے عالمگیری اور جامع الشتات مین لکھا ہے وہ زیادہ تر موافق عقل سلیم معلوم ہوتا ہے یعنی کوئی مرض جس سے آدمی غالباً سال بھر کے اندر ہلاک ہوجاتا ہے مرض الموت ہے۔

سُنیون کے نزدیک خلع کا اذن مطلق یا مشروط دونون ہو سکتا ہے جب اذن خلع مطلق اور غیر مشروط ہو تو طلاق بائن کا اثر پیدا کرتا ہے۔ جب اذن مشروط ہو تو شوہر و زوجہ مین جدائی نہین ہوتی تاوقتیکہ اُس شرط کی تکمیل نہوجائے۔ مگر شیعون کے نزدیک خلع شرعاً جبھی جائز ہے کہ جب مطلق اور غیر مشروط ہے۔

ہدایہ اور ہدایہ دونون مین لکھا ہے کہ جب شوہر اِن شرطون سے خلع پر راضی ہو کہ زوجہ مہر سے دست بردار ہوجائے یا شوہر کو ایک رقم یا کوئی جزو اپنی جائداد کا بطور معاوضہ دے اور زوجہ اِس شرط یا معاہدہ کی تعمیل سے قاصر رہے تو شوہر خلع کو منسوخ کرنے کا مستحق نہوگا۔ مگر وہ زوجہ پر اُس رقم کی نالش کرسکتا ہے جسکا اقرار اُسنے کیا تھا یا اُس رقم کو ایسے دعوے کے مقابل مین لاسکتا ہے جو زوجہ اُسپر دائر کرے[1]۔

جب زوجہ شوہر پر مہر کی نالش کرے اور یہ بیان کرے کہ اُسنے مجھکو طلاق دیا ہے اور اُسکے جواب مین شوہر یہ عذر پیش کرے کہ اُسنے خلع لی ہے اور مہر سے دست بردار ہوگئی ہے تو ایسی نالش کا فیصلہ صرف اس امر کی شہادت پر موقوف ہوگا کہ آیا طلاق زوجہ کی استدعا سے ہوا ہے یا نہین اور آیا رشتہ زوجیت کو قطع کرنے کے لیے وہ اپنے مہر سے دست بردار

---

[1] فتاواے قاضیخان صفحہ ۲۴۴ [illegible] کنز الدقائق [illegible] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۳۰ [illegible]

ہوئی ہے یا نہین - اِس صورت مین اگر معتبر شہادت نہ موجود ہو تو فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ زوجہ کا قول مہر کے باب مین معتبر سمجھا جائیگا اور شوہر کا قول نفقہ کے باب مین تسلیم کیا جائیگا - یعنی زوجہ کے اِس بیان کا یقین کیا جائیگا کہ وہ مہر سے دست بردار نہین ہوئی ہے مگر شوہر کو زمانہ عدہ مین اسکو نفقہ دینا واجب[1] نہوگا -

شیعون کے نزدیک جسطرح طلاق مین صیغہ شرط ہے اُسی طرح خلع مین بھی صیغہ پڑھنا واجب ہے - مگر سنیون کے نزدیک کوئی خاص صیغہ شرط نہین ہے بلکہ صرف طرفین کا اذن کافی ہے بشرطیکہ وہ اذن باقاعدہ طور سے دیا جاوے - اُنکے نزدیک طلاق اور خلع مین ایک فرق ضروری ہے جسکو یاد رکھنا لازم ہے - یعنی طلاق مین شوہر کو اختیار ہے کہ جیسے الفاظ سے چاہے طلاق دے خواہ صریحاً خواہ ضمناً - مگر خلع مین گو کنایۃً اذن دینا جائز ہے مگر چاہیے کہ اذن زیادہ تر محدود الفاظ مین دیا جاوے مثلاً شوہر کا اتنا کہہ دینا کافی نہین ہے کہ اگر زوجہ مجھے معاوضہ خلع دیدیگی تو مین اُسکو اپنے ساتھ رہنے پر مجبور نہ کرونگا اور یہ بھی کافی نہین ہے کہ شوہر خلع کی خواہش رکھتا ہو نہ اُسکا یہ کہنا کافی ہے کہ زوجہ کے عزیزون سے خلع کے مراتب طے کر لیگا اسواسطے کہ ان الفاظ سے طرفین کا قصد فسخ نکاح کا نہین مفہوم ہوتا ہے - جب شوہر یہ کہے کہ اگر زوجہ راضی ہو تو مین بھی اُس سے قطع تعلق پر راضی ہون یا یہ کہے کہ اگر زوجہ اپنے مہر سے دست بردار ہو جاوے اور شرائط خلع کو قبول کر لے تو مین فوراً راضی ہو جاونگا تو اس صورت مین خلع جائز ہوگی کیونکہ طرفین کا قصد خلع ظاہر ہو گیا ہے - اِسی طرح سے اگر زوجہ شوہر سے کہے کہ میرے مہر کے معاوضہ مین مجھے خلع دیدے اور شوہر کہے کہ مین تجھے خلع دیتا ہون

---

[1] مقدمہ بذل الرحمن بنام لطیف النساء (سو سطر صاحب کا لا رپورٹ جلد ۲ صفحہ ۲۵۱) ملاحظہ ہو نیکی نسبت بیلی صاحب نے بجا فرمایا ہے کہ اس مقدمہ کے فیصلہ مین شرع محمدی مین غلط فہمی ہوئی ہے - بیلی صاحب کی شرع محمدی صفحہ ۳۱۷ - ۱۲ منہ -

تو عقد شرعاً فسخ ہو جائیگا اور مہر ساقط ہو جائیگا۔

سب فرقون کے نزدیک معاوضہ دینا جواز خلع کی شرط ضروری ہے۔ اگر زوجہ ایسی شی معاوضہ مین دے جسمین وہ کچھ حق نرکھتی ہو تو اہل سنت کے نزدیک ایسی خلع کی پابندی شوہر پر فرض نہوگی۔ مگر شیعون کے نزدیک[1] ایسی خلع جائز ہے اور شوہر اسکا مستحق ہے کہ زوجہ سے اُس شی کی قیمت وصول کرلے جسکا اقرار اُسنے کیا ہے۔

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو چیز مہر میں دیجا سکتی ہے وہ معاوضہ خلع مین بھی دیجا سکتی ہے چنانچہ فتاوائے عالمگیری اور ہدایہ مین لکھا ہے کہ "جو چیز[2] شرعاً مہر مین دیجا سکتی ہے یا جو مہر مین قبول ہو سکتی ہے وہ شرعاً معاوضہ خلع مین بھی دیجا سکتی ہے"۔ ایسی ہی عبارت شیعون کی کتاب شرائع الاسلام مین لکھی ہے کہ "جو چیز مہر مین دیجا سکے معاوضہ خلع مین بھی شرعاً دیجا سکتی ہے اور اُس چیز کی مقدار کی کوئی حد[3] نہین ہے"۔

مگر شرائع الاسلام کی اس عبارت پر صاحب مفاتیح نے جو اضافہ کیا ہے وہ لائق غور ہے مفاتیح مین لکھا ہے کہ "جو چیز شرعاً مہر ہو سکتی ہو معاوضہ خلع بھی ہو سکتی ہے خواہ وہ موجود ہو خواہ نہو جیسے اُس نکاح سے جو بچہ پیدا ہوا ہو اُسکو دودھ پلانا یا مان کا حق الحضانت یا مان کا اور اُسکی اولاد کا نفقہ وغیرہ۔

فقہائے اہل سنت نے یہ چاہا کہ جہانتک ممکن ہو زوجہ کو ایسے نکاح سے جو اُسکی جان کا جنجال ہو گیا ہو گا خلاصی مین آسانی ہو اسلیے اُنھون نے قواعد ذیل معاوضہ خلع کے باب مین مقرر کردیے ہین۔

---

[1] شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو ایسی چیز کے معاوضہ مین خلع دے جو دوسرے شخص کا مال ثابت ہو تو کہا گیا ہے کہ ایسی خلع باطل ہے مگر قول اصح یہی ہے کہ ایسی خلع جائز ہے اور وہ شخص اُس چیز کی قیمت پانے کا یا اُسکی مثل کوئی چیز پانے کا مستحق ہے اگر اُسکے مثل اور چیزین بھی موجود ہون۔ شرائع الاسلام صفحہ ۳۳۳ منہ [2] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۵۷۶ - ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۱۶ منہ [3] شرائع الاسلام صفحہ ۲۹۴

اوّل یہ کہ جب خلع واقع ہو چکی ہو یا ایسی چیز کے معاوضہ مین دیگئی ہو جو شرعًا حرام ہے جیسے شراب یا گوشت خوک یا مردار جانور کا گوشت وغیرہ تو خلع جائز ہوگی مگر وہ معاوضہ باطل ہوگا۔ فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ ''ایسی صورتون مین طرفین مین تفرقہ یا قطع تعلق تو ہو جائیگا مگر اشیاء مصرحہ مین سے کسی شی کی پابندی زوجہ پر فرض نہوگی نہ اُسکو کوئی جزو اپنے مہر کا معاف کر دینا پڑیگا'' اسواسطے کہ شرعًا یہ قیاس کیا جائیگا کہ جب شوہر نے اُن اشیاء کو شرعًا حرام جانکر معاوضۂ خلع مین قبول کرلیا تو معلوم ہوا کہ اُسکا قصد کچھ معاوضہ لینے کا نہ تھا لہذا وہ اُن اشیا کا دعوے نہین کرسکتا یا اگر انکو محتسب برباد کردے تو اُنکی قیمت نہین طلب کرسکتا۔ اسی طرح سے اگر زوجہ جانبوجھکر مسروقہ معاوضۂ خلع مین دینے کا اقرار کرے اور شوہر اُسکو مال مسروق جانکر قبول کرلے تو خلع صحیح ہوگی مگر معاوضہ باطل ہوگا اور اگر وہ مال مسروق اُس شخص کو دیدیا جاے جو اُسکا مالک نفس الامر مین ہے تو شوہر اُسکے دلاپانے کی نالش زوجہ پر نہ کرسکیگا۔

شیعون کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے۔ چنانچہ جامع الشتات مین لکھا ہے کہ ''اگر معاوضہ خلع مین ایسی چیزین دیگئی ہون جنکا رکھنا کسی مسلمان کو شرعًا جائز نہین ہے مثلًا گوشت خوک وغیرہ تو خلع باطل ہے کیونکہ یہ قیاس کیا جائیگا کہ طلاق بلامعاوضہ ہوا ہے اگر صیغۂ طلاق پڑھا گیا ہو۔ لیکن اگر صیغۂ طلاق نہ پڑھا گیا ہو تو طلاق بالکل کالعدم ہے۔

دوم یہ کہ اہل سنت کے نزدیک خلع ایسی چیز کے معاوضہ مین ہو سکتی ہے جو مجہول القیمت ہو جیسا بچہ کسی جانور کا جو ابھی پیدا نہوا ہو۔

اس مسئلہ مین سنی اور شیعہ مین کچھ اختلاف معلوم ہوتا ہے اسواسطے کہ شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ ''جب معاوضہ خلع مین کسی جانور کا بچہ دیا جائے جو ابھی پیدا نہوا ہو تو خلع ناجائز ہے'' مگر جامع الشتات مین چند مثالین ایسی لکھی ہین جنسے یہ مسئلہ معرض شک مین پڑگیا ہے۔

---

[1] الکرخی ۱۲ منہ [2] شرایع الاسلام صفحہ ۳۲۹ - ۱۲ منہ

سوسم یہ کہ سب فرقون کے نزدیک جائز ہے کہ معاوضہ خُلع مین زوجہ یہ اقرار کرے کہ حمل کے زمانہ مین شوہر سے اپنا نفقہ نہ طلب کریگی اور اولاد کی حضانت کا دعوے نہ کریگی — وغیرہ وغیرہ —

شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ ”اگر معاوضہ خلع شوہر کی اولاد کو دودھ پلانا قرار پائے تو خلع جائز ہے مگر مدت رضاعت یعنی دودھ پلانے کی میعاد مقرر کردینی چاہئیے — اسی طرح سے اگر کوئی شخص اپنے لڑکے کے نفقہ کے معاوضہ مین خلع دے تو خلع جائز ہے[1] جب زوجہ معاوضہ خلع مین شوہر کے لڑکے کو پرورش کرنے کا اقرار کرے تو اُس اقرار کو چاہیئے کہ دو سال سے زیادہ کا ہو — اگر وہ اُسکو دو برس یا اس سے کم مدت تک دودھ پلانے کا اقرار کرے تو یہ معاوضہ کافی ہوگا کیونکہ اُسکو شرعًا دو برس لڑکے کو دودھ پلانا واجب ہے —

معاوضہ خلع شوہر و زوجہ کے اقرار باہمی سے مقرر ہوتا ہے — اور شرائط خلع طرفین کی رضامندی سے طے ہونی چاہئیں — چنانچہ شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ ”اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو خلع لینے پر مجبور کرے تو ایک فعل خلاف شرع کریگا — وہ خلع شرعًا جائز ہوگی مگر زوجہ پر کچھ معاوضہ دینا فرض نہوگا[2]“

اگلے زمانہ مین جب مہر معجل ہوا کرتا تھا تب معاوضہ خلع بھی اُسی وقت دیدیا جاتا تھا جس وقت خلع کا بندوبست ہوجاتا تھا — مگر اس زمانہ مین یہ ضرور نہین ہے کہ جب خلع دیجائے اُسی وقت معاوضہ بھی دیدیا جائے بشرطیکہ اُسکی ادائی کی ایک میعاد معین کردیجائے — بلکہ زوجہ کو یہانتک جائز ہے کہ یہ اقرار کرے کہ جب دوسرے شخص سے نکاح کریگی تب معاوضہ خُلع ادا کریگی —

خلع کی بحث مین یہ بھی بیان کرنا مناسب ہے کہ وہ کون لوگ ہین جنکو خلع کا معاملہ طے کرنا اور

---

[1] شرایع الاسلام صفحہ ۲۹۳ — ۱۲ منہ [2] شرایع الاسلام صفحہ ۱۳۳ — اس کتاب مین یہ بھی لکھا ہے کہ ”اگر شوہر زوجہ کو اُس ہنگام مین خلع دے جبکہ اُن دونون کے مزاج مین موافقت ہو تو وہ بھی جائز ہوگی

معاوضۂ مطلوبہ کا اقرار کرنا شرعاً جائز ہے۔

پہلے تو وہ عورت جسکو خلع لینا منظور ہے۔ اُسکے بعد اُسکے اقربا اور دوست بلکہ غیرون کو بھی اگر وہ اجازت دے تو اُسکے شوہر سے خلع طلب کر سکتے ہین اور اس معاملہ کو طے کر سکتے ہین۔ چنانچہ فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ ”جب شخص کو زن بالغہ خاص اجازت دے وہ اُسکی طرفسے اُسکے شوہر سے خلع کا بندوبست کر سکتا ہے“

سابق مین بیان کیا گیا کہ باپ کو کیا اختیار اپنی نابالغ بیٹی کی طرف سے معاملہ کرنے کا ہے اب صرف یہ بیان کرنا باقی ہے کہ بالغ لڑکی کی طرف سے کارروائی کرنے کا اُسکو اختیار کہانتک حاصل ہے۔ باپ اپنی بالغ لڑکی کی طرفسے اُسکے اذن سے خلع لے سکتا ہے۔ اور اُسکی طرف سے اُسکا مہر چھوڑ دینے کا اقرار کر سکتا ہے اگر اُسوقت بغیر لڑکی کی اجازت کے خلع لی گئی ہو یا بعد ازآن اُسکی منظوری نہ لی گئی ہو اور اگر باپ نے اُس معاوضہ کی ضمانت نہ کی ہو جو طے ہوا ہے تو ایسا معاملہ شرعاً ناجائز ہوگا اور وہ خلع غیر مؤثر ہوگی جب باپ نے معاوضہ خلع ادا کرنا اپنے ذمہ کر لیا ہو مگر اُسکی بیٹی نے بعد ازآن اُسکے اِس فعل کو جائز نہ رکھا ہو اور معاوضہ ادا کرنا اپنے ذمہ کر لیا ہو تو وہ اپنے شوہر پر مہر کی نالش کر سکتی ہے اور شوہر اُسکے باپ پر معاوضہ کا دعوےٰ کر سکتا ہے۔

شیعون کے مذہب مین شوہر زوجہ کے وکیل یا اُسکے باپ پر نالش کرنے کا حق نہین رکھتا ہے جبکہ وکیل نے اپنی موکلہ کی اجازت سے زیادہ کارروائی کی ہو یا باپ نے اپنی بیٹی کی اجازت صریح کے بغیر کارروائی کی ہو۔ اِن دونون صورتون مین اُسکا حق مہر بعینہٖ قائم رہیگا اور ایسی خلع اُس طلاق کا اثر پیدا کریگی جسکو منسوخ کرنے کا اختیار شوہر رکھتا ہے

جب معاوضۂ خلع شوہر نے ناجائز طور سے پایا ہو تو اُسکو واپس کر دینا واجب ہے معاوضہ ناجائز ہے (۱) جبکہ اصل نکاح مین کوئی بات خلاف شرع ہوگئی ہو جسکی وجہ سے

سلہ فتاواے عالمگیری صفحہ ۶۰۵ — ۱۲ منہ سلہ فتاواے عالمگیری صفحہ ۶۰۶ — ۱۲ منہ سلہ شرایع الاسلام صفحہ ۳۲۲ ۱۲ منہ

نکاح منسوخ ہوسکتا ہو (۲) جبکہ نکاح تعمیل اُس اختیار کے جو زوجہ کو حاصل ہے منسوخ کیا گیا ہو (۳) جبکہ ابتدا شوہر کی طرف سے ہوئی ہو اور اسنے زوجہ کو طلاق دیا ہو (۴) جبکہ زوجہ کسی عدالت کے ذریعہ سے خلع مانگنے کی مستحق ہو۔

شہر قسطنطین واقع صوبہ الجیرس مین قاضی نے ۲- اگست ۱۸۶۲ع کو ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا جسمین شوہر کو حکم دیا گیا کہ زوجہ کو معاوضہ خلع واپس کردے اسواسطے کہ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ شوہر نے زوجہ پر ایسا ظلم شدید کیا تھا کہ زوجہ نے مجبور ہوکر چار سے درہم شوہر کو دیکر اپنے تئین اسکی قید نکاح سے آزاد کیا۔ فی الواقع شوہر نے اُس سے جبراً خلع لی تھی۔ خلع کے بعد اُسنے شوہر پر اُس چار سے درہم کے دلاپانے کی نالش کی جو اُسنے اُس سے جبراً بطور معاوضہ لیا تھا۔ شوہر نے اجبار واکراہ کے الزام کا انکار کیا مگر جب واقعات بخوبی ثابت ہوگئے تو قاضی نے اُس طلاق کو جائز رکھکر شوہر کو حکم دیا کہ جو رقم تو نے اپنی زوجہ سے زبردستی لے لی ہے فوراً اُسکو واپس کردے[1]۔

اس مقام پر اُن اختلافات کو بیان کرنا بیفائدہ نہیں ہے جو شیعہ اور سُنّی مین اُس خلع کے باب مین ہین جو زوجہ نے تخویف یعنی دھمکی سے لی ہو۔

شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی زوجہ پر جبر کرکے خلع دیدے تو شوہر و زوجہ مین طلاق راجع ہوگا اور زوجہ پر معاوضہ دینا فرض نہوگا۔ مگر سنیون کے نزدیک ایسی خلع طلاق بائن کا حکم رکھتی ہے۔

شیعہ اور سُنّی مین جو اختلاف مبارات کے باب مین ہے اُسکا کچھ ذکر سابق مین ہوچکا ہے اِس مسئلہ مین کچھ اور عرض کرنا بے موقع نہو گا تاکہ معلوم ہوجائے کہ شیعون کے مذہب مین کیسی تاکید شدید اس امر کی ہے کہ شوہر و زوجہ کو جو اختیار طلاق دیا گیا ہے اُسکو وہ بے وجہ اور بلا ضرورت نہ عمل مین لاوین۔

[1] سائٹیر صاحب کی کتاب صفحہ ۹۴۲-۱۲ امتہ۔

مبارات کے معنی شرع مین شوہر و زوجہ کا ایک دوسرے کو قید زوجیت سے خلاص کر دینا ہے

اہل سنت[1] کے نزدیک یہ ہے کہ جب شوہر و زوجہ مبارات کرین تو تمام حقوق زوجیت جو ایک دوسرے پر رکھتا ہے ساقط ہو جاتے ہین ۔ اور جواز مبارات بھی انھین شروط پر موقوف ہے جن پر جواز طلاق و خلع موقوف ہے ۔

شیعون کے نزدیک مبارات مین ضرور ہے کہ شوہر اور زوجہ دونون رشتۂ زوجیت کو باعث اپنے رنج اور تکلیف کا سمجھکر مبارات چاہین ۔ اگر ایک سے دوسرے کو نفرت کلی نہ ہو تو مبارات جائز نہین ہے ۔

شیعون کے نزدیک مبارات مین صیغہ صریحًا پڑھنا ضرور ہے ۔ صیغہ مبارات یہ ہے بَارَئتُكِ عَلٰی وَكَذَا وَاَنْتِ طَالِقٌ یعنی مین نے تجھکو (اتنا روپیہ دیکر) قید زوجیت سے رہا کیا اور تو جدا ہو گئی (مجھسے) اگر شوہر صرف بَارَئتُكِ کہے اور اَنْتِ طَالِقٌ نہ کہے تو ساری کارروائی باطل ہو جائیگی ۔ لکن اگر شوہر صرف اَنْتِ طَالِقٌ کہے اور بَارَئتُكِ نہ کہے تو ایسی مبارات بمنزلہ طلاق کے ہوگی اور شوہر مہر کا ذمہ دار رہیگا ۔ مگر شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ[2] جب عربی مین صیغہ پڑھنے کی لیاقت نہو یا جب شوہر و زوجہ شرع کی اصطلاحات سے واقف نہون تو اُنکے قصد کا لحاظ رکھنا چاہیئے ۔ اگر اُنکے کردار و رفتار اور اُنکی گفتار سے یہ قصد ثابت ہو کہ ایک دوسرے سے گلو خلاصی چاہتا ہے تو مبارات ہو جائیگی گو ٹھیک ٹھیک صیغہ نہ پڑھا گیا ہو[3]

جن صورتون مین رسوم شرعیہ کی پابندی کما حقہ کی گئی ہو اور صیغہ پڑھا گیا ہو اور اُسکا پڑھا جانا ثابت کر دیا جائے اُن صورتون مین مبارات طلاق بائن کا حکم[4] رکھیگی ۔ مبارات سے رشتۂ زوجیت بالکل قطع ہو جاتا ہے اور شوہر کو کچھ اختیار زوجہ پر نہین باقی رہتا ۔ چنانچہ الکرخی فرماتے ہین کہ[5] جب شوہر زوجہ سے معاوضہ لے تو طلاق بائن ہوگا اور اگر معاوضہ نہ بھی لے

---

[1] ترجمۂ انگریزی ہدایہ صفحہ ۳۲۳ ۔ فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۶۹۱ ۔ [2] شرائع الاسلام صفحہ ۳۲۳ ۔ [3] منہ [4] ... ۔ [5] ... صاحب کی کتاب صفحہ ۵۰ ۔ ۱۲ منہ

اور طلاق راجع ہو تو اگر زوجہ کے عدہ کے زمانہ مین اُس سے معاوضہ لینا قبول کر لے تو بھی طلاق بائن ہو جائیگا[1]

اگر شوہر و زوجہ مین شرائط خلع یا شرائط مبارات پر جھگڑا ہو تو عموماً زوجہ کے قول کو ترجیح دیجائیگی اور بار ثبوت شوہر پر ڈالا جائیگا۔

جب زوجہ شوہر سے خلع لینا بشرط ادا اگر سنے معاوضہ کے قبول کرلے مگر یہ بیان کرے کہ شوہر کی زبردستی سے اُسنے ایسا کیا ہے تو اجبار و اکراہ کے بیان کا بار ثبوت زوجہ پر رہیگا۔

جب خلع ہو چکی ہو اور شرائط خلع طے ہو چکے ہون تو معاوضہ خلع مین اضافہ کرنا جائز ہے

اگر کوئی عورت اِس شرط سے خلع لے کہ شوہر سے جو اولاد اُسکی ہے اُسکو اُسکے بلوغ کے زمانہ تک نفقہ دیگی تو خلع صحیح ہوگی اگر وہ اولاد لڑکی ہو مگر ناجائز ہوگی اگر وہ اولاد لڑکا ہو۔

اگر عورت اپنے وکیل یا کارندہ کو اجازت دے کہ پانسے درہم دیکر شوہر سے خلع لے لے مگر وہ وکیل یا کارندہ اُس اجازت سے تجاوز کرکے ہزار درہم پر معاملہ طے کرے تو الکرخی کے نزدیک ایسی خلع جائز ہوگی اور وہ عورت صرف اُس رقم کی ذمہ دار ہوگی جسکی اجازت اُسنے دی ہے۔ یہ قول سنیون کا ہے۔

مگر شیعون مین اور ہی قاعدہ ہے۔ شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ جب کوئی عورت کسی کو خلع لینے کے لیے وکیل کرے مگر مقدار معاوضہ کی تصریح نہ کردے تو معاوضہ خلع اُسکے مہر المثل سے زائد نہونا چاہیئے۔ اگر مہر المثل سے زیادہ معاوضہ طے کیا گیا ہو تو وہ باطل ہوگا اور وہ خلع طلاق راجع کا حکم رکھیگی اور وہ وکیل اُسکا ذمہ دار نہ سمجھا جائیگا۔

---

[1] فتاوائے قاضیخان صفحہ ۲۴۴ ۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۶۸ ۔ مختلف صیغہائے مبارات مین جو اختلافات اور مثالین دونون فتاوائے مین لکھی ہین اُنکو بیان کرنا عام فائدہ کے لیے کچھ ضرور نہین ہے۔ کیونکہ جب وقوع طلاق تسلیم کرلیا جائے اور صرف اُسکی شرائط پر نزاع ہو تو بار ثبوت شوہر پر ہوگا مگر جب وقوع طلاق مورد نزاع ہو یعنی شوہر وقوع طلاق کا انکار کرے تو بار ثبوت زوجہ پر ہوگا ۔۱۲ منہ [2] فتاوائے قاضیخان صفحہ ۲۴۴ ۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۶۸ ۔۱۲ منہ

عورت اِسکی مستحق ہے کہ قبل انقضاء عدہ جب چاہے معاوضہ خلع واپس کر لے اِس صورت مین خلع کی حقیقت بدل جائیگی اور وہ طلاق راجع ہو جائیگا۔ فقط

تیرھوان باب

قاضی کے حکم سے فسخ نکاح ہونا۔ کن اسباب سے

فسخ عقد ہوتا ہے۔ لعان۔ مختلف فرقون کے اختلافات۔

جب شوہر اور زوجہ ایک دوسرے کی شکایت کی کوئی وجہ معقول نہ رکھتے ہون مگر ایک دوسرے سے نفرت رکھتا ہو خواہ اِس سبب سے کہ دونون کے مزاج مین ناموافقت ہو یا ایک دوسرے سے ہمدردی نہ رکھتا ہو یا اور کوئی وجہ اُنکی بیزاری کی ہو تو وہ باہمی اقرار سے فسخ نکاح کر سکتے ہین۔ جب شوہر کا کردار رفتار ایسا ہو کہ زوجہ اُسکی متحمل نہو سکے۔ جب شوہر اُن فرائض کے بجالانے سے قاصر رہے جو شرعاً بحیثیت شوہر اُسپر عائد کیے گئے ہین یا جب شوہر عمداً اُن شرائط کو پورا نہ کرے جو نکاح کے وقت اُسنے قبول کیے تھے۔ تو ان سب صورتون مین زوجہ شرعاً اِسکی مستحق ہے کہ حاکم شرع سے استغاثہ کر کے طلاق کی خواہان ہو۔

حاکم شرع یا قاضی کو طلاق دیدینے کا اختیار صرف اسی وجہ سے نہین ہے کہ شوہر زوجہ سے ہمیشہ بدسلوکی کرتا ہے یا اُسنے شرائط نکاح کی تکمیل نہین کی ہے یا وہ مجنون ہے بلکہ اس سبب سے بھی ہے کہ قبل نکاح وہ نامرد تھا اور اُسکی نامردی لاعلاج ہے۔

قاضی کا طلاق پڑھنے کا حق ایک حدیث صحیح پر مبنی ہے جسمین آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ ”اگر کسی عورت کا نکاح سے کوئی نقصان ہو تو اُسکو فسخ کرنا چاہیئے“ شیعون کی کتاب احادیث بحار الانوار مین بھی یہی لکھا ہے کہ اگر نشوز[2] یا شقاق ہو یعنی شوہر و زوجہ فرائض زوجیت کو بجالانے سے انکار کرین تو اس تنازع کو فیصلہ کرنے کے لیے حَکَم یعنی پنچ مقرر

---

[1] صحیح بخاری ۱۲۔ منہ [2] نشوز کے معنی یہ ہین کہ زوجہ شوہر کی اطاعت نہ کرے اور شقاق سے یہ مراد ہے کہ شوہر زوجہ پر ظلم و تعدی کرے یا اُن دونون مین پھوٹ پڑ جائے ۱۲۔ منہ

جو سکتے ہین یا قاضی دست اندازی کرسکتا ہے اور اگر کچھ فیصلہ نہوسکے تو فسخ نکاح کرنا لازم ہے
شارع اسلام کو اپنی حیات مین یہ اصول کئی مرتبہ اپنے اصحاب کے مقدمات مین جاری
کرنا پڑا - انمین سے ایک مقدمہ ایسا مشہور ہے کہ فقہاء اسلام کے لیے ایک مستند نظیر ہوگیا ہے
لکھا ہے کہ صبیہ بنت حارث جسکا عمرو کے ساتھ نکاح ہوا تھا دفعتہ مکہ سے چلی گئی اور لشکر
اسلام مین جاکر پناہ لی - اُسکے شوہر سے کہا گیا کہ تو بھی وہین چلا جا جہان تیری زوجہ چلی گئی ہے -
مگر اُسنے انکار قطعی کیا - پس اُنکا نکاح فسخ کیا گیا اور صبیہ کو اجازت دی گئی کہ جن لوگون سے
وہ اگر ملی تھی اُنمین سے کسی شخص کے ساتھ دوسرا عقد کرلے -

جو فرائض شوہر پر نکاح سے عائد ہوتے ہین وہ سابق مین کماحقہ بیان ہوچکے ہین
جو ناظرین شرع محمدی کے شائق ہین اُنکو چاہیئے کہ اسکی زیادہ تفصیل کتاب المستطرف
مین ملاحظہ کرین -

طلاق قاضی کے حکم سے اُس صورت مین ہوسکتا ہے جبکہ شوہر اپنے فرائض کو بجا
لانے مین قصور کرے - اور اُس صورت مین بھی ہوسکتا ہے جبکہ شوہر شرائط نکاح کو پورا کرنے سے
انکار کرے یا جب وہ زفاف یا وطی کے قابل نہو - اور اُس صورت مین ہوسکتا ہے جبکہ شوہر
زوجہ کو زنا سے متہم کرے جسکو شرع مین لعان کہتے ہین یا جب اُسکو اپنے محرمات شرعیہ مین سے
کسی عورت کے ساتھ مشابہت دے یعنی اُسکو اپنی مان یا بہن وغیرہ کہے جسکو ظہار کہتے ہین -
یا جب قسم کھاجائے کہ چار مہینے تک اُس سے مقاربت نہ کریگا جسکو ایلا کہتے ہین -

سائیرا صاحب اور ڈی منز ڈیل صاحب مصنفان فرانسیسی نے بہت سے مقدمات
بطور نظیر کے لکھے ہین جنکا فیصلہ صوبہ الجیرس کی عدالتون نے کیا ہے اور جنسے ثابت ہوتا ہے
کہ منجملہ دیگر وجوہ کے وجوہ ذیل سے بھی زوجہ طلاق مانگنے کی مستحق ہوجاتی ہے -

(۱) جب شوہر اُسکو چھوڑ دے اور نفقہ نہ دے -
(۲) جب اُسکو لباس سے محروم رکھے -

(۳) جب اُس سے بھیک منگوائے۔

(۴) جب اُسپر فاقہ کشی ہونے دے۔

(۵) جب اپنے گھر سے چلا جائے اور زوجہ کی بسر اوقات کی کوئی فکر نہ کر جائے۔

(۶) جب وہ کسی طرح اُسکے پاس نہ جائے۔

(۷) جب اُس سے ایسی مزدوری کرائے جو اُسکی کسر شان اور آبرو ریزی کا باعث ہو۔

(۸) جب اُسکے لیے کوئی مکان نہ مہیا کرے

(۹) جب وہ متعدد ازواج رکھتا ہو اور سب سے برابر اور منصفانہ سلوک نہ کرتا ہو۔

(۱۰) جب وہ ہمیشہ زوجہ پر ظلم وجور کرتا ہو۔

(۱۱) جب اُسکو مارا کرتا ہو یا اضرار جسمانی کی دھمکی دیا کرتا ہو۔

ان وجوہ سے زوجہ طلاق مانگنے کی مستحق اُسوقت بھی ہو جاتی ہے جبکہ یہ معلوم ہو کہ اُس سے زبردستی خلع لینے کی تدبیر کی گئی ہے

صرف شوہر کا نفقہ دینے کے قابل نہ ہونا وجہ کافی طلاق مانگنے کی نہیں ہے۔ البتہ جب شوہر ذی مقدور ہو اور خود اپنی اور زوجہ کی پرورش کر سکتا ہو مگر عمداً اُسکا تکفل نہ کرے اور اسکو نفقہ نہ دے تب زوجہ طلاق کی استدعا کر سکتی ہے۔

جس اصول کے موافق ہندوستان کی عدالتہائے فوجداری زوجہ کا گذارہ یا نفقہ علیحدہ مقرر کر دیتی ہیں اُس سے وہ حکم شرع محمدی کا معلوم ہوتا ہے جو مقدمات طلاق سے متعلق ہے مثلاً دفعہ ۴۳۲ ایکٹ ۱۰ سنہ ۱۸۷۲ع (ایکٹ پرسیڈنسی مجسٹریٹ) میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی زوجہ کو نفقہ دے سکتا ہو مگر نفقہ نہ دے اور اُس سے غفلت کرے تو زوجہ کی درخواست پر مجسٹریٹ اُسکا گذارہ علیحدہ مقرر کر سکتا ہے۔

یہی قاعدہ حاکم شرع بھی طلاق کے مقدمہ میں جاری کریگا۔ اُسکو طلاق دینے کا اختیار اُسوقت ہے جبکہ شوہر عمداً اور بلاوجہ زوجہ کو نفقہ دینے سے انکار کرے یا اُس سے بے فکر ہو جائے۔ لکن اگر شوہر

مفلس ہو اور زوجہ کے لیے نفقہ نہ مہیا کر سکتا ہو نہ کوئی محنت مزدوری کرنے کے قابل ہو تو زوجہ طلاق مانگنے کی شرعاً مستحق نہیں ہے۔

جب شوہر زوجہ کو نفقہ دینے سے انکار کرے جس سے وہ طلاق مانگنے کی مستحق ہو جاوے تو اُس انکار کو چاہیئے کہ برابر چلا آیا ہو نہ یہ کہ زمانہ ماضی میں انکار کیا ہو۔

جب زوجہ کی درخواست طلاق گذرنے پر شوہر اُسکو نفقہ دینا قبول کرلے اور یہ اقرار اسنے نیک نیتی سے کیا ہو تو زوجہ طلاق کی مستحق نہوگی گو اِس صورت میں قاضی کو اختیار ہوگا۔

بقایاے نفقہ واجب الادا نہیں ہوتا تاوقتیکہ مجسٹریٹ یا قاضی اُسکی مقدار نہ مقرر کردے یا اُسکی تعداد فریقین نے باہم گفتگو کرکے پیشتر ہی مقرر کرلی ہو۔ ایسی صورتوں میں زوجہ بقایاے نفقہ عدالت دیوانی میں نالش کرکے وصول کرسکتی ہو۔

اگر شوہر اپنے گھر سے چلا جاوے اور کوئی تدبیر زوجہ کے گذارہ کی اپنی عدم موجودگی زمانہ میں نکرجاے یا کوئی ذریعہ اُسکے معاش کا نہ دیا کر جاوے تو زوجہ قاضی سے طلاق کی استدعا کرسکتی ہے حاکم شرع کو اجازت دیگئی ہے کہ جب زوجہ ایسی طلاق کی درخواست کرے تو مقدمہ تیس روز تک ملتوی رکھکر اشتہار جاری کرے کہ شوہر یا اُسکی طرف سے کوئی شخص یا اشخاص اِس میعاد کے اندر حاضر عدالت ہوں۔ پس اگر خود شوہر یا اُسکا وکیل یا کارندہ وغیرہ عدالت میں حاضر ہو تو قاضی اُسکے جواب دعوے کے سچ یا جھوٹ ہونے کی تحقیقات کرے۔ اگر شوہر یا اُسکا وکیل وغیرہ عدالت میں نہ حاضر ہو یا شوہر یا اُسکا وکیل ثابت کرسکے کہ زوجہ کافی ذریعہ اپنے معاش کا رکھتی ہے تو قاضی طلاق کا حکم شرعاً دیسکتا ہے

لیکن اگر شوہر زوجہ کے پاس یا اور کسی شخص کے پاس کچھ جائداد چھوڑ گیا ہو یا کسی تجارت یا شراکت میں کچھ روپیہ لگا گیا ہو تو قاضی یہ حکم دیسکتا ہے کہ اس عورت کا نفقہ اُس جائداد سے یا اُسکی آمدنی سے دیا جاوے۔ ایسے سب مقدمات میں زوجہ کو یہ ثابت کرنا پڑیگا کہ شوہر نے اُسکو چھوڑ دیا ہے اور کوئی ذریعہ اُسکے معاش کا نہیں مہیا کیا ہے۔ ایسا حکم ہمیشہ زوجہ کے اختیار سے دیا جاتا ہے یعنی اُسکو اختیار رہتا ہے کہ یا قید نکاح میں باقی رہکر تکالیف زوجیت کو گوارا کرے

یا اسوجہ سے کہ شوہر نے اُسکو چھوڑ دیا ہے طلاق لے لے اگر وہ طلاق قبول کر لے تو وہ طلاق بائن کا حکم رکھیگا۔

اگر شوہر اپنے عدم موجودگی کے زمانہ مین خود یا اوروں کے ذریعہ سے زوجہ کو نفقہ نہ پہونچا سکے تو وہ طلاق مانگنے کی مستحق ہوگی تا وقتیکہ اُسکی عدم موجودگی بمنزلہ چھوڑ دینے کے اُس معنی سے نہو جائے جو معنی چھوڑ دینے کے شرع محمدی مین ہین۔

اگر کسی شخص کا باپ اُسکی زوجہ کو نفقہ دینا منظور کرے تو اُس نفقہ کی مقدار اور اُسکے دینے کا طور بھی اُنھیں شرائط سے مشروط ہوگا جیسا اُس صورت مین ہے جبکہ شوہر خود نفقہ دے۔

چونکہ شوہر کو شرعاً واجب ہے کہ سب ازواج سے برابر پیش آئے اور سب کے ساتھ منصفانہ برتاؤ رکھے لہذا جو شخص ایک سے زیادہ ازواج رکھتا ہو اگر وہ اُنمین سے کسی زوجہ کی نسبت اپنے فرائض نہ بجا لائے تو وہ زوجہ شوہر کی عدم التفات کی وجہ سے طلاق مانگنے کی مستحق ہوگی الجیریس کی عدالتون نے یہ تجویز کیا ہے کہ جب شوہر زوجہ کو ہمیشہ گالیان دیا کرتا ہو تو یہ وجہ کافی طلاق کی ہو جائیگی۔ اسی طرح سے اگر وہ زوجہ کو الزام لگائے کہ قبل نکاح حرامکاری کرتی تھی تو وہ مستحق طلاق کی ہوگی۔ اور وہ اُسوقت بھی طلاق کی مستحق ہوگی جبکہ شوہر اُسکو بے وفائی اور بے عصمتی کا الزام لگائے اور اس تہمت کو لعان سے ثابت نہ کرے۔

زوجہ اُسوقت بھی قاضی سے درخواست کر کے طلاق لے سکتی ہے جبکہ شوہر اُسکے باپ یا عزیزان کو ہمیشہ ذلیل کیا کرتا ہو یا فسق وفجور اختیار کرے یا ذوات الاعلام یعنی جنع عورتون سے صحبت اختیار کرے یا اُس سے زبردستی حرامکاری کرائے یا کسبیون مین اُسکو رکھنا چاہے یا گھر مین کسی کسبی یا خانگی کو لا کر رکھے یا اُسکو مارپیٹ کی دھمکی دے یا اُسکو مارے پیٹے یا اُسکی جائداد مین تصرف کرے یا اُسپر ایسا ظلم وتعدی کرے کہ اُسکو زندگی تلخ ہو جائے گو کوئی صدمہ یا ضرر جسمانی اُسکو نہ پہونچائے۔

سلطان زوجہ شرع محمدی شوہر وزوجہ کی یکجائی وہمبستری دونون پر فرض ہے۔ پس اگر شوہر زوجہ سے ہمبستری کرنے کا انکار باصرار کرے تو یہ بمنزلہ اُسکے چھوڑ دینے کے ہوگا۔ ۱۲ مترجم

صرف زوجہ کا دعوے بے دلیل جبتک کہ اسکی تائید مین معتبر شہادت نہ پیش کیجائے الزامات مذکورۂ بالا سے کوئی الزام شوہر پر ثابت کرنے کے لئے کافی نہین ہے۔

جب زوجہ اپنے دعوے کے ثبوت مین معتبر گواہ پیش کرے یا اُسکے بدن پر علامات ظاہری زد و کوب کے موجود ہون تو قاضی کو واجب ہے کہ اُسکو طلاق دیدے۔

جب زوجہ طلاق کا دعوے اسوجہ سے کرے کہ شوہر اُسپر ظلم و تعدی کرتا ہے اور شوہر اُسکے جواب مین یہ کہے کہ یہ بے رحمی خود اُسی کے کردار کا نتیجہ ہے تو اُسکا یہ جواب شرعاً کافی ہوگا مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ مین نے اپنی زوجہ کو اسوجہ سے مارا ہے کہ وہ دین اسلام کو بُرا کہتی تھی یا مجھسے بے وفائی کرتی تھی تو یہ جواب اُسکا شرعاً کافی ہوگا۔

اس مسئلہ کی کیفیت الجیرس کے ایک قاضی کے فیصلہ سے خوب معلوم ہوتی ہے جسکو عدالت عالی نے بحال رکھا ہے۔ ایک مقدمہ مین شوہر نے زوجہ کو اسقدر مارا تھا کہ اُسکے بدن پر دو زخم پڑ گئے تھے۔ شوہر نے قاضی سے یہ بیان کیا کہ مین نے اسکو اسوجہ سے مارا ہے کہ میری غیبت مین یہ ایک غیر آدمی کو بلاتی ہے۔ قاضی نے اُن زخمون کو بغور دیکھکر کہا کہ گو زوجہ نے زنا کیا ہو مگر شوہر نے اسکو حد شرع سے زیادہ تعذیر دی ہے لہذا وہ طلاق پانے کی مستحق ہے۔

طلاق قاضی کے حکم سے اُسوقت بھی ہو سکتی ہے جبکہ شوہر شرائط نکاح کی تعمیل سے قاصر رہے یا اُنکی پابندی نہ کرے۔ سب علما کا اسپر اتفاق ہے کہ جب شوہر اپنے اقرار کے خلاف کرے یا اُس اقرار کے موافق عمل نہ کرے تو زوجہ طلاق کی مستحق ہے جو شرط نکاح کے وقت شرعاً مقرر ہو سکتے ہین سابق مین بیان ہو چکے ہین اُنمین سے جو شرط اکثر کیجاتی ہے وہ یہ ہے کہ شوہر دوسرا نکاح اُسوقت تک نہ کریگا جبتک پہلا نکاح باقی رہیگا اگر اس شرط کے خلاف شوہر پہلی بی بی کے ہوتے دوسرا نکاح بھی کر لے تو پہلی بی بی طلاق کی مستحق ہوگی اور شوہر کُل مہر موجل کا ذمہ دار ہوگا۔

ا یہ حکم خبر بلاد اسلام مین تعدد ازدواج کا کلاً مانع ہے۔ اہل سنت اور شیعہ اثنا عشریہ مین جو اختلاف اس مسئلہ مین ہے وہ باب ہیان میں بیان کیا گیا ہے

شرع محمدی کے اس شعبہ کی تحقیق کرنے مین یہ بیان کرنا مناسب ہے کہ فرانسیسیون نے
صوبہ الجیریا مین بڑی دوراندیشی کو کام فرماکر اُس ملک کے آئین و قوانین کو اختیار کیا ہے اور انکو
اُس ملک کی ترقی کا آلہ گردانا ہے مگر انگریزون نے ہندوستان مین خلاف عقل یہ حرکت کی ہے
کہ قدیم رسوم و قوانین سے تجاہل عارفانہ کرتے ہین یا اُنکو بالکل مٹا دیا ہے حالانکہ وہ رسوم
و قوانین اس زمانہ مین اُس ملک مین موجود تھے جب اُنھون نے اِسکو چھین لیا تھا۔ گورنمنٹ انگلشیہ
کے عہد دولت مین ایک باد خزان ایسی چلی کہ قاضی کے محکمون کو اُڑا لیگئی جنمین مسلمانون کے
مقدمات نکاح کا فیصلہ ہوتا تھا اور اُنکے ساتھی اور بہت سے مفید قوانین کو بھی بہا لیگئی۔
جو مشکلین سابق مین قاضی سے رجوع کرکے بآسانی تمام حل ہوجاتی تھین اور کسی وکیل یا بارسٹر
کی ضرورت نہوتی تھی اب وہ گھن کی طرح مسلمانون کی ہڈیون کا گودہ کھائے جاتی ہین اور
کچھ علاج انکا نہین ہوسکتا۔ اسکی مثال لیجیے کہ اگر کوئی شخص نکاح کے وقت یہ اقرار کرلے کہ زوجہ
کی حیات مین دوسرا عقد نہ کریگا اور بعد ازآن اس اقرار شرعی سے عدول و انحراف کرے تو
قاضی کو یہ اختیار تھا کہ شوہر سے اُس اقرار کی پابندی جبرًا کرائی یا جب وہ عورت جسکی حق تلفی
ہوئی ہے طلاق کی درخواست کرے تو نکاح کو فسخ کردے ۔ مگر گورنمنٹ انگلشیہ کے عہد دولت
مین اس دادرسی کا کوئی مؤثر ذریعہ نہین ہے اگرچہ زوجہ غالبًا عدالت دیوانی سے انجنکشن جاری
کراکے شوہر کو شرائط نکاح کی خلاف ورزی کرنے سے باز رکھ سکتی ہے۔
بمقدمہ بدر النسا[1] بنام کفایت اللہ یہ تجویز کیا گیا تھا کہ اگر زوجہ نے کسی ایسی شرط
رو سے طلاق لیا ہو جیسے بیان کی گئی تو شوہر اُسکو رخصت دلا پانے کی نالش نہین کرسکتا۔
زوجہ صرف بعلت عدم تعمیل شروط نکاح طلاق کی مستحق نہین ہے بلکہ جو شرطین شوہر و زوجہ مین
بعد نکاح ہوئی ہون اگر شوہر اُنکی خلاف ورزی کرے تو بھی زوجہ قاضی کی منظوری سے طلاق
پانے کی مستحق ہے۔ مثلًا جب شوہر قاضی کے سامنے اقرار کرے ۔۔۔ زوجہ سے بدسلوکی نہ کریگا

[1] لا رپورٹ بنگال جلد ۷ صفحہ ۳۲۲ سنہ ۱۸۷۱ء

مگر بعد ازآن اس اقرار کی خلاف ورزی کرے تو زوجہ طلاق مانگنے کی مستحق ہوگی۔

ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر مجبوری کہیں چلا گیا ہو اور زوجہ پاس نہ رہ سکے مثلاً قیدخانہ میں ہو تو آیا زوجہ طلاق کی مستحق ہوگی۔؟

یہ مسئلہ الجیریس کی عدالت کے حکم مصدرہ ۱۹ جولائی ۱۸۶۵ء سے حل ہوگیا ہے۔ اس حکم میں لکھا ہے کہ وہ شرع محمدیؐ میں زوجہ اُس شخص کی جو جیلخانہ میں ہو صرف اُسکے قید رہنے کی وجہ سے طلاق مانگنے کی مستحق نہیں ہے بشرطیکہ شوہر کی مجبورانہ غیرحاضری کے زمانہ میں اُسکو نفقہ مناسب ملے جاے[1]

دوسرے مقدمہ میں اُسی عدالت نے قاضی کے حکم کو منسوخ کرکے یہ حکم صادر فرمایا کہ وہ قاضی اُس اصول شرع محمدیؐ کو جو اُس شوہر سے متعلق ہے جو غائب ہوگیا ہو اس مقدمہ سے سہواً متعلق کردیا ہے اسواسطے کہ نفس الامر میں شوہر احمد ابن قرع غائب نہیں ہوگیا ہے بلکہ یہ سب جانتے ہیں کہ اسوقت وہ کہاں ہے اور اسکی خبر ملی ہے اور زوجہ کو اتبک اُسکے شوہر کا بھائی نفقہ دیا کیا ہے۔ پس وہ طلاق کی مستحق نہیں ہے اور قاضی کا حکم منسوخ کیا گیا"

ابوزید القزوینی اور ابوالحسن العجلی دو عالم شافعی اپنی یہ راے لکھتے ہیں کہ جب شوہر کی قید کو پانچ برس سے زیادہ مدت گذر جاے تو زوجہ شرعاً طلاق مانگ سکتی ہے اور بعد انقضاے عدہ شرعیہ دوسرا عقد کر سکتی ہے۔

شیعوں کا قول یہ ہے[2] کہ جب شوہر غائب ہوجاے تو چار برس کے بعد زوجہ دوسرا عقد کر سکتی ہے بشرطیکہ اس عرصہ میں وہ مفقود الخبر ہوگیا ہو یعنی اُسکا کچھ پتا نشان نہ ملے مالکیہ اور حنبلیہ نے اس مسئلہ میں شیعہ سے اتفاق کیا ہے مگر شافعیہ کے نزدیک ضرور ہے

---

[1] سالٹیر صاحب کی کتاب صفحہ ۲۶۰۵ - ۱۲ منہ [2] اس بحث میں جامع الشتات میں لکھا ہے کہ وہ پہلے حاکم شرع کا اذن لے لیا جاے تب دوسرا عقد کیا جاے" ہندوستان میں صرف اسقدر کافی ہوگا کہ مجسٹریٹ سے بیان کیا جاے کہ اس عورت کا شوہر چار برس سے بالکل مفقود الخبر ہے اسواسطے کہ مجسٹریٹ کا حکم عقد ثانی کے جواز کے لیے ضرور نہیں ہے بلکہ صرف زوجہ اور اُسکے شوہر جدید کی نیک نیتی ثابت کرنے کے لیے ضرور ہے ۱۲ منہ

کہ وہ عورت اپنے شوہر کے پھر آنے کا انتظار سات برس تک کرے اور سات برس کے بعد وہ قاضی کے حکم سے دوسرا عقد کر سکتی ہے۔

مگر امام اعظم ابو حنیفہ کا قول اِس مسئلہ مین ایسا تعجب انگیز ہے کہ خود انکے مقلدین اُنکو امام شافعی کی تقلید کرتے ہین۔ امام اعظم کا قول یہ ہے کہ عورت کو ایک سَو بیس برس تک شوہر کا انتظار کرنا چاہیئے۔ معاذ اللہ!!

امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول بھی اس مسئلہ مین اپنے اُستاد کے ارشاد سے زیادہ معقول نہین ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک نوّے برس تک اور امام محمد کے نزدیک عمر بھر تک زوجہ کو شوہر کا انتظار کرنا چاہیئے۔

علماء حنفیہ اس مہلکہ سے بچنے کے لیے جسمین اُنکے ائمہ کے اقوال نے انکو ڈالدیا ہے ایسے مقدمات کا فیصلہ ہمیشہ امام شافعی کے اصول کے موافق کرتے ہین یعنی جب یہ ثابت کردیا جاتا ہے کہ شوہر سات برس سے مفقود الخبر ہے تو وہ عورت کو دوسرا عقد کرنے کی اجازت دیدیتے ہین۔

اظہار

زمانۂ سلف مین یعنی اُس زمانہ مین جبکہ دین اسلام اور شرع اسلام جزیرہ نمائے عرب مین جاری ہوئی تھی مشرکین عرب مین یہ دستور تھا کہ اپنی ازواج کو مادر یا خواہر کے لفظ سے پکار کر طلاق دیتے تھے اور وہ بیچاریان بے والی و وارث ہو جاتی تھین۔ بقول صاحب مورخ فرانسیسی کے اس قسم کا طلاق جو زوجہ کو مادر و خواہر سے بیہودہ مشابہت دیکر دیا جاتا تھا پیغمبر اسلام صلعم کی بعثت کے زمانہ مین بہت کثرت سے رائج تھا اور اس سے قبائل عرب کے اخلاق ایسے خراب ہوگئے تھے کہ کسی رسم قبیح سے ایسے خراب نہوے تھے سواے نکاح المقت کے جسمین بیٹا اپنے باپ کی وفات کے بعد اُسکی ازواج کو اپنے تصرف مین لاتا تھا۔

شارع اسلام صلعم نے زوجہ کو ایسی مضر تشبیہات دینا یا اُسکو دشنام دینا حرام مطلق کردیا

اور جو شوہر اپنی زوجہ کی نسبت ایسے الفاظ استعمال کرتا تھا اسکو کفارہ دینا پڑتا تھا۔ زوجہ کو دشنام دینے کا معمولی کفارہ ایک غلام کو آزاد کرنا یا ساٹھ مسکین کو کھانا کھلانا یا دو مہینہ کے روزے رکھنا تھا۔

اگر کوئی شوہر اپنی زوجہ کو اپنی ماں یا بہن سے یا اپنے محرمات شرعیہ میں سے کسی عورت سے مشابہت دے تو کفارہ دینا اسکو اسوقت واجب ہوتا ہے جبکہ اسنے زوجہ کی توہین کے لیے مشابہت دی ہو۔ جیسا ترجمہ ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر شوہر کہے کہ زوجہ کو ایسی مشابہت دینے سے اسکی تعظیم مقصود تھی توہین مقصود نہ تھی تو کچھ کفارہ دینا واجب نہوگا[1]

ظہار یعنی زوجہ کی نسبت الفاظ نا ملائم استعمال کرنے کا رسم قبیح مشرکین عرب کے عادات واخلاق میں داخل ہوکر بہت مضبوط اور مستحکم ہوگیا تھا۔ پس اس رسم قبیح سے جو نتائج بد پیدا ہوتے تھے انکو باطل کرنے اور بانقضاے زمانہ اسکے متروک ہوجانے کی غرض سے شارع اسلام ؑ نے چند قواعد مقرر کردیے ہیں جو فقہ کی کتابوں میں لکھے ہیں مگر فی زماننا ان قواعد کی کوئی ضرورت عملی نہیں باقی رہی ہے۔ ان قواعد سے ہم لوگوں کو صرف اتنا فائدہ ہے کہ انسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی عورت کو اسکا شوہر الفاظ نا ملائم کہا کرتا ہو اور دشنام دیا کرتا ہو تو کن شرائط سے وہ فقط اسی وجہ سے طلاق کی مستحق ہوجاتی ہے۔

زوجہ کی نسبت ایسے ناشائستہ الفاظ استعمال کرنا جیسے بیان کیے گئے اخلاق عامہ کی تخریب اور رشتۂ زوجیت کی توہین کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ پس جس عورت کی نسبت اسکا شوہر اس قسم کا کوئی فحش کلمہ کہے اہل سنت کے مذہب میں اسکو اختیار ہے کہ قاضی کا حکم لیکر طلاق لے الا اینکہ شوہر اس معصیت کا وہ کفارہ شرعی دے جو سابق میں بیان کیا گیا۔

شیعوں کے نزدیک قاضی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ جس زوجہ کو اسکے شوہر نے ظہار دیا ہو یعنی اسکو اپنی محرمات شرعیہ میں سے کسی عورت کے ساتھ مشابہت دی ہو اسکو بعلت ظہار طلاق

[1] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۳۰۶ - ۱۲ منہ

دیدے - چنانچہ شرایع الاسلام[1] مین لکھا ہے کہ "اگر شوہر زوجہ کو ظہار دے تو زوجہ کو اختیار ہے کہ اسکو برداشت کرے اِس صورت مین اور کوئی شخص اُسکے اِس فعل پر اعتراض نہین کر سکتا یا اِس مقدمہ کو حاکم شرع پاس لیجاے - جب وہ حاکم شرع سے نالش کرے تو شوہر کو اختیار دیاجاے کہ دو باتون مین سے ایک بات کرے - یا کفارہ دے یا زوجہ کو طلاق دے اور تین مہینہ کی مہلت اُسکو دیجاے کہ اِس عرصہ مین اِنہین سے ایک بات قبول کرلے - لیکن اگر شوہر اِنہین سے کوئی بات بھی نہ کرے اور تین مہینہ کی میعاد معینہ گذرجاے تو حاکم شرع کو یہ اختیار نہین ہے کہ زوجہ کو طلاق دینے پر شوہر کو مجبور کرے یا اپنے حکم سے اُسکو طلاق دیدے -

ایلا - یعنی زوجہ سے مقاربت نہ کرنے کی قسم

ظہار کی طرح ایلا کا رسم بھی مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ سکنۂ عرب مین جاری تھا اور اب یہ رسم بھی بالکل متروک ہوگیا ہے - مگر چونکہ اِس مسئلہ کا ذکر فقہ کی کتابون مین ہے لہذا اس کتاب مین کچھ مختصر کیفیت اِسکی بیان کیجاتی ہے -

شرع اسلام جاری ہونے کے پیشتر یہ رسم تھا کہ جب شوہر زوجہ سے مقاربت نہ کرنے کی قسم کھاجاتا تھا اور کچھ عرصہ تک اسی قسم کو نباہتا تھا تو وہ قسم طلاق بائن کا حکم رکھتی تھی اور زوجہ کو اس مقدمہ مین کچھ اختیار نہ تھا - یعنی رسم و رواج کے رو سے اُسکو یہ اختیار نہ تھا کہ یہ اعتراض کرے کہ شوہر اُسکو اِس طور سے طلاق دینے کا اختیار نہین رکھتا تھا -

شارع اسلام نے اِس رسم کو زوجہ کی توہین کا باعث قرار دے کر بڑی مذمت اِسکی فرمائی ہے

[1] شرایع الاسلام صفحہ ۳۳۰ - یہ سب احکام غیر عامل صرف واقعات تاریخی رہگئے ہین اور اپنے شارع اسلام کے زمانہ کے رسوم و عادات کی کیفیت خوب معلوم ہوتی ہے - اس زمانہ مین لفظ ظہار سے اہل اسلام بھی اُسی طرح لاعلم ہین جسطرح اور لوگ ہین مگر فقہ کی کتابون مین احکام ظہار درج ہونے سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مسلمان اپنی بیبیونکو ہمیشہ گالیان دیا کرتے ہین - ۱۲ منہ

جیسا ظہار میں ہے ویسا ہی ایلا میں بھی شوہر پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے اگر زوجہ سے
مقاربت نہ کرنے کی قسم کھانے کے بعد اُس قسم کی میعاد کے اندر اُس سے مقاربت کر بیٹھے۔
ایلا کی میعاد چار مہینہ ہے۔ اِس سے کم میعاد کی قسم شرعاً مؤثر نہیں ہے۔ اگر چار مہینہ تک
ایلا کا ایفا کیا جاے تو حنفیہ کے نزدیک یہ قیاس کیا جائیگا کہ شوہر زوجہ سے ہمبستری کرنے کا ارادہ
نہیں رکھتا ہے لہذا ایسا ایلا طلاق باین کا حکم رکھیگا۔ اور اِس میعاد کے گذر جانے کے بعد
شوہر کے حقوق زوجیت زوجہ پر نہ باقی رہینگے اور اگر شوہر اُس سے دوبارا ہمبستری کرنا
چاہیگا تو زوجہ قاضی کا حکم لیکر طلاق لے لیگی اور قاضی طلاق کا حکم دیدیگا۔

شیعوں کے نزدیک یہ ہے کہ جب ایلا چار مہینہ تک باقی رکھا جاے تو طلاق رابع کا حکم
رکھتا ہے۔ یعنی شوہر و زوجہ دونوں کو اختیار ہے کہ جب چاہیں ہمبستری کریں۔ اور شیعوں کے
نزدیک حاکم شرع کو وہ اختیار نہیں حاصل ہے جو حنفیہ کے نزدیک قاضی کو حاصل ہے۔ یعنی
حاکم شرع کو یہ اختیار نہیں ہے کہ شوہر سے زبردستی طلاق دلوا دے یا محکمۂ قضا کے حکم سے
طلاق دیدے۔ مگر جب شوہر تمرد کرے اور نہ حقوق زوجیت کا اعادہ یعنی مباشرت کرے
نہ طلاق دینا منظور کرے اور اِسطرح سے زوجہ کے سخت حق تلفی اور نقصان رسانی کرے
تو حاکم شرع اُسکو قید کرکے اُسپر تنگی کرسکتا ہے یہانتک کہ وہ زوجہ پاس پھر جائے یا اُسکو
طلاق دیدے۔

لعان

شرع محمدی میں جب شوہر زنا کی تہمت لگاے تو ثبوت زنا صرف چار گواہوں کی گواہی سے
ہو سکتا ہے جنھوں نے اپنی آنکھ سے وہ فعل ہوتے دیکھا ہو۔ مگر یہ جرم ایسا ہے کہ بہت کم
صورتیں ایسی ہوتی ہیں جنمیں شہادت صریحی اور بچشم خود دیدہ بہم پہونچ سکتی ہیں۔ لعان کی کارروائی
شرع میں اُس وقت کے لیے مقرر کی گئی ہے جبکہ شوہر زوجہ کے ارتکاب زنا کا یقین کلی
رکھتا ہو مگر اُسکا ثبوت اُن گواہوں کی گواہی سے نہ دے سکے جنھوں نے اُس فعل کو بچشم خود دیکھا ہو

یا فقط شوہر ہی اس فعل سے واقف ہو۔ پس لعان اس مصلحت سے مقرر کیا گیا ہے کہ حد یا عقوبت توہین
زنا ایسا پوشیدہ ہوتا ہے کہ سوائے شوہر کے اور کسی کو خبر نہیں ہونے پاتی اور اگر شوہر کی داد رسی
نہ کیجائے تو بہت برے نتائج پیدا ہوں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ لعان مقرر کرنے میں شارع نے
فقط شوہر کے حقوق کا لحاظ نہیں رکھا ہے بلکہ زوجہ کے حقوق کی بھی رعایت کی ہے۔

شرع محمدی میں جب ایک شخص دوسرے کو بدنام کرے یا تہمت لگائے تو تہمت لگانے والا
حد القذف کا مستوجب ہے۔ مگر جب کوئی شوہر اپنی زوجہ کو بدنام کرے اور اسکو زنا کی تہمت
لگائے تو اکثر صورتوں میں اتہام کی حد شرعی یعنی سزا سے بچ جاتا ہے۔ پس اس غرض سے
کہ تہمت لگانے والے کو تہمت بیجا لگانے کی کچھ تعذیر دیجائے اور اس غرض سے بھی کہ زوجہ دفع العار
کر سکے یعنی تہمت زنا کا انکار بالاعلان اور بہ پابندی احکام شرع کرکے اپنی صفائی کر لے اور
اپنی بدنامی کو رفع کرے شارع اسلام نے یہ حکم فرمایا ہے کہ جب زنا کی تہمت کسی عورت پر لگائی جائے
تو متہِم اور متہَم یعنی تہمت لگانے والا اور جسکو تہمت لگائی ہے وہ قاضی پاس جاکر ایک دوسرے پر
اس طرح لعنت کرے جیسا حکم شرع ہے۔

سائٹیر صاحب نے سچ فرمایا ہے کہ جن ملکوں میں شرع محمدی جاری نہیں ہے انمیں لعان کی
کارروائی متروک ہوگئی ہے۔ مگر باوجودیکہ لعان متروک ہوتا جاتا ہے تاہم جب شوہر و زوجہ
لعان کی نالش دائر کرتے ہیں تو الجیریس کے قاضی اب تک لعان دیتے ہیں۔

قاعدۂ لعان

شرائع الاسلام اور فتاوائے عالمگیری دونوں کتابوں میں ایسی عبارتیں لکھی ہیں جنسے ثابت
ہوتا ہے کہ لعان علماء فریقین کے نزدیک فعل مکروہ ہے چنانچہ شرائع الاسلام میں لکھا ہے
"شوہر کو جائز نہیں ہے کہ صرف زنا کا گمان کرکے زوجہ کو زنا کی تہمت لگائے"

اور فتاوائے عالمگیری میں لکھا ہے کہ "جب مدعی اور مدعا علیہا قاضی کے سامنے حاضر ہوں
تو قاضی کو چاہیئے کہ انکو تنبیہ کرے کہ لعان سے باز آئیں۔ لیکن جب مدعی تہمت لگانے سے باز

کرے اور مدعا علیہا اُسکی تردید کرنے پر مصر ہو تب قاضی صیغہ لعان پڑھوائے جسمین ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ خدا تجھپر لعنت کرے۔

شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ لعان صرف اُسوقت ہو سکتا ہے جبکہ شوہر سوا ے اپنی شہادت کے اور کوئی گواہ زوجہ کے ارتکاب زنا کا نہ رکھتا ہو۔ مگر سنیون کے نزدیک یہ ہے کہ جب شوہر اور گواہ بھی رکھتا ہو تب بھی لعان کی کارروائی کر سکتا ہے۔

لعان کی نالش شوہر دو غرضون سے کر سکتا ہے۔ یا اس غرض سے کہ زوجہ پر زنا کا جرم ثابت کر دے۔ یا اِس غرض سے کہ جو لڑکا اُس سے پیدا ہوا ہو اُسکی ولدیت کا انکار کرے شق ثانی کا مفاد بھی یہی ہے کہ زوجہ پر شوہر سے بے وفائی کی تہمت عائد ہوتی ہے۔

جن شرائط کی پابندی اِن دو صورتون مین واجب ہے چونکہ اُنمین تھوڑا سا فرق ہے لہذا علیحدہ علیحدہ بیان کیجاتی ہین۔ مثلاً شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ شوہر و زوجہ مین از غرض اِسطرح سے ہو سکتا ہے کہ شوہر زوجہ پر زنا کا دعوے کرے اور زوجہ اُسکا انکار کرے مگر ملاعنہ صرف اُسوقت ہو سکتا ہے جبکہ شوہر یہ بیان کرے کہ مین نے زوجہ کو زنا کرتے بچشم خود دیکھا ہے مگر اور کوئی ثبوت میرے پاس نہین ہے۔ شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ اِس سے یہ لازم آتا ہے کہ اگر کوئی اندھا آدمی اپنی زوجہ پر زنا کا دعوے کرے تو لعان نہین ہو سکتا گو وہ اولاد کی ولدیت کا انکار لعان سے کر سکتا ہے [۱]

سب فرقون کا اسپر اتفاق ہے کہ جو شخص لعان کی نالش دائر کرے اُسکو بالغ و عاقل ہونا چاہیئے۔ اور سنیون کے نزدیک اُسکا مسلمان ہونا بھی شرط ہے۔

کتب شیعہ مین یہ کہین صاف نہین لکھا ہے کہ شوہر کا مسلمان ہونا ایک شرط ضروری

---

[۱] فتاواے عالمگیری صفحہ ۶۶۸۔ فتاواے قاضی خان صفحہ ۱۵۲۔ فصول عمادیہ۔ شرایع الاسلام صفحہ ۳۴۸ و ۳۴۹ - [۲] جامع الشتات - ارشاد علامہ - شرایع الاسلام صفحہ ۳۴۶ و ۳۴۷ - [۳] شرایع الاسلام صفحہ ۳۴۷ - ۱۲ منہ

جواز لعان کی ہے۔ مگر جو مسائل جامع الشتات مین لکھے ہین اُنسے اِس بات مین شک ہوتا ہے کہ آیا شوہر ذمی لعان کرسکتا ہے۔ کتب شیعہ کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ یا وشلوکے غیر مسلم رعیّت کو لعان کی نالش کرنے کا اختیار دیا گیا ہے بشرطیکہ وہ زندیق یا دہریہ نہو شوہر

فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے کہ "صرف وہ لوگ جو عدالت مین گواہی دینے کی قابلیت شرعیہ رکھتے ہون لعان کرسکتے ہین پس لعان اُس صورت مین نہین ہوسکتا جبکہ شوہر اور زوجہ دونون یا اُنمین سے ایک تہمت لگانے کی سزائے مخصوص پا چکا ہو یا اُنمین سے ایک غلام یا لونڈی ہو یا کافر ہو یا گونگا ہو یا نابالغ ہو یا مجنون ہو"[1]۔ مگر اندھے اور بہرے کے لعان کرنا ممنوع نہین ہے۔

حنفیہ کے نزدیک یہ بھی ضرور ہے کہ زوجہ مسلمہ اور عفیفہ ہو جب وہ فاسقہ ہو یا شوہر اور زوجہ مین صرف برائے نام نکاح ہو تو زوجہ لعان کا دعوے نہین کرسکتی۔

شافعیہ اور مالکیہ نے اس باب مین شیعہ سے اتفاق کیا ہے کہ گونگا آدمی لعان کرسکتا ہے چنانچہ شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ "گونگے آدمی کا لعان شرعاً جائز ہے جبکہ اُسکا مطلب اشارون سے سمجھ مین آسکے"۔

حنفیہ اور شیعہ کا اسمین اتفاق ہے کہ زوجہ عاقلہ ہونی چاہیئے تب لعان شرعاً لے سکتی ہے مگر شیعہ نے حنفیہ سے بھی ترقی کرکے یہ لکھا ہے کہ زوجہ کو بالغہ و عاقلہ ہونا چاہیئے اور اندھی اور بہری نہونا چاہیئے۔ اور اسمین وہ حنفیہ سے متفق ہین کہ زوجہ کو مسلمہ ہونا چاہیئے[2]۔ حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی اُس زوجہ کو زنا سے متہم کرے جو ذمیہ و غیر مسلمہ یا کنیز ہو تو اُسکو لعان کرنا شرعاً جائز نہین ہے۔ مگر شیعون کا قول یہ ہے کہ وہ لعان صرف اسلئے

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۴۳ – ۲ منہ [2] ہدایہ صفحہ ۱۵۳ – شرائع الاسلام صفحہ ۳۴۸ – کتاب الانوار سے ۱۲ منہ سے ظاہر اس مسئلہ مین معتزلہ اور اخباریون نے اصولیون سے اختلاف کیا ہے۔ اُنکا قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ جواز لعان زوجہ کے مسلمہ ہونے پر نہین موقوف ہے۔ ۱۲ منہ

اور کنیز میں ہو سکتا ہے یعنی اگر وہ حرّہ اس کنیز کو زنا کی تہمت لگائے تو مستوجب[1] لعان ہوگا[1]
آخر الذکر مسئلہ میں شافعیہ اور مالکیہ نے شیعہ سے اتفاق کیا ہے اور حق لعان کو
عمل میں لانے میں حرّہ اور عبد کا امتیاز نہیں کیا ہے – اور اُنکے نزدیک ذمیہ اور مسلمان میں
دونوں برابر ہیں – مگر اُنھوں نے شیعہ اور حنفیہ سے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ صرف
زوجہ کے ملعون ہونے کو مانع لعان نہ سمجھنا چاہیے اور نہ اسکا مانع سمجھنا چاہیے کہ شوہر
جو دعوے زنا کا اُسپر وارد کرے اُسکو ازروے شرع ثابت کرے –

شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ ہے کہ جب زوجہ غیر مسلمہ پر زنا کی تہمت لگائی جائے
تو اگر وہ نصرانیہ ہو تو گرجا میں جا کر قسم کھا سکتی ہے اور اگر یہودیہ ہو تو معبد یہود میں
جا کر کھا سکتی ہے –

شیعوں کے نزدیک یہ ہے کہ جب شوہر شہادت پیش کر سکتا ہو مگر عمدًا نہ پیش کرے
تو لعان نہیں کر سکتا – [illegible] کہ میں نے اپنی آنکھ سے زوجہ کو زنا کرتے دیکھا ہے
مگر اس قول کی تصدیق کے لیے گواہ نہ رکھتا ہو تو اُس سے اور زوجہ سے علیحدہ علیحدہ
قسم لینا چاہیے – اگر شوہر قسم کھانے سے انکار کرے تو زنا کی تہمت لگانے کی سزا پائیگا
اگر زوجہ قسم کھانے سے انکار کرے تو قاضی اپنی صوابدید سے حکم صادر کرے تنسیخ نکاح کرے
وہ ایک قسم لعان کی ہے – اگر زوجہ لعان طلب کرے اور اگر شوہر قسم کھانے سے انکار
کرے تو قاضی کو اختیار ہے کہ اُسکو قید کرے یہانتک کہ وہ قسم کھانے پر راضی ہو جائے
یا دعوے زنا سے باز آئے – اگر دعوے زنا سے باز آئے تو زنا کی تہمت لگانے کی سزا کا
مستوجب ہوگا – اسی طرح سے اگر وہ عورت ضد کرے اور ہرگز قسم نہ کھائے تو قاضی کو اختیار
کہ اُسکو قید رکھے یہانتک کہ وہ قسم کھائے یا اپنے جرم کا اقرار کرے[1] – مگر ان احکام
لعان کو الجیرس کے حنفی قاضی نافذ نہیں کرتے اور انھیں کے فیصلوں سے ہمکو اصل اصول

---

[1] جامع الشتات – شرائع الاسلام صفحہ ۳۴۸ – ۱۲ منہ –

شرع حنفی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ ایک مقدمہ[1] میں جسکا فیصلہ شہر بان کے قاضی نے ۱۷ ستمبر ۱۸۶۲ء کو کیا تھا لعان کی نالش شوہر نے کی تھی۔

لعان کے نتائج شرعی

جب زوجہ اور شوہر دونون نے حسب طریقہ شرعیہ قسم کھائی ہو یا تہمت زنا زوجہ پر بخوبی ثابت کر دی گئی ہو تو قاضی کو ایک حکمنامہ اُن دونون کی طلاق کا لکھنا چاہیئے اور اُس حکمنامہ کے موافق شوہر کو چاہیئے کہ زوجہ کو طلاق دے۔ اگر شوہر ایسا کرنے سے انکار کرے تو قاضی خود طلاق جاری کر دے۔ مگر جب تک قاضی طلاق کا حکم نہ دے اُسوقت تک نکاح مع اپنے تمام حقوق کے باقی رہیگا۔

سب فرقون کا اتفاق ہے کہ لعان صرف قاضی یا حاکم شرع کے سامنے شرعاً ہو سکتا ہے اور جبتک قاضی فسخ عقد کا حکم نہ دے اُسوقت تک نکاح باقی رہیگا۔

کتب شیعہ میں سے شرائع الاسلام کی ایک عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر شوہر وزوجہ کسی شخص کو حکم یعنی پنچ مقرر کرین تو اُسکا فیصلہ بھی شرعاً ویسا ہی واجب التعمیل ہوگا جیسا حاکم شرع کا حکم۔

جامع الشتات میں جو مسائل لکھے ہین اُنسے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لعان کی نالش حاکم شرع یا مجتہد العصر کے محکمہ مین دائر ہونی چاہیئے۔

شافعیہ اور مالکیہ اور شیعہ کے نزدیک یہ ہے کہ جب شوہر و زوجہ مین قاضی یا حاکم شرع کے حکم سے ملاعنہ ہو جاے تو وہ ایک دوسرے پر حرام مؤبد ہو جاتے ہین یعنی باہم دوبارہ عقد نہین کر سکتے۔ مگر حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر شوہر تہمت زنا سے باز آئے اور دعوے زنا کرنے کی سزا پاجاے یا اگر بعد وقوع لعان معلوم ہو کہ شوہر یا زوجہ میں لعان کے وقت

---

[1] ساٹیر صاحب کی کتاب صفحہ ۳۲۲ – ۳۲۳ – شرائع الاسلام صفحہ ۳۴۹ – ۳۱۲ – ہدایہ صفحہ ۳۴۹ – ذکی الدین حسن صاحب کی کتاب صفحہ ۱۱۲ – شرائع الاسلام صفحہ ۳۴۹ و ۳۵۱ – کتاب الانوار – فتاوے عالمگیری صفحہ ۷۹۴

کوئی ایسا نقص شرعی تھا جس سے لعان باطل ہوجاتا ہے یا اگر زوجین سے کوئی مرتد ہوجاوے
اور بعد اُسکے پھر اسلام قبول کرے تو ان سب صورتون مین وہ باہم دوبارہ عقد کر سکتے ہین ۔
اولاد کی ولدیت کا انکار کرنے کے لیے جو لعان کیا جاوے اُسمین بھی وہی رسوم شرعی ادا
کرنا لازم ہے جنکی پابندی اُس لعان مین کیجاتی ہے جسمین زوجہ پر زنا کی تہمت لگائی جاوے
صرف اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت مین اور صیغہ پڑھا جاتا ہے اور دوسری صورت مین اور
صیغہ پڑھا جاتا ہے
یہ بھی بیان کردینا چاہیئے کہ جب زوجہ پر زنا کی تہمت لگا کر فسخ نکاح کرنا منظور ہو تو لعان کے
سب شروط کی تعمیل کرنا کچھ ضرور نہین ہے جس مقدمہ کا ذکر سابق مین کیا گیا کہ شہر ٹانک کے
قاضی نے اُسکا فیصلہ کیا تھا اُسمین شوہر نے قاضی کے سامنے حاضر ہوکر زوجہ پر زنا کا
دعوے کیا اور زوجہ نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا ۔ قاضی نے فسخ نکاح کا حکم لکھکر زوجہ کو
حکم دیا کہ جو مہر تو نے شوہر سے پایا ہے اُسکو واپس کردے ۔
اسی طرح سے جب کسی عورت پر جھوٹا دعوے زنا کا دائر کیا جاوے اور شوہر اُس دعوے کو
ثابت نہ کرسکے تو وہ عورت عدالت سے طلاق مانگ سکتی ہے ۔ سابقہ اصحاب نے جو دو نظیرین
لعان کی لکھی ہین وہ ناطق اور قطعی ہین ۔ ایک مقدمہ مین یحییٰ ابن محمد نے اپنی زوجہ پر زنا کا
دعوے کیا ۔ زوجہ نے دعوے زنا کا انکار کرکے شوہر سے قاضی کے سامنے کہا کہ شہادت
پیش کرکے اپنے دعوے کو ثابت کر ۔ جب شوہر شہادت نہ پیش کرسکا تو قاضی نے زوجہ کی
درخواست سے فسخ نکاح کا حکم دیدیا ۔
دوسرے مقدمہ مین جسکا فیصلہ الجیریا کی عدالت نے ۱۳ فروری سنہ ۱۸۷۱ع کو کیا تھا
شوہر نے فسخ نکاح کا دعوے اس بنا پر کیا کہ زوجہ قبل نکاح مرتکب فعل شنیع ہوئی تھی ۔
زوجہ نے اُسکے دعوے کا انکار کرکے طلاق طلب کیا ۔ شوہر[1] اپنے دعوے کے اثبات

ـــــــــــــــ

[1] اگر نکاح شوہر کی استدعا سے منسوخ کیا جاتا تو وہ مہر کا مستوجب نہوتا ۔ ۱۲ منہ

سے قاصر رہا لہذا قاضی نے زوجہ کی طلاق کا حکم دیدیا۔

طلاق العنین یعنی نامرد شوہر کا طلاق

جو حق شرع محمدی میں زوجہ کو دیا گیا ہے کہ اگر شوہر نامرد ہو تو نکاح کو منسوخ کرا لے وہ تمام اعتبارات سے اُس حق کے مشابہ ہے جو قانون انگلستان میں عورت کو بخشا گیا ہے خصوصًا شیعوں کے مذہب میں اور انگلستان کے قانون میں اس باب خاص میں ایسی مشابہت تامہ ہے کہ شائقین علم فقہ کی توجہ و التفات کے قابل ہے۔

زوجہ شوہر کے نامرد ہونے کی وجہ سے طلاق کی مستحق اُسوقت ہے جبکہ نکاح کے پیشتر یہ نہ جانتی ہو کہ یہ شخص نامرد ہے۔ اگر یہ جانکر اُسنے شوہر کو قبول کر لیا ہو کہ یہ شخص نامرد ہے یعنی زفاف یا وطی کی قوت نہین رکھتا ہے تو زوجہ طلاق کا حق نہین رکھتی ہے۔

اگر زفاف کے بعد شوہر نامرد ہو گیا ہو تو زوجہ طلاق نہین مانگ سکتی۔

اہل سنت کے نزدیک زوجہ بہرصورت طلاق کی مستحق ہے خواہ شوہر صرف اُسی پر قادر ہو اور عورتون پر قدرت رکھتا ہو خواہ عنین محض ہو یعنی کسی عورت پر مطلقًا قادر نہو۔ مگر شیعون کے نزدیک اگر شوہر اور عورتون سے جماع پر قادر ہو اور صرف زوجہ پر قادر نہو تو زوجہ طلاق نہین مانگ سکتی۔

زوجہ پر فرض ہے کہ جسوقت شوہر کا نامرد ہونا معلوم ہو اُسی وقت فورًا اپنے حق طلاق کو عمل مین لائے۔ اگر اس حق کو عمل مین لانے مین تاخیر کریگی تو شرعا یہ قیاس کیا جائیگا کہ اِس حق سے دست بردار ہو گئی۔ مگر اس قیاس کی تردید یا ابطال ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ زوجہ ایسے حال مین مبتلا تھی کہ نکاح کے بعد فورًا طلاق کا دعوے نہ پیش کر سکتی تھی مثلًا نکاح کے وقت سے شوہر کہین چلا گیا ہو اُسکے پاس نہ رہا ہو یا وہ کوئی ذریعہ دعوے طلاق دائر کرنے کا نہ رکھتی ہو یا اور کوئی سبب ہو۔

شوہر کے نامرد ہونے کی وجہ سے جو دعوے طلاق ہو اُسکو ہمیشہ قاضی یا حاکم شرع کے

محکمہ مین دائر کرنا چاہیئے۔ جو طلاق صرف مجتہدین کے فتوے سے دیدیا جاے وہ بالکل باطل اور ناجائز ہے۔ چنانچہ جامع الشتات مین لکھا ہے کہ شوہر کے نامرد ہونے کی وجہ سے طلاق کا دعوے دائر کرنا شرعاً جائز نہین ہے مگر حاکم شرع کے محکمہ مین۔

جب کوئی عورت اپنے شوہر پر نامرد ہونے کا دعوے کرتی ہے تو قاضی اُسکی تحقیقات کرتا ہے اور فریقین کا اظہار لیتا ہے۔ اگر وہ عورت باکرہ ہے تو بزرگ عورتون کی ایک جیوری مقرر دیجاتی ہے اور وہ دیکھتی ہے کہ آیا یہ باکرہ ہے یا نہین ہے۔ اگر اُسکا بیان سچ پایا جائے تو حسب حکم التوائی تاریخ سے برس روز تک مقدمہ ملتوی رکھا جاتا ہے۔ اگر اس عرصہ مین شوہر مقاربت کرے تو بعد انقضائے میعاد کے جو قاضی نے مقرر کی ہے زوجہ کی عرضی خارج کیجاتی ہے لیکن اگر شوہر تکمیل فرائض زوجیت سے قاصر رہے یعنی زوجہ کا زفاف نہ کرسکے تو وہ مستحق طلاق کی ہوتی ہے۔

سنیون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر خلوت صحیحہ ہوچکی ہو تو زوجہ پورے مہر کی مستحق ہوگی۔ اگر خلوت صحیحہ نہوئی ہو تو حنفیہ کے نزدیک وہ نصف مہر پائیگی۔ مگر شیعہ اور شافعیہ کے نزدیک دونون صورتون مین وہ نصف مہر پائیگی خواہ خلوت صحیحہ ہوئی ہو خواہ نہوئی ہو۔

اگر خود وہ عورت مرد پاس رہنے کے قابل نہو تو طلاق کی مستحق نہوگی۔ اگر وہ باکرہ نہو اور شوہر قسم کھا جاے کہ اس سے مباشرت کرچکا ہون تو بھی وہ طلاق کی مستحق نہوگی۔

سنی اور شیعہ اسمین عموماً متفق ہین کہ قاضی کے محکمہ مین نامردی کی نالش دائر کرنے کیلیے کیا کارروائی کرنی چاہیئے۔ جامع الشتات مین لکھا ہے کہ ایسی صورت مین مجتہد العصر کا حکم ضرور ہے۔ (جو شیعہ ملکون مین قاضی کا قائم مقام ہوتا ہے) مگر یہ عرض کرنا ضرور ہے کہ شرائع الاسلام مین اسکے خلاف لکھا ہے۔ یعنی اس کتاب مین یہ لکھا ہے۔ کہ یہ سچ ہے کہ نامردی ثابت کرنے کے لیئے حاکم شرع کو چاہیئے کہ ایک مدت مقرر کردے کہ اُس مدت مین شوہر اپنی مردی کی آزمائش کرے اور اُس میعاد کے منقضی ہونے کے بعد زوجہ خود اپنے

نکاح کو منسوخ کر سکتی ہے اگر اس عرصہ مین ہمبستری نہوئی ہو[1] مگر جامع الشتات مین جو فتوے لکھا ہے وہ زیادہ تر عقل سلیم کے موافق ہے اور ممالک شیعہ مین اُسی پر عمل درآمد ہے۔ فقط

چودھوان باب

نابالغی کی حالت۔ آزادی ذات۔

آزادی مال۔ ایکٹ ۹ سنہ ۱۸۷۵ع۔

نابالغین کے موانع قانونی کچھ شرع محمدی سے مخصوص نہین ہین۔ بلکہ اور قوانین مین بھی نابالغون کی ذات کی آزادی سن بلوغ کو پہونچنے پر موقوف ہے اور اُسی وقت اُنکو یہ بھی قابلیت حاصل ہوجاتی ہے کہ اپنی جائداد کو جو چاہین کرین۔ مگر شرع محمدی کی رو سے ذات کی آزادی سے خواہ مخواہ مال یا جائداد کی آزادی نہین لازم آتی۔

حقیقت حال یہ ہے کہ شرع محمدی مین دو مختلف زمانے بلوغ کے رکھے گئے ہین۔ ایک وہ زمانہ ہے جسمین نابالغ کی ذات اُسکے باپ کے قید اختیار سے آزاد ہوجاتی ہے۔ اور ایک وہ زمانہ ہے جسمین وہ اپنی جائداد کا انتظام خود اختیار کرتا ہے۔

اِن دونون زمانون کو سن بلوغ اور سن رُشد کہتے ہین۔

حنفیہ اور شیعہ کے نزدیک پندرھوان سال ختم ہونے پر بلوغ فرض کرلیا جاتا ہے۔

مگر مالکیہ کے نزدیک اٹھارھوان سال تمام ہوئے پر بلوغ فرض کیا جاتا ہے۔

حنفیہ اور شیعہ کے نزدیک بلوغ اور رُشد ساتھ ہوتا ہے لہذا جب بعد بلوغ نابالغون کو ذاتی آزادی حاصل ہوتی ہے اُسی وقت انکا مال بھی اُنکے اولیا کی قید اختیار سے آزاد ہوجاتا ہے اور اُسی وقت وہ اپنی جائداد کو لے لینے کے مستحق ہوجاتے ہین۔

مگر ایسی صورتین بھی ہین جسمین لڑکے اور لڑکیان بالغ ہوجاتی ہین مگر رشید نہین ہوتین کہ اپنی جائداد کا انتظام خود کرین۔ ایسی صورتون مین شرع شریف نے بلوغ کے دونون مادون مین

---

[1] شرائع الاسلام صفحہ ۲۰۶ — ۱۲ منہ

تصرف کردیا ہے یعنے نابالغ کی ذات سے حق الجبر کو اٹھا لیا ہے مگر خود اُسکے فائدہ کے لیے
اُسکی جائداد کا انتظام اُسکے اولیاء شرعی کے سپرد رکھا ہے ۔

اگر کوئی نابالغ سن بلوغ کو پہونچکر رشید ہو تو اٹھارھوان سال تمام ہونے پر رشید
سمجھا جائیگا الا اینکہ کوئی شہادت قطعی اسکے خلاف پیش کیجائے ۔

بلوغ کے ان دونون زمانون کا اصول ایکٹ ۹ ۱۸۷۵ع یعنی ایکٹ نابالغان مین قائم
رکھا گیا ہے ۔ اس ایکٹ کی دفعہ ۲ ۔ ضمن (الف) مین لکھا ہے کہ ’’ ایکٹ ہذا کا کوئی مضمون
کسی شخص کی کارروائی کرنے کی قابلیت مین مقدمات ذیل مؤثر نہوگا ۔ یعنی ۔ مناکحت ۔
مہر ۔ طلاق ۔ اور تبنیٰ ‘‘

اور دفعہ ۳ ۔ مین لکھا ہے کہ ’’ بہ پابندی امور مذکورۂ بالا ہر ایسا نابالغ جو کسی عدالت کی
زیر نگرانی خواہ ایکٹ ۸ ۱۸۹۰ع خواہ ایکٹ کورٹ آف وارڈس کے بموجب ہو اٹھارھوان سال
ختم ہونے پر بالغ سمجھا جائیگا خواہ مرد ہو خواہ عورت ۔ اس سے پیشتر بالغ نہ سمجھا جائیگا ۔
و دیگر ہر ایسا نابالغ جسکی ذات یا جائداد کا ولی عدالت نے مقرر کردیا ہو یا آئندہ مقرر کرے اور
ہر وہ نابالغ جو زیر اختیار کورٹ آف وارڈس ہو اکیسوان سال ختم ہونے پر بالغ سمجھا جائیگا خواہ
مرد ہو خواہ عورت اس سے پیشتر نہ سمجھا جائیگا ‘‘

اس سے ظاہر ہے کہ جہانتک اس ایکٹ کا اصول تعلق ہے وہانتک یہ شرع محمدی کے
مشابہ ہے جسمین دو مختلف زمانے بلوغ کے قرار دیئے گئے ہین ۔ ایک زمانہ نابالغ کی
ذات کے آزاد ہونے کا اور ایک زمانہ اُسکے مال کے آزاد ہونے کا ایکٹ مذکور مین
رشد کا زمانہ یعنے جب نابالغ کی جائداد کا انتظام خود اُس سے متعلق کردینا چاہیئے مختلف
نہین رکھا گیا ہے بلکہ ہر نابالغ جسکا ولی کسی عدالت نے مقرر کردیا ہو یا جو کورٹ
آف وارڈس کے زیر اختیار نہ ہو اُسکا سن رشد ۔ یا سن بلوغ اٹھارہ سال کا
مقرر کردیا گیا ہے

بلکہ جس نابالغ کا ولی کسی عدالت نے مقرر کردیا ہو اُسکے باب مین اس ایکٹ نے شرع محمدی سے بھی ترقی کرکے یہ قرار دیا ہے کہ اُسکی جائداد نہین واگذار ہوسکتی تاوقتیکہ وہ اکیسوان سال تمام نہ کرلے۔

جہانتک نابالغون کی ذات کی آزادی متعلق ہے وہانتک اس ایکٹ نے شرع محمدی مین کچھ تصرف نہین کیا ہے۔ بلکہ اسنے خاص کر مسلمانون کو مستثنیٰ کرکے لکھدیا ہے کہ مناکحت اور مہر اور طلاق کی قابلیت رکھتے ہین۔ پس اس ایکٹ نے جو نابالغی کا سن بڑھا دیا ہے اُس سے حق الجبر کی مدت نہین زیادہ ہوگئی ہے۔

باپ کا حق الجبر نابالغ اولاد کا نکاح کردینے کا باوجود اس ایکٹ کے بھی پندرھوان سال ختم ہونے کے بعد یعنی بلوغ شرعی کے بعد نہین عمل مین آسکتا۔

اسی طرح سے اگر نابالغ حنفی مذہب یا شیعہ ہو تو بلا اجازت ولی بھی اپنا نکاح کرسکتا ہے اور اگر اُسکی طرف سے کسی نے اُسکا نکاح کردیا ہو تو اُسکا جواز اُسکی صریحی رضامندی پر موقوف ہوگا۔

جب نابالغ کا عقد باپ اور دادا کے سوا اور کسی ولی نے کردیا ہو تو اسمین شک معلوم ہوتا ہے کہ آیا وہ پندرھوین برس کے بعد خیار البلوغ کو عمل لا سکتا ہے یا یہ کہ حق اٹھارھوان سال ختم ہونے کے بعد عمل مین لایا جائیگا۔ ایکٹ مذکور کی عبارت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اُسمین شرع محمدی کے احکام درباب قابلیت نکاح و مہر وطلاق بعینہ قائم رکھے گئے ہین لہذا جب کسی نابالغ کا نکاح اس طور سے کرلیا گیا ہو تو بعد بلوغ اُسکو حق خیار البلوغ عمل مین لانا جائز ہے۔ اگر وہ حق اُسوقت نہ عمل مین لایا جاوے تو یہ گمان کرنا مشکل ہے کہ وہ حق جاتا رہیگا یا اُسکا عمل مین نہ لایا جانا اقبال یا رضامندی پر محمول کیا جائیگا۔ چونکہ ایکٹ مذکور مین لکھا ہے کہ بعض صورتون مین نابالغی اٹھارہ برس کے سن تک تصور کرنی چاہیئے اور بعض صورتون مین اکیس برس کی عمر تک اور چونکہ اسمین یہ کہین نہین لکھا ہے کہ جو حق کسی خاص

قانون کے روسے حاصل ہوا ہو اگر وہ اُس قانون کے منشاء کے موافق فوراً نہ عمل مین لایا جائے تو زائل ہو جائیگا لہذا یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ کوئی عدالت اُس نابالغ کو جسکا عقد اُسکے باپ اور دادا کے سواے اور کسی ولی نے دیا ہو حق خیار البلوغ کو اُس عقد کے فسخ کرنے کیلیے عمل مین لانے سے مانع نہو گی گو اُس حق کا دعوے یا نفاذ اُس سن بلوغ کے پورا ہونے کے بعد بھی نہ ہوا ہو جو ایکٹ مذکور مین مقرر کردیا ہے۔

شرع محمدی مین ہر شخص کو بعد بلوغ یہ اختیار اور یہ قابلیت بخشی گئی ہے کہ ہر قسم کے تصرفات شرعیہ یا معاملات جائز کو جو اُسکی حیثیت یا اُسکی جائداد سے متعلق ہون کر سکتا ہے اسمین کچھ مرد یا عورت کی تخصیص نہین ہے۔ ایکٹ مذکورہ بالا مین جائداد کی نسبت کوئی معاملہ کرنے کی قابلیت کو اُس سن تک ملتوی رکھا ہے جو کونسل واضع آئین و قوانین نے مقرر کردیا ہے۔ مگر چونکہ اس ایکٹ مین اُن معاملات کو مستثنی کیا ہے جو لوگون کی حالت یا حیثیت سے متعلق ہین لہذا اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص سن بلوغ کو پہونچکر نکاح کرے اور کچھ مہر مقرر کردے تو ایسا مہر جائز ہوگا کیونکہ وہ ایک نتیجہ ضروری یا لازم ذاتی معاہدہ نکاح کا ہو۔ اسی طرح سے چونکہ اس ایکٹ مین طلاق [illegible] شرع محمدی بعینہ قائم رکھا گیا ہے لہذا اگر کوئی مسلمان شوہر شرع محمدی کے روسے [illegible] ایکٹ کے بموجب نابالغ ہو اور اختیار طلاق کو عمل مین لاکر زوجہ کو طلاق دیدے [illegible] جب [illegible] مہر ہوگا گو اس ایکٹ کے بموجب وہ ہر ایسی ذمہ داری سے بری رہیگا [illegible] سے یا اُس معاہدہ کو شکست کرنے سے نہ پیدا ہوئی ہو جو اُسکی [illegible] حالت سے متعلق ہے۔ یہ بعض دقیقے ہین جنکے پیدا ہونے کا گمان ایکٹ بلوغ کے [illegible] سے ہوتا ہے جسکا ذکر سابق مین کیا گیا۔

علاوہ انکے اور دقیقے بھی اس ایکٹ سے پیدا ہوتے ہین جنکا ذکر مجملاً کیا جاتا ہے۔ یہ یاد رکھے [illegible] ایکٹ اُن سب اشخاص سے متعلق ہے جو برٹش انڈیا مین سکونت دائمی یا مستقل بود و باش رکھتے ہین۔ مگر ایسی صورتین بھی وقوع مین آتی ہین جنمین کوئی مسلمان باشندہ عرب یا عجم

پندرھوان باب

ولایت یا حراست۔ اسکی غایت وغرض شرع محمدی مین کیا ہے

باپ ولی اصلی ہے۔ اولیار وصیتی۔ ایکٹ ۸ ہ ۱۸۹۰ع۔

ولایت یا حراست مین امور ذیل داخل ہین ۔(۱) نابالغ کی ذات کی ہدایت اور حفاظت یہ اسوقت ہوگا جبکہ حضانت اور ولایت دونون چیزین ایک ہی شخص مین جمع ہون۔ (۲) نابالغ کی ذات کی نگرانی جبکہ حضانت دوسرے شخص سے متعلق ہو۔ (۳) نابالغ کی جانداد کا انتظام اور حفاظت

دین اسلام جاری ہونے سے پیشتر یہ دستور تھا کہ نابالغون کے مال واسباب کا تحفظ وانتظام ولیون سے متعلق کیا جاتا تھا جو انکے اہل خاندان مین سے مقرر کیے جاتے تھے۔ مگر چونکہ کسی حاکم کے حکم سے اختیار ولایت انپر نہ عمل مین لایا جاتا تھا لہذا نابالغون کے مال مین خیانت اور تغلب وتصرف اس شدت سے ہوتا تھا کہ شارع اسلام کو بہت سخت احکام نابالغون کی حفاظت کے جاری کرنے پڑے۔

قرآن مجید مین اُن بدعتون اور بے ایمانیون کی مذمت جابجا ہے جو پیغمبر اسلام کی بعثت کے زمانہ مین ساری عرب مین ہوتی تھین۔ اور احکام قرآنی پر مسلمانون کا قانون ولایت مبنی ہے آیات ذیل مین کچھ احکام ولایت بیان کیے ہین جنسے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ چھٹی اور ساتوین صدی عیسوی مین اخلاق عامہ کی کیا کیفیت عرب مین تھی۔

وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا - یعنی اور دو تم یتیمون کو انکا مال اور نہ بدلو اچھی چیز کو بُری چیز سے اور نہ کھاؤ انکی جائداد کو اپنی جائداد کے ساتھ تحقیق کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے (سورۃ النسار آیت ۲)

فَبِظُلْمٍ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

کثیرا۔ واخذھم الربوا وقد نھوا عنہ واکلھم اموال الناس بالباطل واعتدنا للکافرین منھم عذابا الیما۔ یعنی بسبب ظلم اُن لوگون کے جو یہود ہین ہمنے حرام کردیا انپر حلال چیزون کو جو حلال کیگئی تھین اُنکے واسطے اور بسبب اُنکے بہکنے کے خدا کی راہ سے بہت۔ اور بسبب اُنکے لینے کے سود درحالیکہ اُنکو سود لینا منع کیا گیا ہے اور بسبب اُنکے کھاجانے کے لوگون کی جائداد ناحق اور وعدہ کیا ہے ہمنے کافرون کو اُنمین سے دردناک سزا کا۔ (سورۃ النساء آیت ۱۵۸ و ۱۵۹)

قرآن مجید مین ولیون کو ممانعت ہے کہ نابالغون کی جائداد کو ضایع و برباد نہ کرین۔[۱] اور معلمون کو حکم ہے کہ ایک معقول و معتدل حق المحنت لین مگر اُس سے زیادہ نہ لین۔ جیسا اس آیت سے ظاہر ہے۔ وابتلوا الیتامی حتی اذا بلغوا النکاح فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم ولا تاکلوھا اسرافا وبدارا ان یکبروا ومن کان غنیا فلیستعفف ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف فاذا دفعتم الیھم اموالھم فاشھدوا علیھم وکفی باللہ حسیبا۔ ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا۔ (سورۃ النساء آیات ۵ و ۶ و ۷)
یعنی اور حفاظت کرو یتیمون کی یہانتک کہ جب وہ شادی کی عمر کو پہونچین پس اگر تم اُنکو ذی شعور دیکھو تو دیدو اُنکو اُنکی جایدادین اور نہ کھاؤ اُنکو فضول خرچی اور خیانت کے ساتھ اور جو شخص مالدار ہو ہر آینہ اُس سے بالکل پرہیز کرے اور جو شخص نادار ہو ہر آینہ مقدار واجبی اُجرت لے پس جب تم اُنکو اُنکی جائدادین حوالہ کرو تو گواہون کے سامنے حوالہ کرو اور کافی ہے خدا حساب لینے والا۔ اور وہ لوگ جو کھاتے ہین مال یتیمون کا ناحق نہین کھاتے اپنے شکمون مین مگر آگ کو اور قریب ہے کہ پہونچینگے آتش دوزخ مین۔
پہلی آیت مین اولیا پر نابالغ کی جائداد کا حساب دینا بھی فرض کر دیا ہے۔

[۱] جیسا آیت مذکورہ بالا سے ظاہر ہے ۱۲ منہ

قاضی کو بھی حکم ہے کہ نابالغون کی جائداد کا انتظام جو اُنکے ولی کرین اسکی بہت سخت اور چست نگرانی کرتا رہے۔

چونکہ اصول ولایت نصوص قرآنی پر مبنی ہین لہذا اِس مسئلہ مین سُنّی اور شیعہ مین اختلاف کی بہت کم گنجایش ہے۔

اولیا تین قسم کے ہوتے ہین۔ اصلی۔ وصیتی۔ مقرری۔ ولی اوّل اور ولی اصلی باپ ہے اور حنفیہ کے مذہب مین جب باپ مرجاے تو ولایت اُسکے ولی سے متعلق ہوجاتی ہے اور جب باپ مرجاے اور کسی کو اپنا وصی نہ مقرر کرجاے تو اُسکی نابالغ اولاد کی ولایت اسکے دادا سے متعلق ہوگی اور جب دادا بھی مرجاے تو اُنکی ولایت دادا کے وصی سے متعلق ہوگی۔ شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر دادا زندہ ہو تو وہ بترجیح باپ کے وصی کے ولایت کا مستحق ہے۔ جب ولی اصلی اور ولی وصیتی دونون نہ موجود ہون یعنی باپ اور اُسکا وصی اور دادا اور اُسکا وصی نہ موجود ہو تو نابالغ کے مال کی حفاظت و انتظام کے لیے کوئی ولی یا امین مقرر کرنا قاضی سے باین حیثیت کہ وہ سلطان یا حاکم وقت کا قائم مقام ہے شرعًا متعلق ہوجاتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جو نابالغون کی ولایت نامہ رکھتا ہو یا جیسا ایکٹ ۔۴ ۱۸۵۸ع مین لکھا ہے کہ وہ نابالغون کی جائداد کی سپردگی کا خواہان ہو اور لیاقت بھی رکھتا ہو،، پدر متوفی کے اقرباے ذکور مین پایا جاے تو قاضی کو چاہیے کہ ایسے شخص کو بترجیح شخص غیر اُنکا ولی مقرر کرے مگر سواے باپ اور دادا کے کوئی عزیز نابالغ کی جائداد مین دست اندازی کرنے کا شرعًا مجاز نہین ہے تاوقتیکہ قاضی نے اُسکو ولی نہ مقرر کیا ہو[1]۔

باپ کو سب اوقات مین اختیار کلّی حاصل ہے کہ اپنے نابالغ اولاد کی ولایت اور اُنکے حقوق کی حفاظت کا انتظام جو مناسب سمجھے وصیت نامہ مین لکھدے۔

---

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۲۳ - ۱۲ منہ

مگر باپ کو وصی یا ولی وصیتی مقرر کرنا صرف اسوقت جائز ہے جبکہ وہ صحت نفس اور ثبات عقل رکھتا ہو یعنی اسکے ہوش و حواس بخوبی درست ہوں۔ پس اگر وصی یا ولی وصیتی مقرر کرنے کے وقت اسکی عقل میں فتور ہو یا فاسد العقل ہونے کی وجہ سے مدت سے کاروبار کرنے کے قابل نہ رہا ہو تو ایسا تقرر شرعاً ناجائز[1] ہوگا۔

اسی طرح سے باپ کو چاہیے کہ وصی یا ولی اس شخص کو مقرر کرے جو بالغ و عاقل ہو۔ اگر جس شخص کو باپ نے اپنی اولاد کا ولی مقرر کیا ہے وہ نابالغ یا مجنون ہو تو ایسا تقرر شرعاً باطل ہے اور جتنی کارروائیاں اس نابالغ وصی نے بموجب اس اختیار کے جو اسکو موصی نے دیا ہے قبل اسکے کی ہوں کہ قاضی اسکو برخواست کرے وہ سب شرعاً باطل اور غیر موثر[2] ہونگی۔

اگر تقرر کے بعد ولی فاسد العقل یا مجنون ہو جاوے تو جو ولایت اسکو نابالغ کے باپ نے بخشی تھی وہ باطل ہو جائیگی اور ولی مقرر کرنے کا حق قاضی کو حاصل ہو جائیگا۔

اس مسئلہ میں بڑا اختلاف ہے کہ اگر کوئی نابالغ ولی مقرر کیا گیا ہو اور قاضی کے حکم سے برخواست نہ کیا گیا ہو تو آیا بعد بلوغ اسکو حقوق ولایت عمل میں لانا جائز ہے یا نہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ نے اس مسئلہ کا جواب بصیغہ نفی دیا ہے یعنے ناجائز قرار دیا ہے مگر امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ نے اسکے خلاف فتوے دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اگر ولی نابالغ قبل بلوغ موقوف نہ کر دیا گیا ہو تو جو اختیار اسکو موصی نے دیا ہے وہ بعد بلوغ اسکو دوبارہ حاصل ہو جاتا ہے۔ یہی فتوے ہندوستان کے حنفی مذہب لوگوں میں معمول[3] بہ ہے۔

حربی (یعنی وہ شخص جو اس ملک کا باشندہ ہو جسمیں اور موصی کے ملک میں جنگ ہو) کسی حال میں مسلمان لڑکوں کا یا سلطنت اسلامیہ کے غیر مسلم رعایا کے لڑکوں کا ولی نہیں ہو سکتا۔

---

[1] شہر ملتان کے قاضی کا فیصلہ مصدرہ ۳۰۔ دسمبر ۱۸۲۸ع سائیر صاحب کی کتاب صفحہ ۲۶۰ میں ملاحظہ ہو ۱۲ [2] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۱۲-۱۲ [3] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۱۴-۱۲ [4] بیلی صاحب نے اس لفظ کا ترجمہ اجنبی یا غیر شخص کیا ہے

مگر جو ذمی یا غیر مسلم اُسی بادشاہ کی رعیت ہو جسکی رعیت موصی ہے اُسکا حکم شرع مین اور ہے۔

حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی ذمی ولی مقرر کیا گیا ہو تو وہ اُن اختیارات کو شرعاً اُسوقت تک عمل مین لا سکتا ہے جبتک کہ قاضی اُسکو برخواست کرے۔ اُسکو برخواست کرنے نہ کرنے کا اختیار قاضی کو ہے اور نابالغون کے حقوق کے لحاظ سے قاضی کو یہی مناسب ہے کہ اُسکو برخواست کردے۔ جتنی کارروائیان اُسنے بحیثیت ولی کی ہون وہ سب اُسوقت تک جائز رہینگی جبتک کہ قاضی اُسکو برخواست کرے۔

مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ ہے کہ ذمی نابالغ کی جائداد کا ولی مقرر ہو سکتا ہے اُنکی ذات کا ولی نہین مقرر ہو سکتا۔

شیعون کے نزدیک یہ مسئلہ نہایت دقیق اور مشکوک ہے۔

جامع الشتات مین لکھا ہے کہ امور ولایت مین ذمی اور حربی برابر ہین شاید اسمین یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ اس سے نابالغ کی ذات کی ولایت مراد ہے۔

مگر سب فرقون کا اسمین اتفاق ہے کہ جب ماں ولی وصیتی ہو تو گو غیر مسلمہ ہو تو بھی حقوق ولایت کو نابالغون کی ذات اور جائداد دونون پر عمل مین لا سکتی ہے۔ شیعون نے حق الجبر کو اس سے مستثنی کیا ہے۔

موصی کو اپنے غلام یا لونڈی کو اپنی نابالغ اولاد کا ولی مقرر کرنا جائز ہے۔ لکن اگر وہ غلام یا لونڈی جو ولی مقرر کی گئی ہے اور کسی شخص کی ہو۔ یا اگر موصی کی اولاد مین سے بعض بالغ ہون تو پہلی صورت مین تقرر ناجائز ہے اور دوسری صورت مین ناجائز ہو سکتا ہے اور قاضی اُسکو باطل کر سکتا ہے۔

سُنّی اور شیعہ دونون کے نزدیک فاسق کو ولی مقرر کرنا جس سے نابالغ کے حقوق کے ضایع ہونے کا اندیشہ ہو ناجائز ہے اور قاضی اُسکی ولایت کو منسوخ کر سکتا ہے۔

حالانکہ اس لفظ کے معنی باشندہ دارالحرب بمقابلہ دارالاسلام ہین ۱۲ مسئلہ ذمی او جین صاحب کی کتاب صفحہ ۱۴۴ — ۱۲ منہ سلمہ

فتاواے عالمگیری صفحہ ۱۴۳ — فصول عمادیہ — کنزالدقائق ۱۲ — جامع الشتات فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۱۲ — ۱۲ منہ —

فاسق ہے وہ شخص مراد ہے جو اوباش یا بدمعاش مشہور ہو- مگر جتنی کارروائیان ایسے شخص نے قبل اسکے کی ہون کہ اُسکی ولایت کو قاضی نے منسوخ کیا ہو وہ سب جائز ہونگی بشرطیکہ ظاہر فریبی کارروائیان نہوئی ہون- بہ پابندی شرائط مذکورۂ بالا باپ کو اختیار ہے کہ مرد یا عورت یگانہ و بیگانہ جسکو مناسب سمجھے اپنے نابالغ اولاد کا ولی مقرر کرے- اُسکے انتخاب پر کچھ اعتراض نہین ہو سکتا- البتہ یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جسکو اُسنے ولی مقرر کیا ہے وہ نابالغون کی ضرر رسانی کرتا ہے-

جب قاضی نے کسی شخص کو نابالغون کی جائداد کا امین یا منصرم مقرر کیا ہو اور بعد ازان یہ معلوم ہو کہ اُنکے باپ نے اپنے وصیت نامہ مین اور کسی شخص کو انکا ولی مقرر کیا ہے تو جس شخص کو قاضی نے ولی مقرر کیا ہے وہ برخواست کیا جائیگا اور جسکو باپ نے ولی مقرر کیا ہے وہ بحال کیا جائیگا-

کسی کو زبانی وصی مقرر کرنا شرعاً جائز ہے بشرطیکہ شہادت کافی اُسکے ثبوت میں موجود ہو

مان ولی اصلی نہین ہے- وہ اپنی نابالغ اولاد کی ذات کی ولایت کی مستحق ہے مگر انکی جائداد کی ولایت کی مستحق نہین ہے- اگر وہ اُنکی جائداد مین بغیر اجازت قاضی یا باپ کے دخل دے تو اُسکی کارروائیان ایک فضولی آدمی کی کارروائیان سمجھی جائینگی-

اگر اُن کارروائیون سے نابالغ کا فائدہ مقصود ہو تو بحال رکھی جائین اگر انکا ضرر مقصود ہو تو منسوخ کیجائین-

مان مسلمہ ہو خواہ غیر مسلمہ باپ کی وصی شرعاً مقرر ہو سکتی ہے- اور جب اُسکی وصی مقرر ہوئی ہو تو تمام حقوق و اختیارات ولایت جو اولیاء وصیتی کو شرع مین دیے گئے ہین عمل مین لا سکتی ہے-

---

سلہ الجیرس کی عدالت کا فیصلہ مصدرہ ۲۹ جنوری ۱۸۷۳ء سائیلر صاحب کی کتاب مین ملاحظہ ہو- وہ اگر قاضی یہ نہ جانتا ہو کہ متوفی کسیکو وصی مقرر کر چکا ہے اور کسی اور شخص کو اُسکا وصی مقرر کر دے تو جسکو متوفی نے وصی مقرر کیا ہے وہی اُسکا وصی شرعاً ہوگا اور جسکو قاضی نے

ولی وصیتی ہر معاملہ مین جو نابالغون کی عافیت یا اُنکی جائداد کے انتظام وحفاظت سے متعلق ہو اُنکے باپ کا قائم مقام ہے۔ بعض صورتون مین علی الخصوص اُس صورت مین جبکہ وصی کا تقرر فی نفسہ تعمیم پر دال ہو۔ باپ کا یا دادا کا وصی اُس امانت کو اپنے وصی کے سپرد کر سکتا ہے۔ مگر الجیرس کے قاضیون نے یہ فتوے دیا ہے کہ ایسی سپردگی کا جواز قاضی کی منظوری پر موقوف ہے۔

مان یہ حق نہین رکھتی ہے کہ کسی کو اپنی نابالغ اولاد کا ولی مقرر کرے۔ اولاد صلبی کی جائداد کا امین مقرر کرنا قاضی کا کام ہے۔ مگر جب مان عموماً باپ کے وصی کا کام کرتی ہو تو اُسکو اپنے وصیت نامہ مین اپنی اولاد کو اپنے وصی کے سپرد کر دینا جائز ہے۔

جب مان نے کسی کو اپنے نابالغ اولاد کی حفاظت کے لیے اپنا وصی مقرر کیا ہو اور اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ بھی اُسی کو سپرد کر دی ہو تو ایسے وصی کو یہ اختیار نہین ہے کہ جو جائداد اُن نابالغون نے اپنے باپ کے ترکہ مین پائی ہے اُسکو فروخت کر ڈالے خواہ وہ جائداد منقولہ ہو خواہ غیر منقولہ خواہ مقروض ہو خواہ قرضہ سے سبکدوش ہو۔ البتہ ایسا وصی نابالغون کے فائدہ کے لیے اس جائداد منقولہ مین دست اندازی کر سکتا ہے جو اُنکو مان کے ترکہ مین ملی ہے مگر جائداد غیر منقولہ مین دست اندازی نہین کر سکتا۔ اگر مان کی جائداد مقروض ہو اور اسقدر قرضہ ہو کہ ساری جائداد اُسمین مستغرق ہو تو ایسے وصی کو ایسی جائداد کے بیچ ڈالنے کا اختیار ہے مگر اور کسی صورت مین اُسکے بیچنے کا اختیار نہین رکھتا ہے۔

جب عدالت نے کسی کو ولی مقرر کر دیا ہو یا کوئی شخص ولی وصیتی ہو تو مان اپنے نابالغ اولاد کی جائداد کے انتظام مین دست اندازی نہین کر سکتی۔ مگر اُسکو ہر وقت اختیار ہے کہ اپنی اولاد کے

وصی کیا ہے وہ نہو گا ۱۱ فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۱۳ - ۱۲ منہ سلہ فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۲۳ - جامع الشتات ۱۲ منہ سلہ فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۲۳ - مین لکھا ہے کہ ایسا ولی کوئی چیز اُس جائداد سے نہین خرید سکتا سواے کھانے اور کپڑے کے ۱۲ منہ سلہ فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۲۳ - ۱۲ منہ

حقوق کی حفاظت کے لیے نالش دائر کرے یعنی جب ولی اصلی نابالغ اولاد کی جائداد کی کوئی کارروائی فریب سے کر رہا ہو یا انکی جائداد کو ضایع و برباد کیے دیتا ہو یا امین خیانت کرتا ہو تو ماں اسکی مستحق ہے کہ قاضی سے مدد لیکر اُس ولی کو موقوف کرے یا اُسکو ایسی کارروائی سے مانع ہو۔

شرع محمدی مین ولی اصلی اور ولی وصیتی اور ولی مقرری تینون کے اختیارات اور فرائض نہایت تصریح اور بڑی احتیاط سے بیان کر دیے گئے ہین۔

ولی کو اجازت ہے کہ نابالغ کی جائداد منقولہ کو معاوضہ کافی لیکر فروخت کر ڈالے اور جو قیمت اُسکی ملے اُسکو نابالغ کے فائدہ کے لیے کسی مفید معاملہ (تجارت وغیرہ) مین لگا دے چنانچہ ہدایہ مین لکھا ہے کہ "ولی نابالغ کی طرف سے جائداد منقولہ کو اُسکے مساوی کے معاوضہ مین خرید و فروخت کر سکتا ہے یا ایسی قیمت پر خرید و فروخت کر سکتا ہے جس سے کچھ خفیف سا نقصان ہو مگر ایسی قیمت پر خرید و فروخت نہین کر سکتا کہ بہت سا اور بدیہی نقصان ہو اسواسطے کہ ولی نابالغ کے فائدہ کے لیے مقرر کیا جاتا ہے پس اُسکو چاہیئے کہ جہانتک ممکن ہو نابالغ کا نقصان نہو نے دے مگر تجارت مین اکثر نقصان خفیف ہو جاتا ہے اور ناگزیر ہے لہذا ولی ایسا نقصان گوارا کرنے کا مجاز ہے ورنہ خرید و فروخت کا باب مسدود ہو جائیگا"[1]

جامع الشتات اور فصول عمادیہ مین بھی اسی کے مانند اقوال لکھے ہین۔

جب معاوضہ کے غیر کافی ہونے سے بادی النظر مین فریب معلوم ہو یا جب معاوضہ ایسا قلیل ہو کہ نابالغ کا نقصان عظیم لازم آئے یا جب قلت معاوضہ ولی کی غفلت و سہلنکاری کا نتیجہ ہو تو قاضی اُس معاملہ کو جو نابالغ کی طرف سے اُسکے ولی نے کر لیا ہے ناجائز قرار دے کر ولی کو اُسکے نتائج کا ذمہ دار کریگا۔ مگر قاضی کو اپنی عقل سے یہ خیال کرنا چاہیئے کہ آیا یہ معاوضہ کافی ہے یا نہین ہے یا آیا کسی خاص معاملہ کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اِسمین نابالغ کا نقصان یا

[1] ترجمۂ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۲۰۵۵۳ منہ

عمل میں آئی ہوئی ہے یا نہیں ہوئی ہے۔ اگر وہ معاملہ نیک نیتی سے اور کماحقہ توجہ اور احتیاط کے ساتھ کیا گیا ہو تو ولی ایسے نتائج کا ذمہ دار نہ سمجھا جائیگا جو اُسکی توجہ اور اُسکی عاقبت اندیشی کے خلاف اتفاقی اُس معاملہ سے پیدا ہو جائیں۔

ولی کو شرعاً اجازت ہے کہ نابالغ کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت کے لیے روپیہ قرض لے گو اُسکو نابالغ کی جائداد رہن رکھنی پڑے سب قرضے جو نیک نیتی اور جائز طور سے اِس غرض سے لیے گئے ہوں نابالغ کی جائداد سے ادا کرنی چاہئیں اور نابالغ کو چاہیئے کہ بعد بلوغ اُنکو ادا کرے۔

ولی کو نابالغ کی طرف سے تجارت کرنا جائز ہے مگر جب تجارت کرے تو اِسکا خیال رکھے کہ کوئی معاملہ خلاف عقل و دور اندیشی نہ کر بیٹھے یا ایسے معاملات نہ کرے جنکی نسبت اُسکو یہ یقین ہو جاوے کہ پُرخطر ہیں یا اُنمیں جوکھم ہے۔

ولی کو واجب ہے کہ اپنا حساب نابالغ کے حساب سے علیحدہ رکھے جبکہ دونوں کا سرمایہ ایک ہی تجارت یا ایک ہی کام میں شریک ہو۔

ولی وصیتی کو یا جسکو قاضی نے امین مقرر کیا ہو اُسکو یہ جائز نہیں ہے کہ نابالغ کے مال کو خود اپنے پاس بابت کسی قرضہ کے جو اُسکو واجب الادا ہو رہن رکھے نہ کسی ایسے شخص پاس رہن رکھ سکتا ہے جسپر وہ اختیار رکھتا ہو یا جسپر حکومت پدری رکھتا ہو اسواسطے کہ ولی صرف ایک کارندہ یا مختار ہے لہذا معاملات میں دوہری حیثیت نہیں رکھ سکتا۔

ہدایہ میں لکھا ہے کہ باپ اپنی نابالغ اولاد کی جائداد منقولہ بعوض اُس قرضہ کے جو اُسکی اولاد کے ذمہ واجب الادا ہو اپنے پاس رہن رکھ سکتا ہے یا اُسکو دوسرے شخص کے پاس اپنے ذاتی قرضہ کے عوض میں رہن رکھ سکتا ہے مگر اُس مال کی قیمت کا دین دار اولاد کا باپ ہوگا بعض فقہا نے صاحب ہدایہ سے اِس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ اُنکا قول یہ ہے

لہ فصول عمادیہ ۱۲ منہ ۱۳ ترجمۂ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۴۱ ج ۲ ۔ ۱۲ منہ سلہ ترجمۂ انگریزی ہدایہ صفحہ ۲۱۵ ۔ ۱۲ منہ

کہ باپ اس امر ولایت مین وہی حیثیت رکھتا ہے جیسی اور کوئی ولی رکھتا ہے۔ یعنی باپ کو یا اور کسی ولی کو یہ نہین جائز ہے کہ اپنا ذاتی قرضہ نابالغ کی جائداد سے ادا کرے یا اسکو اپنے ذاتی قرضہ کے لیے رہن رکھے۔

امام ابو یوسف اور دیگر علماء اہل سنت نے اس قول کی صحت مین کلام کیا ہے اور فرمایا ہے کہ باپ کو یہ نہین جائز ہے کہ اپنی ذاتی جائداد کو اپنی اولاد کی جائداد کے ساتھ خلط ملط کر دے یا اولاد کی جائداد کو اُس قرضہ کے عوض مین رہن رکھے جو دونون کے ذمہ واجب الادا ہو کیونکہ اس سے ابتری کا گمان[1] ہے۔

یہ اصول فقط جائداد منقولہ سے متعلق ہین۔ نابالغ کی جائداد غیر منقولہ کی نسبت ولیون کے اختیارات شرعاً اس سے بھی زیادہ محدود و محصور ہین۔

(الف) ولی نابالغ کی جائداد غیر منقولہ کسی حال مین اپنے ہاتھ یا اپنے متعلقین مین سے کسی کے ہاتھ نہین فروخت کر سکتا۔

(ب) وہ اُس جائداد کو غیر شخص کے ہاتھ دو چند قیمت پر فروخت کر سکتا ہے یا اُسوقت فروخت کر سکتا ہے جبکہ نابالغ کا فائدہ بالبداہت متصور ہو۔

(ج) وہ اُس جائداد کو اُس ہنگام مین بھی فروخت کر سکتا ہے جبکہ موصی کی وصیت مین کچھ شرائط ایسے ہون جنکی تعمیل بے اس جائداد کو فروخت کیے نہ ہو سکتی ہو۔

(د) وہ اُسوقت بھی اُسکو فروخت کر سکتا ہے جبکہ موصی کا قرضہ ادا کرنا ہو اور بے اُس جائداد کو فروخت کیے اور کسی طور سے وہ قرضہ نہ ادا ہو سکے۔

(ہ) وہ اُسوقت بھی اُسکو فروخت کر سکتا ہے جبکہ اُس جائداد غیر منقولہ کی آمدنی اُسکے مصارف انتظام کو یا خراج (مالگذاری آراضی) ادا کرنے کو کافی نہو۔

(و) اُسوقت بھی اُسکو فروخت کر سکتا ہے جبکہ اُسکے خراب و برباد ہو جانے کا سخت اندیشہ ہو

---

[1] فصول عمادیہ۔ درالمختار صفحہ ۶۴۸۔ جامع الشتات۔ ہدایہ کتاب ۵۸ باب ۲۔ ۱۲ منہ

(ز) اُسوقت بھی اُسکو فروخت کرسکتا ہے جبکہ نابالغ اور کوئی جائداد نہ رکھتا ہو اور اُسکے نفقہ یا گذارہ کے لیے اُس جائداد غیر منقولہ کو فروخت کرنا نہایت ضرور ہو۔

(ح) اُسوقت بھی اسکو فروخت کرسکتا ہے جبکہ وہ جائداد کسی سود خورہ مہاجن کے پاس ہو اور ولی کو یہ اندیشہ ہو کہ اس جائداد کے ملنے کی کچھ امید نہیں[1] ہے۔

اگر نابالغ کی جائداد غیر منقولہ کافی قیمت پر نیک نیتی سے فروخت کیجائے اور اِس غرض سے بیچی جائے کہ حاصل بیع کسی ایسے کام میں جسمیں نقصان کا خوف نہو اور نفع کثیر کی امید ہو لگایا جائیگا تو قول راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُسکو فروخت کرنا شرعًا جائز[2] ہے۔

قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ ولی وصیتی کے اختیارات اُنھیں حدود سے محدود ہیں اور اُسی قدر وسیع ہیں جیسے موصی کے اختیارات[3] ہیں۔

ولی کے اختیارات کے باب میں شیعہ اور سُنّی میں عمومًا اتفاق ہے۔ اس مقام پر چند اصولِ عامہ کتاب مبسوط سے بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

(۱) ولی وصیتی کو چاہیئے کہ بالغ و عاقل اور مسلمان اور عادل یعنی نیک کردار ہو۔

(۲) نابالغ خود اپنا ولی نہیں مقرر ہو سکتا مگر دوسرے کے ساتھ اپنا ولی مقرر ہو سکتا ہے۔ جب وہ دوسرے شخص کی شرکت سے اپنا ولی مقرر ہو تو صرف بعد بلوغ کام کرسکتا ہے۔

(۳) صورت مذکورۂ بالا میں ولی بالغ ولی نابالغ کے زمانہ بلوغ تک اکیلا کام کرسکتا ہے۔

(۴) عورت وصی یا ولی وصیتی نابالغوں کی مقرر ہو سکتی ہے۔

(۵) ذمی مسلمان لڑکوں کا ولی نہیں مقرر ہو سکتا۔

(۶) ولی وصیتی اپنے اختیارات ولایت اپنے ولی کو تفویض نہیں کرسکتا تاوقتیکہ موصی نے اُسکو ایسا کرنے کی اجازت صریحی نہ دی ہو

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۳۲۔ فصول عمادیہ۔ جامع الشتات۔ کتاب الانوار۔ درالمختار صفحہ ۶۴۶۔ ۱۲ منہ

[2] فصول عمادیہ۔ درالمختار۔ جامع الشتات ۱۲ منہ [3] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۲۴۔ ۱۲ منہ۔

(۷) اگر دادا زندہ ہو تو باپ اپنے نابالغ اولاد کی ولایت غیر شخص کو نہین دے سکتا
الا اینکہ دادا اپنے بیٹے کی اولاد سے عداوت رکھتا ہو یا اُنکی ضرر رسانی چاہتا ہو۔
شرع محمدی مین جو احکام ولیون کے تقرر اور اُنکے اختیارات و فرائض سے متعلق ہین
اُنکو ایکٹ ۴۰ سنہ ۱۸۵۸ع کی منشائ کے موافق دیکھنا چاہیئے۔
اِس ایکٹ کی دفعہ ۲ مین لکھا ہے کہ "باستثنار اُن مالکان اراضی کے جو گورنمنٹ کو مالگذاری
دیتے ہین اور جو کورٹ آف وارڈس کی زیر حراست ہون یا آیندہ اُسکے زیر حراست رکھی جاوین
سب نابالغون کی ذات اور جائداد کی حفاظت (سوائے اُن نابالغون کے جو ملکہ معظمہ کی رعایا
اہل یورپ سے ہون) عدالت دیوانی کے اختیار مین رہیگی"
پھر دفعہ ۳ مین لکھا ہے کہ "جس شخص کو از روے وصیت نامہ یا بموجب کسی دستاویز کے
یا بوجہ قرابت قریبہ یا اور کسی وجہ سے نابالغ کی جائداد کی ولایت کا دعوے ہو اُسکو چاہیئے
کہ عدالت دیوانی سے سارٹیفکٹ انتظام کی استدعا کرے اور کوئی ایسا شخص اُس جائداد
پر نالش کرنے یا اُسکی نالش کی جوابدہی کرنے کا مستحق نہین ہے جسکی ولایت و حفاظت کا
دعوے وہ رکھتا ہو تاوقتیکہ وہ ایسا سارٹیفکٹ نہ حاصل کر لے"
اِس دفعہ سے مان کا یہ حق نہین زائل ہو گیا ہے کہ اپنی نابالغ اولاد کی ولی پر نالش کرکے
اُسکو اُنکی جائداد کے تباہ و برباد کر دینے سے مانع ہو۔
دفعہ ۱۹ مین خاص کر یہ لکھا ہے کہ "نابالغ کے عزیز یا رفیق کو جائز ہے کہ اُسکی
نابالغی کے زمانہ مین جسوقت چاہے حساب فہمی کی نالش اُس شخص پر دائر کرے جو اس ایکٹ کے
منشا کے موافق اُسکا منتظم مقرر ہوا ہو یا اُس شخص پر جسکو اس ایکٹ کے بموجب سارٹیفکٹ
انتظام دیا جائیگا یا کسی ایسے شخص یا ایسے منتظم پر اُسوقت جبکہ وہ اپنے عہدہ سے برخواست
ہو چکا ہو یا در صورت اُسکے مر جانے کے اُسکی ذات کے قائم مقام پر نسبت کسی جائداد کے
جو اُسوقت اُسکے زیر حراست یا زیر انتظام ہو یا پیشتر رہی ہو یا بالنسبت کسی رقوم یا اور جائداد

جواسکے اُس جائداد کی بابت پائی ہو ۱۱۔

دفعہ ۷ مین ولی مقرر کرنے کی شرائط یہ لکھے ہین کہ وہ اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص جو نابالغ کی جائداد کی ولایت وحراست کا دعوےٰ رکھتا ہے ازروے وصیت نامہ یا بموجب اور کسی دستاویز کے اُسکا مستحق ہے اور اُسکو اپنی حراست مین رکھنے پر راضی بھی ہے تو عدالت ایسے شخص کو سارٹیفکٹ انتظام عطا کریگی۔ اگر کوئی شخص اِس طور سے مستحق نہو یا اگر ایسا شخص اُس جائداد کو اپنی حراست مین رکھنا چاہتا ہو اور کوئی ایسا عزیز قریب نابالغ کا موجود ہو جو اُسکی جائداد کی حراست کی قابلیت اور خواہش رکھتا ہو تو عدالت ایسے عزیز کو سارٹیفکٹ انتظام دے سکتی ہے۔ عدالت کو یہ بھی جائز ہے کہ اگر مناسب سمجھے (بشرطیکہ نابالغ کے باپ نے کسی کو اُسکا ولی نہ مقرر کر دیا ہو) تو شخص موصوف کو یا ایسے عزیز کو یا نابالغ کے اور کسی عزیز یا دوست کو اُسکی ذات کا ولی مقرر کر دے ۱۱۔

جب کوئی شخص جو ازروے وصیت نامہ یا اور کسی دستاویز کے بموجب مدعی ولایت ہے اپنا حق ولایت ایسا ثابت کردے کہ عدالت کو اطمینان ہو جاے اور جب کوئی عزیز قریب نابالغ کی جائداد کی حراست کی قابلیت اور خواہش نہ رکھتا ہو تو عدالت اسکی مجاز ہے کہ سرکاری امین کو یا اور کسی شخص کو ایسی جائداد کی حراست کے لیے مقرر کر دے۔ اور جب عدالت کسی کو نابالغ کی جائداد کا ولی مقرر کرے تو اُسپر یہ بھی فرض ہے کہ وہ کسی کو اُسکی ذات اور اُسکے گذارہ کا ولی مقرر کرے ۱۱۔

دفعہ ۸ مین اُن ولیون کے اختیارات جو اس طور سے مقرر کیے گئے ہون یا جنکو سارٹیفکٹ انتظام دیا گیا ہو یہ لکھے ہین کہ وہ ہر شخص جسکو اس ایکٹ کی منشا کے موافق سارٹیفکٹ دیا گیا ہو نابالغ کی جائداد کے انتظام مین اُنھین اختیارات کو عمل مین لاسکتا ہے جنکو خود مالک جائداد عمل مین لاتا اگر نابالغ نہوتا اور تمام واجبی حقوق اور قرضون اور ذمہ داریون کو جو اُس نابالغ کی جائداد کو یا اُسپر واجب الادا ہون ادا اور وصول کر سکتا ہے۔ مگر ایسے کسی

شخص کو کسی جائداد غیر منقولہ کے بیع کرنے یا رہن رکھنے کا یا پانچ سال سے زیادہ میعادی پٹہ دینے کا اختیار بغیر اسکے نہوگا کہ پیشتر عدالت دیوانی کا حکم حاصل کرلے "

مقدمہ عباسی بیگم بنام راج روپ کور جسٹس اینسلی صاحب اور جسٹس میکڈانلڈ صاحب نے[1] یہ تجویز کیا تھا کہ وہ ولی ناجائز جسنے اس ایکٹ کے بموجب سارٹیفکٹ نہ پایا ہو اُس ولی جائز سے زیادہ اختیارات نہین رکھتا ہے جو اس ایکٹ کے روسے مقرر کیا گیا ہو۔ مگر اسکے بعد ایک مقدمہ ہوا جسمین ہائی کورٹ کلکتہ کے اجلاس کامل نے اسکے خلاف رائے قائم کرکے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب ولی (خواہ مرد ہو خواہ عورت) سارٹیفکٹ پاچکا ہو تب اُسکا اختیار دفعہ ۱۸ ایکٹ ۴۰ سنہ ۱۸۵۸ع کی منشا کے موافق محدود ہو جاتا ہے۔ پس جب کسی ولی نے خواہ ولی اصلی خواہ ولی وصیتی سارٹیفکٹ نہ حاصل کیا ہو تو اُسکا فیصلہ شرع محمدی کے اصول کے موافق کیا جائیگا۔ اور شرع محمدی مین نابالغ کے حقوق کے حفاظت کی خوب فکر کیگئی ہے جیسا سابق مین بیان کیا گیا۔ لہذا اسمین شک نہین ہے کہ جو ولایت کے جھگڑے مسلمانون مین پیدا ہونگے اُنکا تصفیہ کرنے مین ہندوستان کی عدالتین اُن منصفانہ اصول شرعیہ کی پابندی کرینگے جو صوبہ الجیرس کے قاضیون اور عدالتون نے اختیار کیے ہین "

---

[1] انڈین لا رپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۴ صفحہ ۳۳ ۔ ۱۲ منہ